محمد صلی اللہ علیہ وسلم
www.KitaboSunnat.com
کے زمانے کا ہندوستان
مع
ہندوستان صحابہؓ کے زمانہ میں
مؤلف
قاضی محمد اطہر مبارک پوری

محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کے زمانے کا ہندوستان
مع
ہندوستان صحابہؓ کے زمانہ میں

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا ہندوستان

مع

ہندوستان صحابہؓ کے زمانہ میں

مؤلف

قاضی محمد اطہر مبارک پوری

فرید بکڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ

FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.

NEW DELHI-110002

محمد ﷺ کے زمانے کا ہندوستان (مکمل)

مع ہندوستان صحابہؓ کے زمانے میں

مصنف: قاضی محمد اطہر مبارکپوریؒ

تسہیل و تلخیص: مولانا ابومجاہد شمشیر

قیمت: -/۱۰۰ سائز: 23x36/16 صفحات: ۳۶۶

باھتمام: محمد ناصر خان

فرید بکڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ

FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.

Corp. Off.: 2158, M.P. Street, Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-2

Phones: 23247075, 23289786, 23289159 Fax: 23279998 Res.: 23262486

MUHAMMAD *Sall Allahu Alaihi Wasallam*

Ke Zamane Ka Hindustan

Author: **Qazi Muhammad Athar Mubarakpuri [Rah.]**

Pages: **366**

Ist Edition (Indian): **October 2005**

Price: **Rs. 100/-**

Our Branches:

Delhi: Farid Book Depot (P) Ltd.

422, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-6

Ph.: 23265406, 23256590

Farid Book Depot (P) Ltd.

168/2, Jha House, Basti Hazrat Nizamuddin (W),

New Delhi-110013 Ph.: 55358122

Mumbai: Farid Book Depot (P) Ltd.

208, Sardar Patel Road, Near Khoja Qabristan,

Dongri, Mumbai-400009 Ph.: 022-23731786, 23774786

Printed at: Farid Enterprises, Delhi-2

فہرست مضامین

مضامین	صفحہ نمبر

مضامین	صفحہ نمبر

مضامین	صفحہ نمبر
پچھتر	144
اسلام اور مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد	145
عہدِ رسالت میں بحری اسفار	146
عہدِ رسالت میں دعوتِ اسلام کی دو روایات	148
ہندوستان میں صحابۂ کرامؓ کی تشریف آوری	150
تھانہ، بھڑوچ اور دیبل پر حملہ	151
عام تاریخوں میں ان حملوں کے نہ بیان کرنے کی وجہ	152
حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفیؓ	154
حضرت حکم بن ابی العاص ثقفیؓ	155
حضرت مغیرہ بن ابی العاصؓ	156
خلافت راشدہ میں ہندوستان سے تعلقات	156

حصہ دوم

خلافت راشدہ اور ہندوستان

مضامین	صفحہ نمبر
مقدمہ، از مؤلف	159
چند ضروری باتیں	
متقدمین اور متاخرین کی تاریخ نویسی میں فرق	159
ہندوستان کی خالص اسلامی اور عربی تاریخ	160
عالم اسلام میں اسلامی ہند کی حیثیت	163
خلافت راشدہ کے فیوض و برکات	164
صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی آمد	165
بلاد سندھ و ہند	166
عہدِ رسالت اور ہندوستان	
رسول اللہ ﷺ، صحابہؓ اور اہل ہند	169
سرندیپ کا وفد مدینہ کی طرف	171
ایک راجہ کا تحفہ و ہدیہ	172
ہندی اشیاء کا استعمال	173
غزوۂ ہند کی پیشین گوئی اور بشارت	174
ہندی مسلمان	175
حضرت بیرزطن ہندی یمنیؒ	176
حضرت باذان ملک الہندؒ	177
بعض منکر روایات	178
حضرت آدم کے ہندوستان میں اُترنے کی روایت	178
تاڑی کے متعلق روایت	179
اہل ہند سے ہوشیار رہنے کی روایت	179
عرب و ہند کے درمیان آمد و رفت کی روایات	180
رفاعہ بنت عبد صالح جتیہ کی روایت	180
پانچ صحابہؓ کے سندھ آنے کی روایت	181
قنوج کے راجہ سرباتک کی روایت	182
بابا رتن ہندی کی روایت	184
حضرت تمیم داریؓ کی روایت	185
راجہ ملیبار سامری کی روایت	185
خلافتِ راشدہ اور ہندوستان	
حضرت ابوبکر صدیق ﷺ	187
حضرت عمر بن خطاب ﷺ	188
حضرت عثمان بن عفان ﷺ	189
حضرت علی بن ابو طالب ﷺ	190
حضرت حسن بن علی ﷺ	191
مشرقی ممالک اور ہندوستان	191

مضامین	صفحہ نمبر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرب و ہند عہد رسالت میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت ملک عرب کے اطراف و جوانب میں غیر ملکیوں کی بہت زیادہ آبادی تھی، اور جب اسلام کی دعوت جزیرۃ العرب میں پھیلی تو عربوں کی طرح وہاں پر آباد دوسری قوموں کو بھی اس سے واسطہ پڑا، اور عربوں کی طرح عام طور سے وہ بھی مسلمان ہوگئیں، یا ان میں سے کچھ لوگوں نے جزیہ دے کر اپنے دین پر قائم رہنا پسند کیا۔

شمال مغرب میں شام سے متصل عربی علاقہ رومیوں کے قبضہ میں تھا، اور وہاں، رومیوں کی طرف سے عرب حکمراں انتدابی قسم کی حکومت کرتے تھے، جیسے شام کے غساسنہ اور جیرہ کے منازرہ، شمال مشرق میں عراق پر شاہان ایران کا قبضہ تھا، جن کا مرکز ابلہ تھا، اور خلیج عربی کے پورے سواحل، بحرین اور عمان پر ان کے اساورہ یا ان کے ماتحت عرب حکمراں حکومت کرتے تھے، یہ سلسلہ یمن تک قائم تھا، اور مشرقی جنوبی عرب کا پورا ساحلی علاقہ ایرانیوں کے قبضہ میں تھا، پھر یمن سے مغرب کے علاقوں میں حبشہ اور زنج کثیر تعداد میں موجود تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد طفولیت میں یمن کے عرب حکمراں سیف بن ذی یزن کو حبشہ کے بادشاہ نے مغلوب کر کے پورے یمن پر قبضہ کر لیا تھا، مگر اس کے فوراً بعد ہی وہاں پر ایرانیوں کا قبضہ ہوگیا، جو بعثت نبوی کے وقت تک قائم رہا، الغرض عرب کے ان حدود پر غیر ملکی قابض و دخیل تھے، اور ان کے آدمی یا نمائندے حکمرانی کرتے تھے اس طرح بعثت نبوی کے وقت عرب میں رومی ایرانی، حبشی اور ہندی اپنے اپنے اثر و اقتدار کے ساتھ موجود تھے۔

ہندوستان کی قومیں اگرچہ عرب میں براہ راست اپنا اثر و اقتدار نہیں رکھتی تھیں مگر مختلف وجوہ سے ان کی حیثیت بلند تھی، جس میں بڑا دخل ایرانیوں کے عرب پر قبضہ کو تھا، ایرانی ایک طرف ہندوستان اور سندھ و بلوچستان کے راجوں، مہاراجوں اور یہاں کے لوگوں کو اپنے اثر و اقتدار میں رکھتے تھے اور دوسری طرف عرب کے ساحلی علاقہ میں عراق سے لے کر یمن تک حاکمانہ طاقت رکھتے تھے، اس لئے ہندوستانیوں کو عرب کے ان حدود میں ایرانیوں کے توسط سے اقتدار نصیب ہوا، اور ایران کی فوج اساورہ میں ہندوستان کے بہت سے آدمی شامل ہوکر عرب میں رہنے لگے، ہندوستان اور عرب کے

---

[1] المسالک والممالک ص ۵۸۔ [2] المسالک والممالک ص ۱۸۔ [3] معجم البلدان ج ۷ ص ۱۸ طبع مصر۔

قدیم ترین تجارتی تعلقات کے بعد ایران کے توسط سے اس حاکمانہ تعلق نے ان میں عرب سے مزید دلچسپی پیدا کی اور یہاں کے لوگ ہندوستانی اشیاء کی تجارت، عرب کے جہازوں اور کشتیوں پر ملازمت، اور عرب میں آباد ہو کر وہاں کے اقامت میں بڑھ چڑھ کے حصہ لینے لگے، جس کے نتیجہ میں عہد رسالت میں عرب کے اندر ہندوستانیوں کی مختلف قومیں اور جماعتیں رہنے لگیں اور ان کو عرب کے باشندے اپنی زبان میں مختلف ناموں سے یاد کرتے تھے، چنانچہ عربوں نے اپنے ملک میں آباد ہندوستانیوں کو زط، اساورہ، سیابجہ، احامرہ، مید، بیاسرہ اور تکاکرہ وغیرہ کے ناموں سے موسوم کیا، کسی ملک کے آدمیوں کو اتنے زیادہ نام ولقب سے یاد کرنا اس کی صریح دلیل ہے کہ وہاں ان کی تعداد بہت زیادہ تھی، اور وہ ہر طرف مشہور تھے، چوں کہ عربوں اور ہندوستانیوں میں بڑی حد تک مذہبی یک جہتی تھی اس لیے وہ بڑی آسانی سے عربوں کی زندگی میں مل جل گئے۔

ان ہی حالات میں مکہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، چونکہ تیرہ سال تک مکی زندگی مقامی کفار و مشرکین کی وجہ سے مظلومیت میں گذری اس لئے عرب کے انتہائی حدود کے لوگوں کو اسلام سے کم واقفیت ہوئی، اور وہاں کے عربوں کی طرح ہندوستانی بھی اسلام سے تفصیلی طور سے واقف نہیں ہو سکے، البتہ مکی زندگی میں حبشہ کی طرف صحابہؓ کی ہجرت ہوئی، اس لئے حبشہ اور اس کے اطراف کے لوگوں کو اسلام کی عام واقفیت ہوئی۔ اغلب یہ ہے کہ اسی سلسلے میں حبشہ کے سامنے سواحل کے عربی اور عجمی باشندوں کو بھی اسلام کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل ہوئی ہونگی، چنانچہ حضرت باذانؓ حاکم یمن ابتدائے بعثت ہی میں اسلام لائے اور ان کے ساتھ یمن میں مقیم بہت سے اساورہ اور ایرانی نسل کے ابناء بھی مسلمان ہوئے، اس کے باوجود دعوت و تبلیغ کے طور پر ان اطراف میں اسلام کی تفصیلی معلومات نہیں ہوئیں، اور اس کا موقع اس وقت آیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے تیرھویں سال مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی، ہجرت کے واقعہ نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق نہ صرف عرب کے انتہائی حدود میں تفصیلی واقفیت کے لیے راہ پیدا کی بلکہ اطراف و جوانب کے ان ممالک میں بھی اس کی خبر پہنچی جو عرب سے متصل تھے، اور ان ممالک سے عرب کے قدیم تعلقات تھے، اور جس طرح دوسرے ممالک میں یہ خبریں پہنچیں، ہندوستان میں بھی ان کو سنا گیا، اور یک گونہ دلچسپی ظاہر کی گئی۔

ع المسالک والممالک ص ۱۶ و ۱۷۔

ھ طبقات الامم ابن ساعد اندلسی ص ۵۶ مطبعۃ التقدم مصر۔

پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۷ اور ۸ ہجری کے درمیان حدودِ عرب میں دعوت اسلام بھیجی اور صحابہ کرام کی ایک جماعت کو اسلام کا مبلغ و داعی اور قاصد بنا کر عرب اور بیرونِ عرب کے رئیسوں، حاکموں اور باحیثیت لوگوں کو خطوط بھیجے تو اس وقت عراق سے لے کر مشرقی سواحل اور یمن تک میں اسلام کی دعوت عام ہوئی اور ان اطراف کے عربوں کی طرح عجم، فرس اور مجوس وغیرہ بھی اس کی دعوت سے تفصیلی طور پر واقف ہوئے ان ہی کے ساتھ یہاں کے ہندوستانی باشندے بھی عام طور پر اسلام سے باخبر ہو کر یا تو مسلمان ہوئے اور اسلامی زندگی کا جزو بن گئے یا عام مجوسیوں کی طرح یہ لوگ بھی اپنے آبائی مذہب پر قائم رہ کر جزیہ ادا کرتے پر راضی ہو گئے اور ان کو مجوس میں شمار کیا گیا۔

نیز عہد رسالت میں جس طرح اسلام کا چرچا دیگر ممالک میں ہوا، ہندوستان میں بھی ہوا اور یہاں کے مذہبی لوگوں اور راجوں مہاراجوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام سے براہ راست تعلق پیدا کرنے کی کوشش کی، اور دعوت اسلام کو سمجھنا چاہا، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندوستان اور یہاں کے لوگوں کے متعلق باتیں کیں، قرآن حکیم میں ہندوستانی اشیاء کے نام آئے اور ان کا تذکرہ فرمایا گیا، احادیث میں ہندوستان کے باشندوں اور یہاں کی چیزوں کا تذکرہ آیا، یہاں کی بہت سی اچھی چیزوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال کا حکم دیا، بہت سی بری باتوں سے منع فرمایا، اور دورِ رسالت کی اسلامی ادبیات میں ہندوستان کی قوموں کے، یہاں کی چیزوں کے اور اس ملک کی باتوں کے تذکرے ہوئے، قرآن و حدیث کے علاوہ صحابہ کرام کے اشعار میں ان کا تذکرہ آیا:

آئندہ صفحات میں اسی اجمال کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

المسالک والممالک از صفحہ ۶۱ تا ۶۶ ملخص۔ ۲ؔ المسالک والممالک ص ۶۰، ۶۱۔

عرب و ہند کے قدیم راستے

ہم آئندہ جو کچھ بیان کرنا چاہتے ہیں، اس کے لئے ضروری ہے کہ ابتداء میں عرب و ہند کے مابین آمد و رفت کی قدیم بری اور بحری راہوں اور ان میں واقع مقامات کی نشان دہی کریں، کیوں کہ ان ہی قدیم راہوں پر چل کر ذہن کا سیاح دونوں ملکوں کی سیر کر سکتا ہے۔

سندھ اور ہندوستان عربوں کی نظر میں

سندھ اور ہند عربوں کے نزدیک دو الگ الگ ملک تھے۔ جو ان کے شرق میں سمندر پار پڑتے تھے، سندھ کا ملک ہندوستان، کرمان اور سجتان وغیرہ کی حدود سے گھیرا ہوا تھا، اس کے بعد ہندوستان کا ملک پڑتا تھا جو مشرق میں چین کی حدود سے ملتا تھا، اور عرب دونوں ملکوں کو ملا کر ہند بھی بولتے تھے، جس طرح تاریخ نے اپنے کو دہرایا اور اب پھر ایک ملک ہندستان کے تقریباً یہی دونوں علاقے بھارت اور پاکستان کے دو نام سے یاد کیے جانے لگے اور دونوں کے لئے جامع لفظ ہندوستان ہے۔

قدیم ترین عرب جغرافیہ نویس ابن خرداذبہ نے بلاد سندھ میں ان شہروں کو شمار کیا ہے:
قیقان (کیگان قلات)، بنہ (غالباً بنون)، مکران، مید، قندھار (گندھارا)، قصدار، بوقان، قندابیل، فنزبور، ارمابیل، دیبل (قریب کراچی)، قنبلی، کنبایا (کھمبائت)، سہبان، سدوسان، راسک، الرور (الور)، ساوندری، مولتان، سندان (سنجاں بمبئی)، مندل، ب یلمان (بھیلمان گجرات)، سرست، کیرنہ، مرمد، فالی (پالی، جونا گڈھ)، دہنج (گجرات)، بروص (بھڑوچ)۔[1]

واضح رہے کہ ان شہروں کے ناموں میں ترتیب کا التزام نہیں ہے، بلکہ صرف ملک سندھ کے تمام شہروں کے نام دیئے گئے ہیں، عام طور سے ان حدود کے باشندوں کو عرب سندھی سمجھتے اور کہتے تھے، سندھ شاہان فارس کے اثر و اقتدار کے ماتحت یوں رہا کرتا تھا کہ یہاں کے راجے مہاراجے ان کے باج گزار اور فرماں بردار ہوتے تھے اور ضرورت کے وقت وہ یہاں سے فوج کے لئے آدمی بھی لیتے تھے، ایران کے بادشاہ اردشیر نے سندھ کے مہاراجوں کو اپنی طرف سے خاص خاص القاب سے بھی نوازا تھا، چنانچہ اس نے قفص شاہ، مکرانشاہ، قیقان شاہ، قشیران شاہ سے سندھ کے ان مہاراجوں کو نوازا تھا، جو یہاں حکمران تھے اور اس کے ماتحت تھے، اور ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے حلقہ میں ذاتی

---

[1] المسالک والممالک ص ۶۰ — مسالک والممالک اصطخری از ص ۱۲ تا ۱۵۔

نام کے بجائے اپنے لقب سے مشہور تھا۔[1]

عربوں کی تقسیم کی رو سے سندھ کے بعد ہندوستان کا ملک آتا تھا، جو حدود چین تک چلا گیا تھا، اور سندھ و ہند کے درمیان ساحل کی جانب قامہل نامی شہر تھا، یہ مقام غالباً بیکانیر، جیسلمیر یا جونا گڑھ کے اطراف میں کہیں تھا، جہاں سندھ اور ہندوستان کی سرحدیں ملتی تھیں، یاقوت حمویؒ نے لکھا ہے:

قامهل مدينة فى اول حدود الهند، ومن چيمور الىٰ قامهل من بلد الهند ومن قامهل الىٰ مكران والبدهة وماوراء ذٰلك الىٰ حد الملتان كلها من بلاد السند...... وبين المنصورة وقامهل ثمان مراحل ومن قامهل الىٰ كنباية نحوار بع مراحل[2]

قامہل سندھ کے بعد ہندوستان کی شروع سرحد میں واقع ہے، اور چیمور سے قامہل تک ہندوستان ہے، اور قامہل سے مکران بدھ اور ملتان کی حد کے نیچے تک کا پورا علاقہ سندھ میں شامل ہے، اور سندھ کے شہر منصورہ اور قامہل کے درمیان آٹھ مرحلہ کا فاصلہ ہے، اور قامہل سے کھمبایت تک تقریباً چار مرحلے ہیں۔

قامہل اور چیمور (بمبئی) کے درمیانی علاقہ سے مراد گجرات ہے جسے یاقوت حموی نے ہندوستان کا علاقہ بتایا ہے، اور اس سے آگے کے ساحلی علاقہ کو جس میں کوکن، ملیبار، معبر اور اس کے آگے کلہ شلاہط (سلہٹ)، قمار اور مملکت مہراج وغیرہ شامل ہیں، ان کو مراد نہیں لیا ہے۔

ابن خرداذبہ نے ہندوستان کے سواحل اور ان کے اطراف وجوانب کے راجوں، مہاراجوں کے یہ القاب بتائے ہیں: بلہرا، جابہ، طافن، ملک جزر، غابہ، رہمی، ملک قامرون، ملک زابج (فحتب) اور مہراج، فارس کے بادشاہ اردشیر نے ہندوستان کے مہاراجوں کو بھی اپنے لقب سے نوازا تھا، چنانچہ یہاں کے ایک راجہ کو ریحان شاہ کا لقب دیا تھا۔[3]

دور رسالت میں عربوں کا تعلق سندھ اور ہند کے ان ساحلی علاقوں سے تھا اور وہ عام طور سے ان مقامات پر آتے جاتے تھے، اور یہاں کی اشیاء واشخاص اور اقوام سے اچھی طرح واقف تھے، اور ان مقامات کے رہنے والے بھی ذاتی طور سے یا سن سنا کر عربوں سے واقف تھے۔

---

[1] مسالک والممالک ص ۲۷۔ [2] مسالک والممالک ص ۲۸۔ [3] المسالک والممالک ص ۷۱۔

ہندوستان اور عرب کے درمیان بحری اور ساحلی راستے

عرب کا ملک جنوبی ایشیا میں واقع ہے، شمال میں ملک شام، مشرق میں فرات اور بحر ہند کا ایک حصہ اور مغرب میں بحر احمر ہے، جبل سراۃ کا سلسلۂ کوہ یمن سے بادیۂ شام تک پورے ملک کو مغربی اور مشرقی حصوں میں تقسیم کرتا ہے، مغربی حصہ میں جبل سراۃ سے بحر احمر کے ساحلی علاقہ کو غور کہتے ہیں، اور تہامہ، عبرہ، مشرقی عراق اور سمارہ کے علاقہ کو نجد کہتے ہیں، غور و نجد کے درمیان جو علاقہ حد فاصل کے طور پر واقع ہے اسے حجاز کہتے ہیں، پھر نجد، مشرقی خلیج عربی، یمامہ، بحرین اور عمان کے علاقہ کو عروض کہتے ہیں، اور حجاز کے بعد جنوب تک کے علاقہ کو یمن کہتے ہیں۔

ملک عرب کے عام باشندے دو طبقوں میں منقسم تھے، ایک اہل مدر، اور دوسرے اہل وبر، اہل مدر وہ لوگ تھے جو آبادیوں میں رہتے تھے، ان کے پاس کھیتی باڑی، نخلستان، میوے، بھیڑ، بکری، اونٹ، تجارت، غرض کہ کسب و معیشت کے معقول ذرائع تھے، اور وہ اپنے دور کے تمدن کی زندگی بسر کرتے تھے، اور اہل وبر وہ لوگ تھے جو صحراؤں اور ریگستانوں میں بے گھر بار کی زندگی بسر کرتے تھے، ان خانہ بدوش لوگوں کا سہارا اونٹ تھا، یہ لوگ پورے سال پانی کے چشموں اور چارہ گھاس کی تلاش میں رہا کرتے تھے، گرمی کے ایام صحراؤں اور ریگستانوں میں اچھی طرح بسر کر لیتے تھے مگر جاڑے میں عراق اور شام کی حدود میں چلے جاتے تھے، یا دیگر بستیوں کے آس پاس جا کر بڑی تنگ دستی، اور عسرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔[۵]

ہندوستان کے جو لوگ اس زمانہ میں عرب میں رہتے تھے وہ عام طور سے بلاد و قریات میں رہنے والوں کے ساتھ رہتے تھے، اور ان کے ساتھ تجارت، ملازمت یا دوسرے کام کرتے تھے، البتہ خلیج عربی کے سواحل پر ہندوستانیوں کا ایک گروہ قدیم زمانہ سے خانہ بدوش عربوں کی طرح گھاس اور چارہ کی تلاش میں گھوم پھر کر زندگی بسر کرتا تھا۔

عام طور سے ہندوستان کے باشندے عرب میں شمال مشرق سے لے کر جنوب تک کے سواحل اور ان کے اوپر کے شہروں میں رہتے تھے، ان علاقوں میں کئی عرب حکمراں بھی تھے، جو ایرانیوں کے نائب کی حیثیت سے حکومت کرتے تھے، جس طرح ہمارے زمانہ میں بھی ان علاقوں میں عرب شیوخ انگریزوں کی نگرانی میں حکومت کرتے ہیں اور معمولی معمولی امارتیں اور ریاستیں موجود ہیں۔

---

۱۳ المسالک والممالک ص ۶۰ تا ۶۵۔ ۱۴ الاخبار الطوال ص ۱۱۷۔

اب اہم عرب سے ہندوستان آنے جانے کے ساحلی مقامات کی تفصیل بیان کرتے ہیں، تا کہ اندازہ ہو سکے کہ پہلے زمانہ میں عرب و ہند کے درمیان بحری سفر کن راہوں سے ہوتا تھا، اس سلسلے میں قدیم ترین عرب جغرافیہ نویس ابن خرداذ بہ کی کتاب المسالک والممالک کی تفصیلات زیادہ کارآمد ہیں، کیونکہ اس نے اپنا جغرافیہ قدیم معلومات کی بنیاد پر لکھا ہے، اور زیادہ اعتماد بطلیموس کے بیان پر کیا ہے جو یونان کا مشہور جغرافیہ نویس گذرا ہے، جیسا کہ ابن خرداذ بہ نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں اس کی تصریح کی ہے۔

بصرہ (قدیم ابلہ) سے مشرق کی طرف فارس، ہندوستان اور چین تک کے بحری راستوں کی تفصیل یوں ہے: بصرہ سے جزیرۂ فارس پچاس فرسخ، یہ جزیرہ ایک فرسخ لمبا چوڑا ہے، یہاں پر انگور اور کھجور کے باغات ہیں اور کھیتی باڑی ہوتی ہے، یہاں سے جزیرہ لاوان اسی فرسخ ہے، یہ دو فرسخ کی لمبائی چوڑائی میں آباد ہے، یہاں کھجور کے باغات اور کھیت ہیں، یہاں سے جزیرہ ابرون سات فرسخ ہے، یہ ایک فرسخ میں آباد ہے یہاں کھیت اور نخلستان ہیں جزیرۂ خین سات فرسخ ہے، یہ جزیرہ صرف نصف میل کا ہے اور غیر آباد ہے، یہاں سے جزیرہ کیس بھی سات فرسخ ہے، یہ چار فرسخ میں آباد ہے، یہاں کھیتی باڑی نخلستان اور مویشی کے علاوہ موتی بھی نکلتے ہیں، یہاں سے جزیرہ ابن کاوان اٹھارہ فرسخ ہے، یہ تین فرسخ میں آباد ہے، یہاں سے ارموز (ہرموز) سات فرسخ ہے، اور پھر تارا سات دن کی راہ پر ہے۔

بصرہ سے یہاں تک فارس اور سندھ کی درمیانی حد ہے، اور یہاں سے شہر دیبل (موجودہ کراچی کے آس پاس) آٹھ دن کی راہ پر ہے، جہاں سے مہران (دریائے سندھ) دو فرسخ پر سمندر میں گرتا ہے، اور مہران سے اوتکین چار دن کی مسافت پر ہے، یہ ہندوستان کا پہلا علاقہ ہے، یہاں سے مید دو فرسخ پر ہے، مید سے کولی بھی دو فرسخ ہے، پھر سندان (سنجان نواحی بمبئی) اٹھارہ فرسخ پر ہے، پھر ملی (ملیبار) پندرہ دن کی مسافت پر ہے۔

بلین سے سمندر میں کئی راستے الگ الگ ہو جاتے ہیں، جو شخص ساحل سے چلے تو اس کے لئے بلین سے باتن دو دن کی مسافت ہے، وہاں سے سجلی اور کبشکان ایک دن کی مسافت ہے، اور وہاں سے کودافرید گودادری کا سنگم تین فرسخ ہے، پھر اورنشین بارہ فرسخ ہے، اور وہاں سے ابینہ چار دن کی

---

۱۵ کتاب المجر ص ۶۲۲ طبع حیدر آباد اور کتاب الامکنہ والازمنہ ج ۲ ص ۱۶۳ طبع حیدر آباد۔

مسافت ہے۔

اور جو شخص بلین سے سرندیپ جائے تو اس کے لئے ایک دن کی مسافت ہے، سرندیپ کے بعد جزیرہ رامی آتا ہے، اور جو شخص بلین سے چین جانا چاہے وہ بلین سے گھوم کر سرندیپ کو اپنے بائیں جانب کردے، پھر سرندیپ سے جزیرہ النکبالوس دس سے پندرہ دن کی مسافت ہے، اس کی بائیں جانب جزیرہ بالوس بھی چھ دن کی مسافت ہے، اور وہاں سے جزیرہ جابہ، شلاہط، اور ہرلنج دو دو فرسخ ہیں۔ اس کے بعد پندرہ دن کی مسافت پر عطر کے پیدا ہونے کی جگہ ہے۔[٦]

مغرب سے مشرق آنے کا یہ بحری راستہ بصرہ (ابلہ) سے نکل کر فارس کے ساحلی مقامات سے ہوتا ہوا ہندوستان آتا ہے، ہندوستان کے لوگ قدیم زمانے میں اسی راستہ سے عام طور پر بصرہ تک آتے جاتے تھے، نیز عرب تاجران ہی راہوں سے گزر کر ہندوستان اور چین کا سفر کرتے تھے۔

عمان سے لے کر بصرہ تک کا ساحلی علاقہ خلیج عرب (خلیج فارس) پر واقع ہے، اگر اس خلیج سے بصرہ سے مشرق کی طرف چلیں تو دایاں کنارہ عرب کا ہے، اور بایاں کنارہ فارس کا ہے، جو مشرق میں عرب کے علاقہ عمان اور فارس کے علاقہ بندر عباس تک ہو جاتا ہے، ابن خرداذبہ کے بیان کے مطابق اس خلیج کی چوڑائی ستر فرسخ ہے اور گہرائی ستر گز (باع) سے اسّی گز تک ہے، اور بصرہ سے عمان تک بحری راستہ یوں ہے، بصرہ سے عبادان تک دریائے دجلہ سے گزر کر بارہ فرسخ ہے، یہاں سے خشبات دو فرسخ ہے، پھر خشبات سے بحرین ستر فرسخ ہے، یہ شط العرب کا علاقہ ہے، پھر رُدور ایک سو پچاس فرسخ ہے۔ اور یہاں سے عمان پچاس فرسخ ہے، عمان سے شحر دو سو فرسخ ہے اور شحر سے عدن ایک سو فرسخ ہے، عدن بڑی عظیم الشان بندرگاہ ہے، یہاں پر نہ کھیتی باڑی ہے اور نہ مویشی ہیں، مگر عنبر، عود، مشک اور سندھ، ہندوستان، چین، زنج، حبشہ، فارس، بصرہ، جدہ اور قلزم کے تجارتی سامان بہت زیادہ رہتے ہیں۔[٧]

یہ تو بصرہ سے عمان اور اس کے آگے ساحلی مقامات کے سمندری راستہ کی تفصیل ہے، ابن خرداذبہ نے بصرہ سے عمان تک کے ساحل اور خشکی کے راستے کی بھی یوں تفصیل بیان کی ہے:

بصرہ، عبادان، حدوثہ، عرفجاء، زابوقہ، المقر، عصٰی، معرس، خلیجہ، حسان، القریٰ، مسیلحہ، حمض، ساحل، ہجر، عقیر، قطر، السنجہ، عمان، عمان ہی میں صحار اور دبا شہر واقع ہیں۔[٨]

---

[٦] المسلک والممالک ص ٦١۔ [٧] ایضاً [٨] فخر الاسلام ج ١ ص ١٣۔

سواحل عرب کے قدیم بحری اور بری راستے

عرب اور ہندوستان کے قدیم تعلقات سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم خود عرب کے بھی قدیم ساحلی حدود اور ان کی مسافتیں سمجھ لیں، تاکہ ذہن میں ان کا اجمالی نقشہ آجائے۔ ہم اسے قدیم عرب جغرافیہ نویس ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد فارسی اصطخری کی کتاب مسالک الممالک سے خلاصے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

ملک عرب بحر فارس (بحر عرب) سے یوں گھرا ہوا ہے کہ عبادان سے بحرین ہوتا ہوا عمان تک چلا گیا ہے پھر سواحل مہرہ، حضر موت اور عدن پر مڑتا ہوا سواحل یمن سے جدہ تک گیا ہے، پھر جار پر مڑ کر ایلہ پہنچا ہے، یہاں پر بحر فارس (بحر عرب) کی دیار عرب کی حد ختم ہو جاتی ہے، اور یہاں سے سمندر کی جو پٹی شروع ہوتی ہے اسے بحر قلزم (بحر احمر) کہتے ہیں، جو تاران اور جبیلات تک چلی جاتی ہے، یہ پورا علاقہ دیار عرب کا مشرقی جنوبی اور کچھ مغربی حصہ ہے، یہاں سے بحر قلزم ایلہ سے ہوتا ہوا قوم لوط کی بستی اور بحیرۂ منتنہ (بدبودار سمندر) سے گذر کر سرات اور بلقاء تک گیا ہے، یہ فلسطین کی بستیاں ہیں، پھر یہاں سے اذرعات، حوران، بثینہ، غوطہ اور نواحی بعلبک سے گذرا ہے، یہ دمشق کا علاقہ، یہاں سے تدمر، سلمیہ سے گذرا ہے، جو حمص کی بستیاں ہیں اور یہاں سے خناصرہ، بالس سے گذرا ہے، یہ سب قنسرین کے علاقے ہیں، یہاں آکر ہم دریائے فرات کے پاس آجاتے ہیں، یہ دریا دیار عرب کے علاقہ جات رقہ، قرقیسیا، رحبہ، والیہ، حدیثہ، ہیت اور انبار ہوتا ہوا کوفہ اور اس سے آگے اپنے سنگم تک چلا گیا ہے، پھر وہاں سے کوفہ اور حیرہ کے اطراف سے خورنق اور سواد کوفہ ہو کر واسطہ کے حد تک گیا ہے، جہاں سے دریائے دجلہ کا فاصلہ ایک مرحلہ رہ جاتا ہے، اس کے بعد سواد بصرہ اور اس کے سنگلاخوں (بطائح) سے ہوتا ہوا عبادان تک چلا گیا ہے، یہ ہیں دیار عرب کے پورے حدود جس سے ملک گھرا ہوا ہے۔[۱]

عبادان سے ایلہ تک بحر فارس (بحر عرب) دیار عرب کے تقریباً تین چوتھائی علاقہ کو شامل ہے جو عرب کا مشرقی، جنوبی اور کچھ مغربی حصہ ہے۔ اور ایلہ سے بالس کی حد ملک شام سے ہے، بالس سے عبادان تک عرب کی شمالی حد ہے، جس میں بالس سے انبار کے آگے تک ارض جزیرہ ہے، اور انبار سے

[۱] کتاب اسماء جبال تہامہ وسکانہا وما فیہا من القریٰ، مطبوعہ قاہرہ ص ۹ و ۱۰۔

عباداں تک عراق کا علاقہ ہے، ایلہ کے پاس سے دیار عرب سے ایک ریگستان ملا ہوا ہے، جسے تیہ بنی اسرائیل کہتے ہیں، مگر یہ ریگستان دیار عرب میں شامل نہیں ہے، بلکہ عمالقہ، یونانیوں، اور قبطیوں کی سرزمین سے ہے، اس میں نہ پانی ہے، نہ چراگاہ، البتہ چوں کہ جزیرہ میں ربعیہ اور مضر کے عرب قبائل آباد ہیں اس لئے یہ دیار عرب میں سے ہے، ویسے یہ علاقہ فارس اور روم کا ہے ان کی آبادیاں اور شہر علاقہ میں ہیں، ان کے اثر اور تعلق کی وجہ سے ان اطراف کے عرب قبائل نے رومیوں کا نصرانی دین قبول کرلیا، جیسے قبیلہ ربعیہ کے بنو تغلب ارض جزیرہ میں، اور یمنی قبائل غسان، بہراء اور تنوخ ارض شام میں عیسائی بن گئے۔

ملک عرب کے اندرونی علاقے میں کوئی سمندر یا دریا نہیں جس میں جہاز یا کشتی چل سکے، بحر منتنہ جسے زغر کہتے ہیں اگر چہ بادیۃ العرب سے متصل ہے، لیکن عرب میں شامل نہیں ہے اور یمن کے دیار سبا کا بند کوئی دریا یا سمندر نہیں تھا بلکہ پانی کو بند باندھ کر ایک نشیبی علاقے میں روک لیا گیا تھا۔ جسے وہاں کے لوگ اپنے باغات اور کھیتوں وغیرہ میں استعمال کرتے تھے، مگر ان کے عدوان وطغیان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے تباہ کردیا۔[9]

بحری راستوں سے عرب کے ساحلی حدود کی مسافت اس زمانہ میں کشتیوں اور جہازوں کی رفتار سے یہ تھی۔ عباداں سے بحرین، تقریباً ۱۵ مرحلہ، بحرین سے عمان ایک مہینہ کی مسافت عمان سے ارض مہرہ ایک مہینہ کی مسافت، مہرہ سے حضر موت ایک مہینہ کی مسافت، پھر حضر موت کے انتہائی علاقہ سے عدن ایک مہینہ کی مسافت، عدن سے جدہ ایک مہینہ کی مسافت، جدہ سے ساحل جحفہ پانچ مرحلہ، جحفہ سے جار تین مرحلہ جار سے ایلہ بیس مرحلہ، ایلہ سے بالس بیس مرحلہ، بالس سے کوفہ بیس مرحلہ، کوفہ سے بصرہ چودہ مرحلہ بصرہ سے عباداں دو مرحلہ یہی ساحلی مسافتیں دیار عرب کو گھیرے ہوئے ہیں۔[10]

بحرین اور عباداں کے درمیان ایک دن کا ریگستانی راستہ نہایت دشوار گزار اور بے آب و گیاہ ہے، اس لئے بحری راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے، بصرہ سے بحرین تک اٹھارہ مرحلہ کا راستہ عرب قبائل سے آباد ہے، ان کی آبادیوں میں پانی کے چشمے بھی ہیں، اس راستے میں اگر چہ قافلے چلتے ہیں لیکن یہ خطرناک ہے، بحرین اور عمان کے درمیان کا راستہ دشوار گذار ہے اور اس میں چلنا مشکل ہے، کیونکہ اس ریگستان میں آباد عرب قبائل آپس میں جنگ و جدال کرتے رہتے ہیں، اسی طرح عمان کے آگے خشکی

---

[9] المجمل فی تاریخ الادب العربی ص ۲۷ مطبع امیریہ قاہرہ۔

کا راستہ چلنا سخت مشکل ہے، کیونکہ پورا علاقہ ریگستانی ہے اور آبادی بہت ہی قلیل ہے، اس لئے لوگ جدہ جانے کے لئے بحری راستہ اختیار کرتے ہیں، اگر ساحل سے چلیں تو مہرہ اور حضرموت سے عدن تک کا راستہ بہت طویل ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہاں پر لوگ خشکی کا راستہ بہت ہی کم اختیار کرتے ہیں۔[۲۰]

یہ عرب کے ساحلی اور ان کے اطراف وجوانب کے مقامات کی مختصر سی فہرست اور ان کی مسافتوں اور راستوں کی حالت ہے، ان ہی علاقوں میں ہندوستان کی قومیں قدیم زمانہ سے آتی جاتی تھیں، اور پورے علاقے میں ان کی آمدورفت ہوا کرتی تھی، جیسا کہ آئندہ اس کی تفصیل آئے گی۔

جب اسلام کی دعوت عام ہوئی تو عرب کے انتہائی علاقوں کے باشندوں کی طرح یہاں کے ان ہندوستانیوں کو بھی یہ دعوت پہنچی جو عربوں کی زندگی میں شریک ہو گئے تھے، یا وہاں آتے جاتے تھے۔

ہندوستان اور عرب کے سواحل آمنے سامنے واقع ہیں اور دونوں ہی قدرت کے خصوصی فیضان کا مظہر ہیں، ہندوستان کے سواحل پر نارجیل کے باغات ہیں تو عرب کے سواحل پر کھجور کے نخلستان ہیں، حتیٰ کہ جوز ہندی آج بھی اسی طرح مشہور ہے جس طرح عرب اور بصرہ کی کھجور مشہور ہے، اور دونوں ہی پھل دونوں ملکوں کے باشندوں کی غذا میں اہم حصہ رکھتے ہیں۔

عرب و ہند کے قدیم تجارتی تعلقات

اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، مگر ہم جس خاص نقطۂ نظر سے لکھنا چاہتے ہیں، اس کی ضرورت اب بھی باقی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ ہندوستان کی جن بہت سی چیزوں کو استعمال فرمایا ہے، ان کے بارے میں اب بھی بہت کم معلومات ہیں، اس باب میں اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ہندوستان کے کس مقام سے کیا چیز عرب میں جاتی تھی؟

عہد رسالت اور اس کے بعد تک عرب و ہند کے درمیان گوناگوں تعلقات تھے، مگر تجارتی تعلق سب سے زیادہ قدیم اور اہم تھا، ہندوستان کے مختلف علاقوں سے مختلف قسم کی تجارتی اشیاء عرب جایا کرتی تھیں، اور پھر وہاں کے مختلف بازاروں اور دوسرے ملکوں میں جا کر فروخت ہوتی تھیں، ہم ان کی

۲۰ تاریخ العرب از بزدکو بیو میں بحوالہ مجلۃ العربی کویت ذوالحجہ ۱۳۸۱ھ۔

اجمالی فہرست قدیم عرب جغرافیہ نویس ابن خرداذ بہ کی کتاب المسالک والممالک سے پیش کرتے ہیں۔

ابن خرداذ بہ نے پہلے اجمالی طور سے بتایا ہے کہ ہندوستان سے ہر قسم کا عود، صندل، کافور، ماخوم، جوز بوا، قرنفل، قاقلہ، کبابہ، نارجیل، نباتاتی کپڑے، روئی کے مخملی کپڑے اور ہاتھی دیار عرب میں جاتے تھے، سرندیپ سے ہر قسم اور ہر رنگ کے یاقوت، موتی، باور، سنباذج، ملی اور سنجان (سندان) سے فلفل، کلہ سے رصاص قلعی، جنوب سے بقم اور داذی یعنی ناڑی، اور سندھ سے قسط، بانس اور بید کی لکڑیاں عرب میں بھیجی جاتی تھیں۔[12]

اس کے بعد تفصیل سے جس مقام سے جو چیز جاتی تھی، اس کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ سندھ میں قسط بانس اور بید ہوتے ہیں، دریائے سندھ سے اوتلین تک چار دن کی مسافت ہے، اس پورے علاقہ کے پہاڑوں میں بانس کی پیداوار ہوتی ہے، سندان میں ساگوان اور بانس ہوتے ہیں، کم کم (کوکن) ساگوان کا ملک ہے، جزیرہ رامی میں گینڈے اور بید پیدا ہوتے ہیں، کلہ میں بھی بید کے جنگل ہیں، باتن، سنجلی اور کیشکان میں چاول ہوتا ہے، کنجہ اور لوا، میں چاول اور گیہوں دونوں ہوتے ہیں، نیز سمندر، بالوس اور قمار میں چاول ہوتا ہے، شلاہط (سلہٹ) میں قرنفل یعنی لونگ ہوتی ہے، کامرون وغیرہ سے عود مقام سمندر میں لائی جاتی ہے، سرندیپ کے پہاڑوں پر عود پیدا ہوتی ہے، دہمی، بنگال، میں روئی کا مخملی کپڑا، اور عود ہندی ہوتا ہے۔ جزیرہ تیومہ، قمار اور صنف میں بھی عود ہوتا ہے، عود قماری سے بہتر عود صنفی ہوتی ہے، یہ عمدہ اور وزنی ہونے کی وجہ سے پانی پر تیرتی نہیں بلکہ ڈوب جاتی ہے، نیز سرندیپ میں مشک اور زباد ہوتے ہیں، زابج کے پہاڑوں میں کافور ہوتا ہے، تیومہ میں بھی کافور ہوتا ہے، اور جزیرہ بالوس کا کافور بہت ہی عمدہ ہوتا ہے، سرندیپ میں عطر اور قسم قسم کی خوشبوئیں ہوتی ہیں، جابہ عطر کا دیس ہے، شلاہط میں صندل اور سنبل ہوتا ہے، کلہ میں رصاص قلعی کی کان ہے، جزیرہ رامی کے باشندے سمندر میں تیر کر اور کشتیوں پر عرب تاجروں کے جہاز تک آتے ہیں، اور لوہے کے بدلے عنبر فروخت کرتے ہیں، جزیرہ نکبالوس کی دولت لوہا ہے، سرندیپ کے پہاڑوں پر اور ان کے اطراف میں ہر قسم اور ہر رنگ کے یاقوت پائے جاتے ہیں، اور اس کی وادیوں میں الماس اور پہاڑوں میں عود، فلفل، عطر، خوشبو، مشک، زباد کے جانور، نارجیل اور سنباذج کی کثرت ہے، یہاں کے دریاؤں میں بلور ہے، اور اطراف کے سمندر سے موتی نکلتے ہیں، جزیرہ رامی میں بید، بقم اور سم ساعہ پائے جاتے

---

۲۱ لسان العرب جلد ۷ ص ۲۹۰۔ ۲۲ لسان العرب ج ۴ ص ۳۸۱ ۲۳ لسان العرب ج ۷ ص ۲۹۰۔

ہیں، اس تریاق کو مسافروں نے سانپ کے زہر میں آزمایا ہے، اور نشین میں ہاتھی، چوپائے، بھینسیں اور دیگر اشیاء پائی جاتی ہیں، اس کے آگے، بینہ میں ہاتھی پایا جاتا ہے، رامی میں گینڈا ہوتا ہے، قامرون کے علاقہ میں گینڈا اور سونا بہت زیادہ ہے، زانج کے پہاڑوں میں سانپ اور اژدہے پائے جاتے ہیں۔[۱۳]

عرب جانے والی ہندوستانی اشیاء کی یہ فہرست مکمل نہیں ہے، بلکہ مذکورہ اشیاء کے علاوہ بھی بہت سی تجارتی چیزیں یہاں سے جاتی تھیں، مثلاً ہندی تلواریں، سندھ سے سندھی کپڑے، سندھی مرغی، پالہ اونٹ (فالج) جس کی نسل سے عرب کا مشہور بختی اونٹ ہوتا ہے، مندل سے عود ہندی، بروص (بھڑوچ) سے بھڑوچی نیزے اور ان کے بانس، کھنبائت اور سندان سے نعال لنبایہ یعنی کھمبائیت کے جوتے اور نارجیل، تھانہ سے عمدہ کپڑے، اور اسی طرح مختلف مقامات کی مختلف چیزوں عرب میں جایا کرتی تھیں۔

عرب میں ہندوستانی مال کی چار ساحلی منڈیاں ابلہ، صحار، عدن اور جار

یوں تو پورے عرب میں ہندوستان کے مال کی کھپت ہوتی تھی، اور دور جاہلیت کے ہر بازار میں یہاں کی چیزیں فروخت ہوتی تھیں، مگر ان کی چند خاص منڈیاں بھی تھیں، جہاں یہ چیزیں بھاری مقدار میں رہا کرتی تھیں، گویا یہ ہندوستانی اشیا کے گودام تھے، جیسے ابلہ، صحار، جار اور عدن وغیرہ، جہاں عرب کے ساحلی شہروں کے علاقوں سے بلکہ ہندوستان اور چین تک سے تجارتی جہاز اور کشتیاں لنگر انداز ہوتی تھیں، ابلہ قدیم زمانے سے ارض الہند اور فرج الہند والسند کے لقب سے مشہور تھا۔ حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے جب ۱۴ھ میں ابلہ کو فتح کیا تو اس کی مرکزیت کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جو مکتوب لکھا اس میں تحریر تھا:

> امابعد فان الله وله الحمد فتح علينا الابلة وهي مرقى سفن البحر من عمان والبحرين وفارس والهند والصين.
>
> اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ابلہ پر فتح دی ہے، یہ مقام عمان، بحرین، فارس، ہندوستان اور چین سے آنے والے جہازوں کی بندرگاہ ہے۔

جب ابلہ کے قریب ۱۴ھ میں بصرہ آباد ہوا تو اس کی تجارتی مرکزیت کی وجہ سے بعض صحابہ نے

---

۲۴ کتاب الازمنہ والامکنہ مرزوقی ج ۲ ص ۱۶۳ طبع حیدرآباد اور کتاب المحبر ص ۲۶۶ طبع حیدرآباد۔

یہاں تجارتی کاروبار کرنے کا ارادہ کیا، چنانچہ حضرت نافعؓ بن حارث بن کلدہ ثقفی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

یا امیر المومنین انی قد افتیت فلاء بالبصرۃ واتخذت بھا تجارۃ۔ [۱۴]

اے امیر المومنین! میں نے بصرہ میں ایک جگہ اپنے لئے گھیر رکھی ہے اور وہاں پر تجارتی کاروبار شروع کر دیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت عتبہ بن غزوانؓ کو اس بارے میں ایک سفارش لکھ دی

ابلہ کے بعد خلیج عربی کے سواحل پر ظفار اور صحار ہندوستانیوں کی بحری تجارت کے قدیم مرکز تھے، فجر الاسلام میں ہے:

فی شرقی حضرموت ظفاز وھی من قدیم مصدر للتوابل والطیب ونجور المعبد ولایزال الی الیوم یرسل فیھا الی الھند۔ [۱۵]

حضرموت کے مشرق میں سفار قدیم زمانہ سے گرم مسالوں، خوشبوؤں اور عبادت گاہوں کے بخور کی منڈی ہے۔ اور آج بھی یہاں پر ہندوستان مال بھیجا جاتا ہے۔

جاہلی دور کے خاص خاص بازاروں میں عمان سے سوق صحار اور سوق دبا (دبی) بہت مشہور تھے، جن میں سندھ، ہند، چین اور مشرق ومغرب کے غیر ملکی تاجر جمع ہوتے تھے، ان کا نگراں مقامی حاکم جلندی بن مستکبر تھا، جو تاجروں سے عشر لیتا تھا۔ [۱۶]

جنوبی عرب میں ہندوستانیوں کی بحری تجارت کا اہم مرکز یمن تھا، جس میں صنعاء، قصر، غمدان، مآرب، نجران اور عدن جیسے بڑے بڑے شہر شامل تھے ابن خرداذبہ نے عدن کے بارے میں لکھا ہے:

وبھا العنبر والعود، والمسک ومتاع السند والھند، والصین والزنج والحبشۃ وفارس والبصرہ وجدۃ وقلزم۔ [۱۷]

یہاں پر عنبر، عود، مشک ملتا ہے۔ اور سندھ، ہندوستان، چین، زنج، حبشہ،

---

۱۵ کتاب الازمنہ والامکنہ ج ۲ ص ۱۶۴

فارس، بصرہ، جدہ اور بحر قلزم کے سامان اور مال رہتے ہیں۔
یمن کی قدیم تجارت میں ہندوستانی اشیاء کی کثرت اور ان کی نکاسی کا اندازہ اس بیان سے ہوتا ہے:

وكانت التجارة قديما في يد اليمنيين وكانوا اهم العنصر الظاهر فينا فعلى يدهم كانت تنقل غلات حضرموت وظفار وواردات الهند الى الشام ومصر [۱۸]

قدیم زمانہ میں تجارت اہل یمن کے ہاتھ میں تھی، اور یہ لوگ تجارت میں غالب عنصر تھے، ان کے ہاتھوں حضرموت اور ظفار کے مال اور ہندوستان کی چیزیں شام اور مصر جایا کرتی تھیں۔

ابلہ، صحار اور عدن کی طرح عرب کے مغربی علاقہ میں بحر احمر کی مشہور قدیم بندرگاہ جار بھی بہت بڑی تجارتی منڈی تھی، یہاں پر مصر اور حبشہ کی طرح بحرین اور مشرق بعید چین تک سے تجارتی جہاز آتے تھے، جار چونکہ مدینہ منورہ کی قریبی بندرگاہ تھی، اس لئے یہاں کا مال مدینہ اور اطراف کی بستیوں میں کثرت سے فروخت ہوتا تھا، خاص شہر مدینہ کے علاوہ اطراف و جوانب میں مالدار یہودیوں کی آبادیاں تھیں اور بازار لگتے تھے اس لئے جار کی بندرگاہ پر بھی ہندوستانی سامان تجارت بہ کثرت آتے تھے، مدینہ اور اس کے اطراف کی تجارت بہت کامیاب تھی، اسی لئے جب صحابہ کرامؓ ہجرت کر کے مدینہ آئے تو ان میں سے اکثر حضرات نے تجارتی کاروبار شروع کر کے ترقی کی، عرام بن الاصبع سلمی قدیم ترین عرب جغرافیہ داں گذرا ہے، اس نے اپنی کتاب "اسماء جبال تہامہ وسکانہا وما فیہا من القریٰ" الخ میں جار کے بارے میں لکھا ہے:

والجار على شاطئ البحر، ترفا اليه السفن من ارض الحبشه، ومصر، ومن البحرين والصين وبها منبر، وهي قرية كبيرة اهلة وشرب اهلها من البحيرة وبالجار قصور كثيرة ونصف الجار في جزيرة من البحر ونصفها على الساحل، وبحذاء الجار جزيرة في البحر تكون ميلاً في ميلٍ لايعبر اليها الا في

---

[۲۶] اسواق عرب کی تر تفصیل کیلئے کتاب الازمنہ والامکنہ مرزوقی ج ۲ ص ۱۶۲ و ۱۶۶ ملاحظہ ہو۔

السفن، وهي مرفاء الحبشة خاصةً يقال لها قراف، وسكانها تجار لنحو اهل الجار، يوتون بالماء من فرسخين.[29]

جار بحر احمر کی ساحلی بستی ہے، یہاں پر حبشہ اور مصر سے اور بحرین اور چین سے جہاز آ کر لگتے ہیں، یہاں پر علاقائی سرکاری مرکز ہے، یہ بستی بہت بڑی اور آباد ہے، یہاں کے لوگ تالاب سے پینے کا پانی حاصل کرتے ہیں، اور جار میں بہت سے قلعہ جات ہیں جار کی نصف آبادی سمندر کے اندر جزیرہ میں ہے اور نصف آبادی ساحل پر ہے، جار کے محاذات میں سمندر کے اندر ایک اور جزیرہ ہے جو ایک میل لمبا چوڑا ہے، کشتیوں کے ذریعہ وہاں جایا جاتا ہے، یہ جزیرہ خاص طور سے حبشہ کے جہازوں کی بندرگاہ ہے اس کو قراف کہتے ہیں، یہاں کے باشندے تاجر ہیں جیسا کہ جار کے باشندے تاجر ہیں، یہاں کے لوگ دو فرسخ سے پینے کا پانی لاتے ہیں۔

مدینہ کی یہ بندرگاہ قدیم مسافت کے حساب سے مدینہ سے ایک رات ایک دن کی دوری پر واقع ہے۔

غالب گمان ہے کہ مدینہ میں ہندوستان کی جو اشیاء فروخت ہوتی تھیں وہ بحرین سے براہ سمندر جار آئی تھیں، کیونکہ ریگستان کے دور دراز راستے کے مقابلے میں یہ آسان تھا، جب اس بندرگاہ پر چین تک کے تجارتی جہاز آتے تھے تو عرب اور چین کے درمیان کے ملک ہندوستان سے تجارتی اشیاء براہ راست یہاں جاتی رہی ہوں گی۔

اندرون عرب کا سب سے اہم تجارتی مرکز مکہ مکرمہ

یمن اور عدن مشرقی دنیا کے تجارتی مال کی قدیم منڈی تھے، جہاں سے دوسرے ممالک میں عرب تاجروں کے ذریعہ مال جایا کرتا تھا، مگر بعد میں ایرانیوں اور رومیوں کے عمل دخل کی وجہ سے یہاں کی تجارت پر زوال آ گیا، بحر احمر پر رومیوں کے غلبہ کے بعد جب یمنیوں کی تجارت کمزور پڑنے لگی تو اہل یمن نے بحری راستہ کے بجائے اندرون عرب کے بری راستوں سے غیر ملکوں کا تجارتی سفر

---

[27] کتاب الحیوان ص ۱۱۵۔ [28] مجمع البحرین مادہ سند۔ [29] لسان العرب ج ۳ ص ۲۲۳۔

شروع کیا، یہ راستہ حضر موت سے شروع ہوتا تھا اور بحر احمر کے اوپر صحرائے نجد سے بچتا ہوا مکہ مکرمہ تک جاتا تھا، جس کی وجہ سے مصر و شام اور یمن کے درمیان مکہ بہت بڑی منڈی بن گیا، اور حجازیوں میں تجارت خوب چلی، خاص طور سے قریش نے جنوب میں یمن کا اور شمال میں شام کا تجارتی سفر شروع کیا، قرآن حکیم نے رحلة الشتاء والصيف میں ان ہی تجارتی اسفار کو بیان کیا ہے، اطراف عرب سے لوگ حجاز کے تجارتی اور مرکزی شہر مکہ میں آتے اور ہر قسم کے ملکی اور غیر ملکی سامان آسانی سے حاصل کرتے، مکہ کا سب سے بڑا سالانہ بازار عکاظ میں ہوتا تھا، جو طائف کے راستہ میں ایام حج کے قریب لگتا تھا، اور اسی کے قریب ایام حج میں ذوالمجاز کا بازار لگتا تھا، اور مکہ سے بڑے بڑے تجارتی قافلے باہر جاتے تھے، طبری کی تشریح کے مطابق بعض اوقات ان قافلوں میں ۱۵۰۰ بار بردار اونٹ ہوا کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بعض اوقات ان تجارتی قافلوں میں نکلتے تھے، چنانچہ آپ ؐ نے پہلی مرتبہ بارہ سال کی عمر میں اور دوسری مرتبہ ۲۵ سال کی عمر میں ملک شام کا تجارتی سفر فرمایا، ایک مصری فاضل کا بیان ہے۔

> كانت مكة محطاً لاصحاب القوافل الأتية من جنوب العرب تحمل بضائع الهند واليمن الى الشام ومصر ينزلون بها ويسقون من بئر شويرة بها تسمى بير زمزم ويأخذون منها حاجتهم من الماء.[۳۰]

> مکہ جنوب عرب سے آنے والے قافلوں کی منزل تھا، یہ قافلے ہندوستان اور یمن کے سامان تجارت شام اور مصر لے جاتے تھے اور مکہ میں قیام کرکے وہاں کے مشہور کنویں زمزم سے سیراب ہوتے اور آگے کے لئے بقدر ضرورت پانی لیتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے کچھ پہلے جزیرۃ العرب ایرانی اور بیزنطینی طاقتوں کا مرکز بن گیا تھا، بیزنطینی اقتدار حبشہ کے تعاون سے اپنا اثر بڑھا رہا تھا، اور ایرانی حکومت اپنا کام کر رہی تھی، اس کشمکش میں شامی علاقہ کی تجارت خراب ہونے لگی، اور بیزنطینی اقتدار کے لئے عرب کے بازاروں سے عمدہ عمدہ اشیاء نایاب ہونے لگیں، خاص طور سے یورپ کے گرجاؤں اور پادریوں کے لئے

---

۳۰ ایضاً ج ۷ ص ۳۷۳۔ ۳۱ لسان العرب ج ۱۰ ص ۲۲۳۔ ۳۲ کتاب الذخائر والتحف ص ۱۲۸ طبع کویت۔

ہندوستان کے عمدہ ریشمی کپڑوں کا قحط پڑ گیا، اس لئے رومیوں نے بحر احمر کی راہ سے حضر موت اور یمن وغیرہ کی منڈیوں پر قبضہ جمایا، اور چونکہ حبشہ اور روم کا مذہب مسیحی تھا، اس لئے مذہب کے نام پر حبشہ کے بادشاہ اور عوام کو رومیوں نے اپنی مدد کے لئے آواز دی۔

وارسل الامبر اطور البيز نطي جوستبنان (۵۲۷ھ۔ ۵۶۵ھ) سفيرالى ملك الحبشة اهاب اسم الدين والمصلحة ان يقوم هو والسميفع حاكم حمير بقتال الفرس ذان يتولى الاحباش شراء الحرير من الهنود، ثم يبيعونه بدورهم الى بيز نطة فيجنون ارباحا طائلة [۳۳]

اس صورت حال سے مکہ کے لوگوں نے فائدہ اٹھایا اور براہ خشکی یمن وعدن سے تجارت شروع کردی، قریش نے اس سلسلہ میں دو تجارتی سفروں کا طریقہ اختیار کیا، مال کی خریداری کے لئے جاڑے میں یمن اور حبشہ کا سفر اور فروخت کرنے کے لئے گرمی میں شام کا سفر۔

ابتداء میں قریش میں تجارتی کاروبار قریش بنی مخزوم کیا کرتے تھے، بعد میں جب ترقی ہوئی تو بنی ہاشم نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن تک مکہ کا تجارتی مرکز پورے طور پر قائم تھا۔

مکہ چونکہ تجارتی مرکز بن گیا تھا، اس لئے یہاں کی تمدنی زندگی میں بھی بڑی ترقی ہوگئی تھی، زبان میں بھی وسعت پیدا ہوگئی تھی، اور قریش کی یہی زبان قرآن اور اسلام کی زبان قرار پائی، چنانچہ قرآن وحدیث میں بہت سے ہندوستان میں بولے جانے والے الفاظ پائے جاتے ہیں، قرآن میں کافور (کپور) زنجبیل (زنجابیر) مشک (موشکا) وغیرہ ہندوستانی الفاظ ہیں، جن کو قریش نے اپنے طور پر معرب کرلیا تھا، احادیث میں قسط (کٹھ) زط (جاٹ) عود ہندی مشک وغیرہ کے نام ملتے ہیں، جو ہندوستانی نام ہیں، نیز مکہ میں ہندوستان کے لوگ رہتے تھے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جاٹوں کا تذکرہ ہے اور حضرت کعب بن مالکؓ کے ایک شعر میں ہندوستان کے لوہاروں کا ذکر ہے۔

---

۳۳ مسالک الممالک ص ۱۷۳۔ ۳۴ ایضاً ص ۱۷۷۔

عرب کے خاص خاص مقامات سے منسوب ہندوستانی اشیاء

عرب میں ہندوستانی تجارت کے ان بڑے بڑے مرکزوں کے علاوہ بعض بعض علاقوں میں ہندوستان کی چیزیں اس قدر مشہور ہوگئی تھیں کہ ان ہی علاقوں کے نام سے منسوب تھیں، حالانکہ وہ ہندوستانی ہوتی تھیں۔

خط

مثلاً خطی ان نیزوں کو کہتے تھے جو ارض خط کی طرف منسوب تھے، حالانکہ وہ دراصل ہندوستان کے بید اور بانس سے بنتے تھے، خط بحرین اور عمان کے پورے ساحل کو کہتے ہیں، جس میں قطیف، عقیر اور قطر جیسے بڑے بڑے علاقے شامل تھے، ان علاقوں میں ہندوستان کے بید اور بانس سے بھری ہوئی کشتیاں جاتی تھیں، اور ان سے نیزے بنائے جاتے تھے، [۲۲] اسیطرح سمہری نیزے جو عرب میں بہت مشہور ہیں وہ بھی اسی علاقہ خط میں تیار ہوتے تھے، اور سمہر نامی ایک شخص ان کو ہندوستان کی لکڑیوں سے تیار کر کے فروخت کرتا تھا۔ [۲۳]

دارین

نیز بحرین کے علاقہ میں دارین نام کی ایک مشہور بندرگاہ تھی، جہاں کا ہندوستانی مشک سارے عرب میں مشہور تھا، عربی ادبیات واشعار میں مشک دارین اور داری کے نام سے اس کا تذکرہ ملتا ہے، لسان العرب میں خطی نیزے کے بیان کے ضمن میں ہے:

> کما قالوا مسک دارین، ولیس هنالک مسک، ولکنها مرفأ السفن التی تحمل المسک من الهند۔ [۲۴]
>
> جیسے مشک دارین کہتے ہیں، حالانکہ مقام دارین میں مشک نہیں ہوتا، بلکہ وہ ان کشتیوں کی بندرگاہ ہے جو ہندوستان سے مشک لاتی ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ پورا علاقہ خط اور علاقہ دارین ہندوستان کے تجارتی مال کے لئے مشہور تھا، اور یہاں پر ہندوستان سے آئے ہوئے بید اور بانس اور مشک اندرون عرب جاتے تھے، اور ان کی

۲۵۔ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۶۳ وطبری ج ۲ ص ۱۸۸ اور کتاب التیجان ص ۳۰۴۔

بھاری مقدار یہاں ہر وقت موجود رہتی تھی۔

عرب کے بڑے بڑے موسمی اور مقامی بازار

ابلہ، صحار اور یمن و عدن ہندوستانی مال کی خاص منڈی تھے، جہاں سے پورے عرب اور ایران، مصر اور روم تک اس کا مال جاتا تھا، ان کے علاوہ اندرون عرب جو بازار خاص خاص موسموں میں ہوا کرتے تھے۔ ان میں بھی ہندوستانی مال کی کثرت سے خرید و فروخت ہوتی تھی، علامہ ابوعلی مرزوقیؒ نے کتاب الازمنہ والامکنہ میں اسواق عرب کا نہایت تفصیل سے ذکر کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عرب میں کل تیرہ بڑے بڑے بازار لگتے تھے، جن کے نام ترتیب وار یہ ہیں: (۱) دومۃ الجندل (۲) صحار (۳) دبا (۴) شحر (۵) رابیہ حضرموت (۶) ذوالمجاز (۷) نطاۃ خیبر (۸) مشقّر (۹) منی (۱۰) حجر (۱۱) عکاظ (۱۲) عدن (۱۳) صنعاء۔

دومۃ الجندل

دومۃ الجندل کا بازار اپنے محل وقوع کے اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا تھا، یہاں سے مدینہ اور کوفہ تیرہ تیرہ مرحلے پر تھے، اور دمشق دس مرحلے پر تھا، یہ بازار غرہ ربیع الاول سے شروع ہو کر نصف ماہ تک پورے زور پر رہتا تھا، اور آخر مہینہ تک چلا جاتا تھا، اس کے قریب بنو کلب، بنو جدیلہ اور بنو طے آباد تھے، اور دو حکمراں اکیدر عبادی اور قنافہ کلبی یہاں پر ٹیکس وصول کرتے تھے، اور ان ہی سے اس کا افتتاح ہوتا تھا۔

مشقّر

مشقّر مقام ہجر (بحرین) میں واقع ہے، دومۃ الجندل سے تاجر اور خریدار اٹھ کر یہاں آتے تھے، یہ بازار پہلی جمادی الاخریٰ سے آخر مہینہ تک لگتا تھا، اس کے اطراف میں بنو عبد القیس، اور بنو تمیم آباد تھے، بنو تمیم جو منذر بن ساوی سے تعلق رکھتے تھے، یہاں کا نظم و نسق سنبھالتے تھے، ان کی حیثیت شاہان فارس کے نائب کی تھی اس بازار میں اہل فارس براہ خشکی بڑی کثرت سے آتے تھے، اور ان کی تجارت خوب چلتی تھی۔

---

۳۶ لسان العرب ج ۳ ص ۴۳۸۔ ۳۷ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۷۹ طبع جدید مصر۔

صحار

صحار کا بازار پہلی رجب سے بیس ۲۰ رجب تک لگتا تھا، اور مشرق کی ساری رونق یہاں سمٹ آتی تھی جولوگ کسی وجہ سے پہلے دونوں بازاروں میں شریک نہیں ہو سکتے تھے، وہ سوق صحار میں شریک ہوتے تھے، یہاں عرب حکمراں جلندی عشر وصول کرتا تھا۔

دُبا

دبا (دبئی) کا بازار صحار کے بعد لگتا تھا، یہ مقام ہندوستان کے تجارتی جہازوں کے لئے بہت بڑی بندرگاہ تھا، ہندوستان، سندھ، اور چین غرض کہ مشرق ومغرب کے تاجر یہاں جمع ہوتے تھے۔

وكانت احدى فرض الهند يجتمع بها تجار الهند والسند والصين واهل المشرق والمغرب.[۴۵]

دبا ہندوستان کی بندرگاہ تھی، جہاں ہندوستان سندھ اور چین بلکہ مشرق ومغرب کے تاجر جمع ہوا کرتے تھے۔

سوق دبا کی ابتداء رجب کے آخری دن ہوتی، یہاں بھی ہر قسم کے مال کی بڑی خرید وفروخت ہوتی تھی۔

شحر مہرہ

شحر مہرہ کا بازار اس پہاڑ کے درمیان میں لگتا تھا جس پر حضرت ہود علیہ السلام کی قبر ہے، سوق دبا کے بری اور بحری تاجر اٹھ کر یہاں آجاتے۔

عدن

اس کا وقت نصف شعبان تھا، یہاں عشر وغیرہ نہیں لیا جاتا تھا، پھر شحر مہرہ سے تاجر اور خریدار اٹھ کر عدن آتے تھے، بحری تاجروں میں وہی لوگ یہاں پر آتے جن کا تمام مال پہلے بازاروں میں فروخت نہیں ہوتا تھا، وہ یہاں آکر باقی مال فروخت کرتے تھے، اسی طرح خریداروں میں بھی وہی زیادہ

---

۴۸ لسان العرب ج ۳ ص ۴۳۸۔ ۴۹ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۵۹۲ وطبری ج ۳ ص ۱۵۷۔

ہوتے جو دوسرے بازاروں میں نہیں پہنچ سکتے تھے، سوق عدن پہلی رمضان سے بیس تک رہتا تھا، یہاں کے منتظم ملوک حمیر تھے جو عشر لیتے تھے، آخر میں ابنائے فارس یہ رقم وصول کرنے لگے تھے، ان کے حسن انتظام کی دھوم دھام ہندوستانی تاجروں میں اس قدر تھی کہ پورے ہندوستان میں اس کا چرچا تھا۔

حتی ان تجار البحر لترجع بالطيب المعمول تفخر به في السند والهند وترتحل به تجار البرالیٰ فارس [۲۶]

بحری تاجر یہاں کے حسن کارکردگی کا فخریہ تذکرہ سندھ اور ہندوستان میں کرتے تھے، اور بری تاجر اسے پورے فارس میں جاکر بیان کرتے تھے۔

صنعاء

عدن کے بعد صنعاء کا بازار نصف رمضان سے شروع ہوکر آخر تک رہتا تھا، یہاں کپڑے، لوہے، روئی، زعفران اور مختلف رنگوں کی تجارت خوب ہوتی تھی۔

رابیہ

پھر صنعاء کا یہ بازار ختم ہوکر دو بازاروں میں منقسم ہوجاتا تھا، یعنی سوق رابیہ حضرموت اور سوق عکاظ، یہ دونوں بازار ایک ہی وقت میں نصف ذی قعدہ میں لگتے تھے، چونکہ رابیہ حضرموت کے بازار کا منتظم اور نگراں کوئی حکمراں نہیں ہوتا تھا، اس لئے تاجر اس کی طرف کم توجہ کرتے تھے۔

عکاظ

سوق عکاظ نجد کے بالائی علاقہ میں عرفات کے قریب لگتا تھا، یہ پورے عرب کا سب سے بڑا بازار تھا، اس میں قریش مکہ، ہوازن، غطفان، خزاعہ اور احابیش یعنی حارث بن عبد مناۃ، عضل، مصطلق اور دوسرے عرب قبائل آتے تھے، نصف ذی قعدہ سے غرۂ ذوالحجہ تک رہتا تھا، یہاں کسی قسم کا ٹیکس نہیں تھا، اس میں نہایت عمدہ اور نایاب سامان فروخت ہوتا تھا، جو عرب کے کسی بازار میں نہیں ملتا تھا، ملوک یمن اور ملوک حیرہ یہاں پر عمدہ تلواریں، نفیس حلّے، قیمتی سواریاں، مشک، عود اور دوسری قیمتی چیزیں تجارت کیلئے بھیجا کرتے تھے، عربوں میں جو ان کی بولی بولتا، اور ان کو خریدتا، وہ بہت ہی معزز سمجھا

---

[۲۶] لسان العرب ج ۷ ص ۳۰۸ اوز ط۔ ۱۲ [۱] مجمع البحار، ج ۲ ص ۶۲ طبع نولکشور

جاتا، اور اسے ان بادشاہوں کے دربار میں باریابی کا شرف حاصل ہوتا۔

ذوالمجاز

ذوالحجہ کا چاند دیکھتے ہی عکاظ کا بازار ٹوٹ کر ذوالمجاز میں منتقل ہو جاتا تھا، اور یہاں کے تمام تاجر وہاں پہنچ کر خرید وفروخت میں مشغول ہو جاتے، یہ مقام عکاظ سے بہت قریب ہے، ذوالمجاز میں لوگ یوم ترویہ تک مقیم رہتے، عرب کے حجاج اور دوسرے بازاروں میں نہ شریک ہونے والے افراد عام طور سے سوق ذوالمجاز میں شریک ہوتے تھے۔

دوسرے اسواق

ان بازاروں کے علاوہ سوق نطاۃ خیبر اور سوق حجر یمامہ میں خرید وفروخت کی سرگرمیاں ہوا کرتی تھیں، بعضوں نے مخسبنہ کو بھی اسواق عرب میں شمار کیا ہے، یہ مقام ذوالمجاز اور ستقی سے قریب حضرموت کے پیچھے واقع ہے، سوق دیرایوب بھی ایک بازار تھا، اور سوق بصریٰ بھی ۲۵ دن تک ہوتا تھا، جو بنوامیہ کے زمانہ تک جاری رہا اور چالیس دن تک رہتا تھا، نیز سوق اذرعات پانچویں صدی تک جاری رہا، یہ اس دور میں عرب کے بازاروں میں سب سے بڑا بازار ہوتا تھا۔ [۲۷]

سندھی مرغی

دجاج سندھی یعنی سندھی مرغی اور دیک سندھی یعنی سندھی مرغا، ان دونوں کا استعمال بھی عرب میں عام تھا، اور عرب ان سے اچھی طرح واقف تھے، سندھی مرغی کا تذکرہ ابن خرداذبہ نے المسالک والممالک میں، ابن فقیہ ہمدانی نے مسالک الممالک، اور جاحظ نے کتاب الحیوان میں کیا ہے، بلکہ جاحظ نے دجاج سندھی کو ان جانوروں میں شمار کیا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہندوستان کی خصوصیات میں سے بنایا ہے، نیز اس نے لکھا ہے کہ دجاج خلاسی اس مرغی کو کہتے ہیں جو نبطی اور سندھی مرغیوں کی مخلوط نسل سے ہو، اور اگر مرغی خالص سفید رنگ کی اور ہندوستانی ہو تو اسے بیسری کہتے ہیں۔ [۲۸]

صاحب مجمع البحرین نے لکھا ہے:

وفي الحديث دجاج سندي. [۲۹]

---

۴۲ مجمع البحرین مادہ ز ط طبع ایران۔ ۴۳ تقویم البلدان ص ۳۲۵ طبع پیرس۔

حدیث میں سندھی مرغی کا ذکر ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں سندھی مرغی عام طور سے متعارف و مستعمل تھی۔

سندھی کپڑے

عرب میں سندھ کے بنے ہوئے خاص قسم کے کپڑوں کو مسندہ اور مسندیہ کہتے تھے، اور ان کا استعمال بھی عام تھا، عام طور سے ان کی چادریں بنتی تھیں اور چونکہ یہ کپڑا ہندوستان سے پہلے یمن جاتا تھا اس لئے ان کو برد یمانی بھی کہتے تھے۔ لسان العرب میں ہے:

والمسندة والمسندية ضرب من الثياب، وفي حديث عائشة رضي الله عنها انها رأت عليها اربعة اثواب سندقيل هو نوع البرود اليمانية.[۳۰]

مسندہ اور مسندیہ کپڑے ایک قسم کا نام ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ انھوں نے آپ کے جسم پر سندھ کے چار کپڑے دیکھے، بعضوں نے کہا ہے کہ یمنی چادروں کی ایک قسم ہے۔

لنگی اور چادر

نیز لسان العرب میں ہے کہ تہبند اور لنگی کے کپڑے بھی سندھ ہی سے عرب میں جاتے تھے:

الفوطة ثوب قصير غليظ يكون مئزراً يجلب من السند.

فوطہ گف چھوٹا سا کپڑا ہے جو چادر اور تہبند ہوتا ہے، سندھ سے لایا جاتا ہے۔

اور بعد میں اس کا رواج بار برداروں، محنت مزدوری کرنے والوں اور نوکروں میں عام ہو گیا تھا۔ مشہور امام لغت ابو منصور کا بیان ہے:

ورأيت بالكوفة ازراً مخططة يشتر بها الجمالون والخدم فيتزرون بها.[۳۱]

میں نے کوفہ میں دیکھا ہے کہ اونٹ والے اور نوکر چاکر دھاری دار چادریں

---

۴۴ کتاب التیجان ص ۲۲۲ طبع حیدر آباد۔ ۴۵ ایضاً ص ۲۲۳۔

خریدتے ہیں اور ان کو تہبند اور لنگی کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

ہمارے زمانہ میں عام طور سے اسی قسم کا دھاری دار اور رنگین تہبند استعمال ہوتا ہے۔ یہی عربی لفظ فوطہ اور فوط ہے جو ہندوستان میں پوت کہا جاتا ہے۔ جس سے مراد آ جکل عام طور سے چار گز کا ریشمی تھان ہوتا ہے۔

کرتہ

کرتہ خالص ہندوستانی لباس ہے جو قدیم زمانہ سے ایران اور عرب میں رائج تھا۔ عرب اسے معرب کر کے قرطق کہتے تھے، لسان العرب میں ہے۔

(قرطق) ای قباء، وهو تعریب کرته، وقد تضم طاء ہ، وابدال القاف من الهاء فی الاسماء المعربة کثیر کالبرق، والباسق والمستق [۴۲]

قرطق قباء ہے، اور یہ کرتہ کا معرب ہے، اور قرطق کی طاء کو ضمہ بھی دیتے ہیں، اور اسماء معربہ میں ہاء کو طاء سے بدلنا بہت زیادہ ہے، جیسے برہ سے برق، اور باسہ سے باسق اور مستہ سے مستق۔

شاہان ایران کے دربار میں جب ملوک عرب جاتے تو شاہی دربار کی سجاوٹ میں کرتے کا استعمال خاص طور سے ہوتا تھا، اور اس کا شمار شاہی لباس میں ہوتا تھا۔ قاضی رشید بن زبیر نے الذخائر والتحف میں اس موقع پر لکھا ہے:

والبسهم الدیباج الملون من الثیاب والقراطق، وفی اوساطهم مناطق الذهب الاحمر مرصعت بانواع الجوهر، وعن شماله اولاد المزاربة علیهم القراطق۔ [۴۳]

بادشاہ شاہزادوں کو کپڑوں اور کرتوں میں سے رنگین دیبا پہناتا تھا اور ان کی کمریں سونے کے پٹکے ہوتے تھے، جو قسم قسم کے جواہر سے مرصع ہوتے تھے، اور بادشاہ کے بائیں جانب مرزبانوں (صوبوں کے حاکموں) کے لڑکے کرتے پہن کر کھڑے رہتے تھے۔

---

۴۲ المسالک والممالک ص ۵۶ طبع یورپ۔ ۴۳ مسالک الممالک ص ۳۵۔

سلیمان تاجر بحر ہرگند (بحر ہند) کے جزائر کے باشندوں کی صنعت و حرفت میں مہارت بیان کرتا ہوا کہتا ہے:

حتی انهم یعملون القمیص مفروغا منه نسجا بالکمین والد خریصین والجیب.

انکی صنعت گری کا یہ حال ہے کہ وہ ایسا کرتہ بناتے ہیں جس میں دونوں آستین کلیاں اور جیب بنی ہوتی ہیں اور ان کو سلنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

عہد رسالت میں کرتے کا استعمال تھا اور بعض روایات میں اس کا ذکر ہے، بلکہ بعد تک یہ کپڑا بادشاہوں اور حاکموں کا لباس تھا، اصطخری نے منصورہ کے مسلمان حکمرانوں کا لباس کرتہ یہ بتایا ہے:

وزیهم زی اهل العراق، الاان زی ملوکهم یقارب زی ملوک الهند من الشعور والقراطق.[۴۴]

اہل منصورۃ کا لباس اہل عراق کی طرح ہے، البتہ یہاں مسلمان حاکموں کا لباس ہندوستان کے راجوں مہاراجوں کی طرح ہے اور وہ بھی بال رکھتے ہیں اور کرتے پہنتے ہیں۔

اسی طرح یہی جغرافیہ نویس دوسری جگہ ملتان اور منصورہ کے عام باشندوں کا لباس کرتہ ہی بتاتا ہے:

ولباس القراطق فیهم ظاهر، الا التجار افان لباسهم القمیص والاردیة وسائر اهل فارس والعراق.[۴۵]

کرتے کا ان میں عام چلن ہے، البتہ تاجروں کا لباس قمیص اور چادر ہے، اور فارس و عراق والوں کا لباس بھی قمیص اور چادر ہے۔

یہ چند ہندوستانی اشیاء کی فہرست ہے جن کا استعمال عرب میں عام تھا، ان کے علاوہ بھی بہت سی ہندوستانی چیزیں عرب میں مستعمل تھیں، اشعار عرب اور کتب لغت کی مراجعت کے بعد ان کا نشان مل سکتا ہے۔

---

۴۸ المسالک والممالک ص ۴۳۔ ۴۹ مسالک الممالک ص ۹۴۔

عرب میں آباد ہندوستانی قومیں

سندھ اور ہند عربوں کے نزدیک قدیم زمانہ سے دو الگ الگ ملک مانے جاتے ہیں، اور وہ تغلیب کے طور پر دونوں ملکوں کے باشندوں کو ہندی بھی کہہ دیا کرتے ہیں، ورنہ عام طور سے سندھ کے باشندوں کو سندی اور ہندوستان کے لوگوں کو ہندی کہتے ہیں۔

سندھ اور سندھی

جس طرح سندھ ایک ملک کا نام ہے۔ اسی طرح وہاں کی قوم کو بھی سند کہتے ہیں لسان العرب میں ہے:

والسند جيل معروف والجمع أسناد وسنود، وسند بلاد،
تقول سندي للواحد، وسند للجماعة مثل زنجي وزنج.

(لسان العرب ج ۳ ص ۲۲۳ طبع جدید بیروت)

سند ایک مشہور گروہ ہے، اس کی جمع اسناد اور سنود آتی ہے، اور سندھ چند شہروں کے مجموعہ کا نام ہے، تم یہاں کے ایک آدمی کو سندی کہو گے اور جمع کے لئے سند استعمال کرو گے، جیسے زنجی اور زنج ہے۔

مسنّدہ، مسنّدیہ، سَند اور سند کے نام سے سندھ میں ایک قسم کے کپڑے بنتے تھے، جو عرب میں استعمال کیے جاتے تھے، رجل سندی کی طرح ثوب سندی اور دجاج سندی (سندھی مرغی) بھی اس ملک کی نسبت سے مشہور تھی، یہاں کے باشندے قدیم عرب میں بہت زیادہ آباد تھے، خاص طور سے یمن کے علاقہ میں ان کی کثرت وشوکت مسلم تھی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام طفولیت میں جب شاہ حبشہ ابرہہ کے بیٹے مسروق بن ابرہہ نے یمن پر حملہ کر کے سیف بن ذی یزن کو بے دخل کر دیا اور اس نے کسریٰ انوشیرواں کے یہاں جا کر اس کا تذکرہ کیا تو اس نے دریافت کیا:

اى الا غربة الحبشة أم السند.[۵۰]

کن غیر ملکیوں نے یمن پر قبضہ کیا ہے؟ حبشیوں نے یا سندھیوں نے۔

کسریٰ کے اس سوال سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت یمن میں سندھیوں کی آبادی کس قدر

۵۰ تاریخ ابن خلکان ج ۲ ص ۲۹۴ طبع ایران قدیم۔

زیادہ تھی، اور ان کو کیسی شان و شوکت حاصل تھی۔

ہند اور ہندی

ہند جس طرح سندھ کے مقابلہ میں ایک ملک کا نام ہے، اسی طرح اس ملک کے باشندوں کو عرب ہند کے نام سے یاد کرتے ہیں، اور جمع کے لئے ہنود اور واحد کے لئے یائے نسبتی لگا کر ہندی بولتے ہیں، کبھی کبھی یائے نسبت سے پہلے کاف کا اضافہ کرکے ہندکی بھی بولتے ہیں، جس کی جمع ہنادک آتی ہے، کبھی ہندی سے عود ہندی بھی مراد لیتے ہیں، سیف مہند، سیف ہندی، سیف ہندانی، سیف ہندوانی، اور ہندی ہندوستان کی بنی ہوئی تلوار کو کہتے ہیں، لسان العرب میں ہے:

قال الازهری والأصل فی التهنید عمل الهند، یقال سیف مهند، وهندی، وهندوانی اذاعمل، ببلادالهند واحکم عمله والمهند السیف المطبوع من حدید الهند، وهند اسم بلاد، والنسبة هندی، والجمع هنود، کقولک زنجی وزنوج وسیف هندوانی بکسر الهاء وان شئت ضمتها اتباعاً للدال، ابن سیدة والهند جیل معروف ویقال رجل هندی وهندکی، قال ولوقیل ان الکاف اصل، وان هندی وهندکی اصلان بمنزلة سبط وسبطر لکان قولا قویا والسیف الهندوانی، والمهند منسوب الیهم.[۵۳]

ازہری کا قول ہے کہ دراصل تہنید کے معنی ہندوستان میں یا ہندوستانیوں کا تلوار بنانا ہے سیف مہند ہندی ہندوالی اس تلوار کو کہتے ہیں جو ہندوستان میں بنائی گئی ہے، اور اس کی بنوٹ نہایت عمدہ ہو، اور مہند وہ تلوار جو ہندوستان کے لوہے سے بنائی گئی ہو، اور ہند شہروں کے مجموعہ کا نام ہے، اس کی طرف نسبت ہندی ہے اور اس کی جمع ہنود آتی ہے، اور سیف ہندوانی اور ہندوانی بھی کہتے ہیں، اور ہند ایک مشہور گروہ کا نام بھی ہے، یہاں کے باشندے کو ہندی اور ہندکی کہتے ہیں، اگر ہندکی کے کاف کو اصل مان کر

---

۵۱ فتوح البلدان ص ۳۶۸۔ ۵۲ ایضاً ص ۳۶۷۔

سبط اور سبطر کر طرح اسے بھی مان لیا جائے تو یہ قول قوی ہے اور اور سیف ہندوانی اور مہند اس تلوار کو کہتے ہیں جو ہندوستانیوں کی طرف منسوب ہے۔

ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایک قصیدہ کہا ہے، جس میں ایک شعر یہ بھی ہے:

بنی امۃ محبوبۃ ھندکیۃ
بنی جمع عبید قیس بن عاقل [۳۸]

کثیر شاعر نے کہا ہے:

ومقربۃ دھم وکمت کانھا
طماطم یوفون الوفور ھنادکا [۳۹]

محمد بن حبیب نے کہا ہے کہ کثیر نے ہنادک سے رجال ہند مراد لیا ہے۔ ابن ہرمہ نے کہا ہے:

کأعناق نساء الھند
وقد شیبت باوضاح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے چند ماہ پیشتر ہندوستان کے آدمیوں کا تذکرہ ایک موقع پر فرمایا تھا، جبکہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت نجران سے قبیلہ بنی حارث ابن کعب کا وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوا تھا، آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا:

من ھؤلاء القوم؟ کانھم رجال الھند. [۴۰]

یہ کون لوگ ہیں جو ہندوستان کے آدمیوں کی طرح ہیں؟

ہند اور سندھ کی چھ قومیں

الغرض عرب میں ہندیوں اور سندھیوں کی مختلف جماعتیں عہد رسالت میں موجود تھیں، چنانچہ زط (جاٹ) مید، سیابجہ، اسادرہ، احامرہ، بیاسرہ اور تکاکرہ یہیں کے رہنے والے تھے، جو ملک عرب میں مختلف کاموں اور پیشوں کی وجہ سے مختلف ناموں سے یاد کیے جاتے تھے، ان کا مختصر تعارف یہ ہے:

۱۔ زُطّ (جاٹ)

---

۵۳ فتوح البلدان ص ۳۶۹۔ ۵۴ تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۵۶۔

ہندوستان کی مشہور سیاہ رنگ کی جنگ جو قوم ہے، جو سندھ کے علاوہ منصورہ کے اطراف سے لے کر مکران تک پھیلی ہوئی تھی، بلوچستان میں اور ہندوستان کے علاقہ پنجاب میں اس کی آبادی تھی، یہ لوگ ان ہی مقامات سے عرب جاتے تھے۔

۲۔ مید

ہندوستان کی ساحلی قوم ہے جو جہازوں اور کشتیوں کو سمندر میں لوٹ لیا کرتی تھی، اس قوم کی بستیاں دریائے سندھ سے لے کر ہندوستان کے سرحدی علاقہ اوتلین تک پھیلی ہوتی تھیں، اور دریائے سندھ کے ساحلی مقامات سے لے کر ملتان تک ان کی آبادیاں تھیں، بلکہ گجرات اور کوکن کے سواحل میں بھی یہ سمندری لٹیرے بکثرت آباد تھے، جن سے یہاں کے راجے مہاراجے تک عاجز تھے، بعد میں مسلمانوں نے ان کو زیر کیا، یہ لوگ شاہان ایران کی فوج میں بھرتی ہو کر عرب جاتے تھے اور ساحلی مقامات میں رہا کرتے تھے۔

۳۔ سیابجہ

ہندوستان کی مشہور قوم سیابجہ کا وطنی تعلق بھی سندھ اور ہندوستان کے سواحل ہی سے تھا، خصوصاً سندھ کا علاقہ ان کا مرکز تھا۔

۴۔ اساورہ

شاہان ایران کی فوج میں ''سواروں'' کے ممتاز عہدے دار تھے، جو عرب میں رہتے تھے، ان میں ہندوستانی بھی ہوا کرتے تھے، ان کا وطن سندھ کے سواحل سے لے کر سرندیپ تک پھیلا ہوا تھا۔

۵۔ بیاسرہ

بھی ہندوستانی تھے، اور عرب جا کر جہازوں کی نگرانی کی ملازمت کرتے تھے، یہ لوگ بھی سندھ سے لے کر بمبئی کے حدود صیمور (چیمور) تک کے رہنے والے تھے۔

---

۵۵ ترمذی شریف ابواب الامثال۔ ۵۶ الادب المفرد امام بخاری ص ۲۷ مطبع تازیہ مصر۔

۶- تکاکرہ (ٹھاکر)

سندھ اور پنجاب کے جنگ جو بہادر تھے، جنھوں نے ہندوستان پر محمد بن قاسمؒ کے حملہ کے وقت راجہ داہر وغیرہ کی مدد میں بڑی بہادری دکھائی تھی۔

اب ہم تفصیل کے ساتھ ان ہندوستانی قوموں اور جماعتوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو عہد رسالت میں عرب میں پائی جاتی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت انھوں نے دعوت اسلام قبول کی یا انکار کر کے جزیہ دینا قبول کیا، اور یا عربوں اور ایرانیوں کے ساتھ مل کر جنگ کی۔

زُطّ یعنی جاٹ

جاٹ جن کو عربی زبان میں زط کہتے ہیں، یہ سیاہ رنگ کے خالص ہندوستانی قوم سے تھے، جو قدیم زمانہ سے عرب میں بڑی تعداد میں آباد تھے، یہ قوم سندھ اور پنجاب میں پائی جاتی ہے، بلکہ بعض مورخوں نے بلوچستان کے باشندوں کو بھی جاٹ بتایا ہے، لسان العرب میں ہے:

> الزط جیل اسود من السند وقیل الزط اعراب جت بالهندية وهو جيل من اهل الهند وهم جنس من السودان والهنود والواحد زطي، مثل الزنج والزنجي والروم والرومي۔[۴۱]

> زط سندھ کے سیاہ رنگ کے لوگ ہیں، ایک قول ہے زط ہندی لفظ جٹ کا معرب ہے، اور وہ ہندوستانیوں میں سے ہیں، بہر حال جاٹ سیاہ رنگ کے اور ہندوستانیوں کی جنس سے ہیں، اس لفظ کا واحد زطی ہے جیسے زنج اور زنجی اور روم اور رومی۔

علامہ محمد طاہر مجمع بحار الانوار میں لکھتے ہیں:

> وهم جنس من السودان(السنود) والهنود.[۴۲]

> یہ لوگ کالے رنگ کے سندھیوں اور ہندیوں کی جنس سے ہیں۔

طریح نجفی نے مجمع البحرین میں تقریباً یہی عبارت لکھی ہے اور آخر میں یہ بھی لکھا ہے:

> الزط بالضم من الهند معرب جهت بالفتح، الواحد زطي.[۴۳]

۴۱ے لسان العرب ج ۷ ص ۳۰۸ و مجمع البحار، ج ۲ ص ۶۲۔

زط ہندوستانی ہیں، یہ لفظ جھت کا معرب ہے اور واحد زطی ہوتا ہے۔

ان تصریحات میں جاٹوں کو سندھی اور ہندوستانی سے بتایا گیا ہے، مگر ابوالفدا نے تقویم البلدان میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں بلوچیوں کو بھی جاٹ کہتے ہیں، جن کی زبان ہندوستان کی زبان سے ملتی ہے:

واما اللوص المنکرون فیقال لھم فی زماننا الجت وھم طائفۃ تقرب لغتھم من الھندیۃ۔[۵۸]

ان بلوچیوں کو ہمارے زمانہ میں جت کہا جاتا ہے۔ یہ ایک گروہ ہے جس کی زبان ہندی زبان سے قریب ہے۔

قدیم ترین ماہر انساب اور یمن کی تاریخ کے عالم ابومحمد عبدالملک ابن ہشام نے کتاب التیجان میں جاٹوں کو وسطی ایشیا کی قوموں میں بتایا ہے اور یمن کی قوم تبع اور تبابعہ کے حالات میں جاٹوں کو بنو یافث میں شمار کیا ہے۔ مثلاً تبع شمر یرعش بن ناشر النعم کے ذکر میں ہے:

وان الصغد والکرد والخزر والزط والقوط کلھم بنو یافث ابن نوح النبی صلی اللہ علیہ وسلم[۵۹]

صغد، کرد، خزر زط، قوط، یہ سب یافث بن حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں۔

دوسری جگہ اسی تذکرہ میں ہے کہ:

واقبل بنو یافث باجمعھم یتاصرون قباد، وھم الترک، والدیلم والخور، والغور، والتبت، والصغد، والزط، والخوز[۶۰]

اور تمام بنو یافث قباد کی مدد کے لئے تیار ہو گئے، یہ ترک، دیلم، خزر، غور، تبت، صغد، زط اور خوز ہیں۔

ہمارا خیال ہے کہ یہ تبع شمر یرعش کے مقابلہ میں شاہ ایران قباد کے مددگاروں کی فہرست ہے جس میں صغد، کرد، خزر، ترک، دیلم، غور اور تبت وغیرہ کی طرح جاٹ بھی شامل تھے، جو قدیم زمانے میں

۵۸ لسان العرب ج ۷ ص ۳۰۸ ۵۹ مجمع البحرین مادہ زط طبع ایران۔

ہندوستان سے جاکر ایران کے مختلف علاقوں میں آباد ہو گئے تھے، اور اکا سرۂ ایران کی فوج میں ایرانیوں کی طرح رہتے تھے جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔ وسط ایشیا جاٹوں کا آبائی وطن نہیں ہے، بلکہ وہ ہندوستانی نسل سے تھے اور وہاں جاکر آباد ہو گئے تھے، یا پھر جاٹ کے لقب سے ان اطراف کی کوئی قوم رہی ہوئی۔

ہندوستان میں جاٹوں کا علاقہ

مورخوں نے جن جاٹوں کا عرب میں قدیم زمانہ سے پایا جانا بیان کیا ہے، وہ مکران، بلوچستان، ملتان، دیبل وغیرہ سندھ اور اس کے اطراف کے رہنے والے تھے، قدیم عرب جغرافیہ نویس ابن خرداذبہ نے مکران اور منصورہ (سندھ) کے درمیان کئی سو میل تک جاٹوں کا علاقہ بتایا ہے، چنانچہ فہرج سے (ایران) سندھ کی طرف آنے والی شاہراہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

من اول مكران الى المنصورة ثلث مائة وثمانية وخمسون فرسخاً والطريق فى بلاد الزط وهم حفاظ الطريق.[۴۷]

مکران کے ابتدائی سرے سے لیکر منصورہ تک تین سو اٹھاون فرسخ کا فاصلہ ہے اور پورا راستہ زط کی آبادیوں سے ہو کر گزرتا ہے یہ لوگ اس راستہ کے محافظ ہیں۔

اصطخری نے سندھ (منصورہ) سے ملتان تک کے پورے درمیانی علاقہ کو جاٹوں کا علاقہ لکھا ہے، اور اس میں ان کی آبادیاں بتائی ہیں:

وبلد السند هو المنصورة واراضى الزط، وما والاها الى الملتان.[۴۸]

سندھ کا ملک منصورہ اور زط کی بستیوں اور اطراف وجوانب سمیت ملتان تک پھیلا ہوا ہے۔

ابوالفداء کی تصریح او پر گذر چکی ہے کہ بلوچستان کے باشندے جاٹ کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں اور انکی زبان ہندوستان کی زبان سے قریب ہے، ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ میں عرب میں جو جاٹ آباد ہو گئے تھے وہ حدود سندھ کے رہنے والے تھے اور مکران سے پنجاب تک

---

۶۰ بخاری کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ عزوجل، واذکر فی الکتاب مریم۔

انکی آبادیاں پھیلی ہوئی تھیں۔

ایران میں جاٹوں کا علاقہ

ہندوستان کے جاٹ عرب میں مختلف طریقوں سے پہنچے تھے، ان میں کچھ تو ابلہ (بصرہ) سے عمان اور بحرین تک کے ساحلی علاقے میں آباد ہو کر مویشی، بھینس، بکری، اونٹ وغیرہ پالتے تھے، اور کچھ مستقل طور سے ساحلی شہروں اور دیہاتوں میں آباد ہو گئے تھے، اور ان کی اکثریت شاہان ایران کی فوج اور سیاہ بن کر ایران اور عرب میں رہتی تھی، اس کا مرکز عراق میں ابلہ اور جنوب میں یمن تھا، چنانچہ ایران میں قدیم زمانہ سے جاٹوں کے بڑے بڑے شہر اور بارونق بستیاں تھیں، جو فارس سے عراق تک پھیلی ہوئی تھیں، سوق اہواز سے فارس کی طرف جانے والی شاہراہ پر تقریباً ساٹھ میل کے بعد جاٹوں کا بہت بڑا شہر تھا، جسے ان کے نام ہی پر زط کہا جاتا تھا، ابن خرداذبہ کا بیان ہے:

من الاھواز الی ازم ستة فراسخ ومنها عبدین خمسة فراسخ،
ثم الی رام ھر مز ستة فراسخ ثم الی الزط ستة فراسخ.[49]

اہواز سے ازم تک چھ فرسخ کی مسافت ہے اور ازم سے عبدین پانچ فرسخ پر ہے، پھر رام ہرمز تک چھ فرسخ ہے پھر وہاں سے زط چھ فرسخ پر ہے۔

خوزستان کے علاقہ میں جاٹوں کا عظیم الشان اور بارونق شہر تھا، جو دو علاقوں میں تقسیم تھا، اور دو ناموں سے یاد کیا جاتا تھا، ایک کو حومۃ الزط یعنی جاٹوں کا علاقہ وخطہ اور دوسرے کو خابران کہتے تھے، دونوں علاقے نہایت وسیع وعریض تھے، اور دو ندیوں کے کناروں پر آباد تھے، اصطخری نے اقلیم خوزستان کے بڑے بڑے شہروں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

وحومة الزط والخابران وھما واحد، والزط والخابران ھما کورتان عامرتان علی نھرین جاریین.[50]

حومۃ الزط اور خابران دونوں ایک ہی علاقہ کے نام ہیں، زط اور خابران دونوں دو (۲) بہتے ہوئے دریا کے کنارے پر آباد ہیں۔

کابل میں بھی جاٹوں کی آبادی تھی، ان ہی میں بعد میں امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت زوطی (زطی) بن ماہ رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے، غالباً زوطی کا اسلامی نام نعمان تھا، اور ماہ شاہ ایران کے

---

[61] سیرت ابن ہشام ۵۹ و تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۵۶۔

مرزبان یعنی نائب حاکم تھے، اسی لئے بعض روایات میں زوطی بن ماہ کے بجائے نعمان بن مرزبان آیا ہے۔[51]

عرب میں جاٹوں کا علاقہ

ہندوستان کے جاٹوں کے ایرانیوں کے توسط سے عرب میں جانے اور وہاں آباد ہونے کی تاریخ بلاذری نے فتوح البلدان میں ''امر الاساورة والزط'' کے ماتحت یوں لکھی ہے:

واما السيابجة والزط والاندغار فانهم كانوا في جند الفرس ممن سبوه وفرضوا له من اهل السند ومن كان سبيا من اولى الغزاة فلما سمعوا بما كان من امر الاساورة اسلموا واتوا ابا موسىٰ فانزلهم البصرة كما انزل الاساورة.[52]

سیابجہ زط اور اندغار ایرانیوں کی فوج میں ان کے قیدیوں میں سے تھے، اس فوج کو ایرانیوں نے سندھیوں میں شمار کر کے ان ہی کے درجہ میں رکھا تھا، نیز اسے بھی لڑنے والے قیدیوں کی حیثیت دی تھی، جب ان فوجیوں نے اساورہ کے مسلمان ہونے کا واقعہ سنا تو یہ بھی مسلمان ہو کر حضرت ابوموسیٰؓ کے پاس آ گئے اور آپ نے ان کو بھی اساورہ کی طرح بصرہ میں آباد کیا۔

اس سے پہلے ایران کے فوجی ''اساورہ'' کے اسلام لانے کے سلسلے میں شیرویہ اسواری کے مسلمان ہو کر بصرہ میں آباد ہونے کے بیان میں لکھا ہے:

فانضم الى الاساورة السيابجة وكانوا قبل الاسلام بالسواحل ——— وكذلك الزط وكانوا ابا الطفوف تيتبعون الكلا.[53]

شیرویہ اسواری اپنی جمعیت سمیت اساورہ سیابجہ میں آ کر مل گیا، یہ سیابجہ اساورہ اسلام سے پہلے خلیج عربی کے ساحل میں رہا کرتے تھے یہی حال جاٹوں کا بھی تھا، یہ لوگ سواحل میں چارے کی تلاش میں گھومتے رہتے تھے۔

اسی باب میں علامہ بلاذری ایک جگہ لکھتے ہیں:

وقد كان معاه بة نقل من الزط والسيابجة القدماء الى سواحل

---

۶۲ لسان العرب ج ۷ ص ۳۰۸۔ ۶۳ فتوح البلدان ص ۳۶۷۔

الشام و انطاکیة بشراً۔[۶۴]

حضرت معاویہؓ نے قدیم زمانہ سے آباد جاٹوں اور سیابجہ کی ایک جماعت کو شام اور انطاکیہ کے سواحل پر منتقل کر کے آباد کیا۔

ان تمام تصریحات کا حاصل یہ ہے کہ جاٹ قدیم زمانہ سے ایرانیوں کی فوج میں رہتے تھے، ان سندھی سپاہیوں کو عام ایرانی سپاہیوں سے الگ قرار دیکر ان کی تنخواہوں کا معیار ایرانیوں سے جداگانہ تھا اور ان کی حیثیت بیگار کی سی تھی، اسلام سے قبل یہ ہندو۔ د بلاد خلیج عرب (خلیج فارس) کے سرسبز وشاداب سواحل ابلہ سے لے کر بحرین اور عُمان تک پھیلے ہوئے تھے، اور ابلہ جس کے قریب بصرہ آباد ہوا، ان کا بہت بڑا مرکز تھا، بعد میں جب یہ لوگ مسلمان ہوئے تو سواحل شام والطا کیہ میں بھی ان کی بہت بڑی تعداد آباد کی گئی۔

ابلہ کے بعد جاٹوں کا دوسرا مرکزی مقام بحرین تھا، جہاں وہ عہد رسالت سے پہلے بڑی تعداد میں آباد تھے۔ چنانچہ ۱۱ھ میں جب بحرین اور اس کے اطراف میں ارتداد کا فتنہ برپا ہوا تو جاٹ بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے، اور حطم بن ضبیعہ نے قطیف، ہجر اور حظ میں آباد جاٹوں کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا اور اپنے ساتھ ملایا:

حتی نزل القطیف و ھجر و استغوی الحظ و من فیھا من الزط والسیابجة[۶۵]

حطم بن ضبیعہ قطیف اور ہجر پہنچا، اور حظ کی پوری آبادی کو اور وہاں جس قدر جاٹ اور سیابجہ تھے سب کو گمراہ کر کے اپنی فوج میں شامل کر لیا۔

پھر جب اسلامی فوجوں کے مقابلہ میں ان کو ہزیمت ہوئی تو ایک بہت بڑی جماعت دارین کی طرف بھاگی اور باقی شکست خوردہ کفار اپنے ملکوں اور قبیلوں میں چلے گئے، اس سے ظاہر ہے کہ ہندوستان کے جاٹ بھی شکست کھانے کے بعد ہندستان کی طرف بھاگے ہوں گے۔

مکہ مکرمہ میں بھی جاٹ موجود تھے، اور وہاں کے لوگ ان سے اچھی طرح واقف تھے، جامع ترمذی کے ابواب الامثال کی ایک طویل حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں بطحائے مکہ میں جنوں کو دیکھا جن کی شکل و شباہت ان کے بیان کے مطابق

۶۴ے ایضاً ص ۳۶۷۔ ۶۵ے فتوح البلدان ص ۳۶۷۔

جاٹوں کی تھی:

فبينا انا جالس في خطي اذا اتاني رجال كانهم الزط اشعار
هم واجسامهم لااري عورة ولا اري قشرا [۵۶]

میں اپنے اردگرد کھینچے ہوئے دائرہ میں بیٹھا تھا کہ کچھ لوگ میرے قریب
آئے، وہ لوگ اپنے بال اور جسم میں جاٹوں کے مشابہ تھے، میں نہ انکا ستر
دیکھ سکا اور نہ انکا چمڑا مجھے نظر آیا۔

مدینہ منورہ میں قدیم زمانہ سے کچھ جاٹ موجود تھے، جن میں ایک سے مسلمان جاٹ طبیب اور معالج تھا، جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق بتایا تھا کہ ان پر ان کی باندی نے سحر کر دیا ہے۔ [۵۷]

جاٹوں کے اثرات عربی زندگی میں

غرض مشرقی سواحل میں پھیل جانے کے ساتھ ساتھ عرب کے بڑے بڑے مقامات میں بھی وہ آباد تھے، اور ان کی خاص خاص چیزیں عربوں میں رائج اور مشہور ہوگئی تھیں، اور اپنی زندگی میں وہ ان کو برتتے تھے، چنانچہ جاٹوں کے بال ترشوانے کی ایک قسم قلی ہے، جو عربوں میں رائج ہوگئی تھی، لسان العرب اور مجمع البحار میں ہے:

وفي بعض الاخبار فحلق راسه زطية وقيل هو مثل الصليب
كانه فعل الزط. [۵۸]

بعض اخبار میں ہے کہ آپ نے جاٹوں کے طریقہ سے سر منڈایا تھا جس کی
شکل صلیب کے مانند ہوتی ہے جیسا کہ جاٹوں کا طریقہ ہے۔

اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سر منڈایا تھا یا کسی صحابی وغیرہ کا واقعہ ہے، مگر ظاہری الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ ہے۔

جاٹوں کی نسبت سے کپڑے عرب میں مشہور تھے، لسان العرب میں ہے:

الزط جيل اسود من السند اليهم تنسب الثياب الزطية. [۵۹]

جاٹ سندھ کے سیاہ رنگ کے لوگ ہیں انکی طرف ثیاب زطیہ منسوب ہیں۔

---

۵۶ رجال السند والہند ص ۲۷۳ تا ۲۷۵ ذکر ابو سالمہ زطی۔

اس عبارت سے بھی پتہ نہیں چلتا کہ ثیاب زطیہ خاص قسم کے کپڑے تھے جن کو جاٹ تیار کرتے تھے اور عرب کے بازاروں میں فروخت کرتے تھے، یہ پھر یا ان کی ذاتی پوشاک کے کپڑے تھے، جیسے دھوتی وغیرہ۔

جاٹوں کے ذریعہ گانے کے بعض ہندی راگ بھی غالباً قدیم زمانہ سے عربوں میں مشہور تھے اور وہ ان کے ذریعہ ہندی موسیقی سے محظوظ ہوتے تھے، اس کی تصریح اگر چہ اس دور میں نہیں ملتی مگر جاحظ نے کتاب الحیوان میں ایک شاعر کا رجز نقل کیا ہے جس میں اس نے مچھر کی آواز کو جاٹوں کے نغمہ سے تشبیہ دی ہے، اس رجز کا ایک مصرعہ یہ ہے:

اذ تغنین غناء الزط

مچھر جاٹوں کے گانے کی طرح گا رہے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں جاٹوں کا نغمہ بہت مشہور تھا۔

مذکورۂ بالا تصریحات سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں جاٹوں کے اطوار و عادات مشہور تھے، وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے جاٹ عرب میں اپنی ملکی اور قومی خصوصیات قائم رکھنے میں آزاد تھے، اور ان پر عربی زندگی اس طرح مسلط نہیں ہوئی کہ وہ اپنی ہندی زندگی کو بالکل ہی بھول گئے ہوں، یا چھوڑ بیٹھے ہوں، بلکہ انھوں نے عربی زندگی کو اپنے اطوار و عادات سے متاثر کیا۔

جاٹوں کی زبان اور اس کا اثر عربی زبان پر

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جاٹوں نے اپنی ہندوستانی زبان خلافت راشدہ کے زمانہ تک محفوظ رکھی، اور وہ اسی میں گفتگو کرتے تھے، مجمع البحرین میں ہے:

وفی حدیث علی انه لما فرغ من قتال اهل البصرة اتاه سبعون رجلاً من الزط فکلموه بلسانهم فقالوا لعنهم اللہ بل انت، انت.[٦٠]

حضرت علیؓ کے واقعہ میں ہے کہ جب وہ اہل بصرہ سے جنگ کر کے فارغ ہوئے تو ان کی خدمت میں ستر جاٹ حاضر ہوئے اور انھوں نے اپنی زبان میں آپ سے بات کی اور کہا کہ اللہ ان (اہل بصرہ) پر لعنت کرے، کوئی اور

٦٧ مجمع البحار مادہ سبج۔ ٦٨ المسالک والممالک ص ٦٧۔

نہیں بلکہ آپ اور صرف آپ امیر و حاکم ہیں۔

اس کا صریح مطلب یہ ہے کہ بصرہ کے جاٹوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت تک اپنی ملکی اور قومی زبان ہندی کو محفوظ رکھا تھا، اور وہ اسی میں گفتگو کرتے تھے، اور انھوں نے حضرت علیؓ کی خلافت کا اقرار کیا، یہی وجہ ہے کہ عرب کے جن علاقوں میں یہ ہندوستانی آباد تھے، خصوصیت سے بحرین وغیرہ کے ساحلی اطراف میں، وہاں کے عربوں کی زبان ان کی زبان کے اختلاط کی وجہ سے غیر فصیح اور غیر معتبر ہوگئی تھی، چنانچہ قبیلہ بنو عبدالقیس اور ازدِ عمان کی زبان اس لئے غیر مستند قرار پائی کہ وہ لوگ بحرین میں ایرانیوں اور ہندوستانیوں کے اختلاط کی وجہ سے عربیت کا جوہر کھو چکے تھے، یہی حال یمن والوں کا تھا۔

عہد رسالت میں جاٹوں سے مسلمان اچھی طرح واقف تھے، اور ان میں ان کی رنگت، شکل وشباہت اور لباس وہیئت وغیرہ مشہور تھی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہ روایت گذر چکی ہے، جس میں انھوں نے ایک مخلوق کو جاٹوں سے تشبیہ دی ہے اور ان کے لمبے لمبے بالوں اور موٹے تازے جسموں کو خاص طور سے بیان فرمایا ہے۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث معراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جسمانیت میں جاٹوں سے تشبیہ دی ہے، بخاری کی روایت میں ہے:

وأما موسیٰ فآدم سبط کأنه من رجال الزط.[٦١]

موسیٰ گندمی رنگ کے خوش قامت تھے، گویا وہ جاٹوں میں سے تھے۔

اسی طرح جب ۱۰ھ ہجری میں نجران سے بنی حارث بن کعب کے مسلمانوں کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا:

من ھٰؤلاء القوم لذی کأنھم رجال الھند.[٦٢]

یہ کون لوگ ہیں جو ہندوستان کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔

جاٹوں اور عربوں کی باہمی معاشرت

جاٹوں نے اپنی خصوصیت باقی رکھتے ہوئے اپنے کو عربی زندگی سے اس طرح ہم آہنگ کرلیا تھا کہ عربوں کے اجتماعی معاملات میں ان کا ساتھ دیتے تھے، اور مختلف قبائل کے موالی وحلفا بنکر ان کے

---

٦٩ ان تمام اقوال کیلئے لسان العرب ج ۲ ص ۲۹۴ ملاحظہ ہو۔

طرفداروں میں شمار ہوتے تھے، جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ قطیف، ہجر اور خط وغیرہ ساحلی علاقوں کے جاٹ ارتداد کے زمانہ میں حطم بن ضبیعہ کے ساتھ خلافت صدیقی کے خلاف کفار ومشرکین کے ساتھ نکلے تھے، اس طرح یمامہ کی جنگ میں انہی زمانہ میں مسیلمۃ الکذاب کی فوج کے پاس جو ہندی تلواریں تھیں، وہ غالباً بحران ونجد کے جاٹوں ہی کی تھیں۔ بعد میں یہ لوگ بحرین کے مشہور قبیلہ بنو عبدالقیس کے خاص حلیف اور طرفدار بن گئے تھے، غویم بن عبداللہ کا قول ہے:

ویغنی الزط عبدالقیس عنا

وتکفینا الاساورۃ المزونا

ہمارے مقابلے میں عبدالقیس کو جاٹ کافی ہیں اور ہمارے لئے اساورہ کافی ہیں۔

اسی طرح وہ عرب کے مشہور قبیلہ بنو تمیم کے بھی حلیف وہمنوا تھے، اور قبائلی لڑائیوں میں ان کی مدد کرتے تھے۔ ایک شاعر کہتا ہے:

فجئنا بحی وائل وبلفھا

وجاءت تمیم زطھا والاساور [۶۳]

(ہم وائل کے دونوں قبیلوں اور اس کے دوستوں کو لیکر آئے اور بنو تمیم اپنے جاٹوں اور اساورہ کو لیکر آئے)

جاٹوں کی یہ روش عہد اسلام میں بھی قائم رہی اور وہ اسلام لانے کے بعد بھی اپنی پسند سے کسی نہ کسی قبیلہ کے حلیف بن کر ان کے ساتھ رہتے تھے، اور اس کی معیت میں اسلامی غزوات میں شریک ہوتے تھے، چنانچہ ۱۴ھ کے بعد بصرہ کے جاٹ اور سیابجہ بنوحنظلہ کے ساتھ رہتے تھے، اور مشرکین سے جہاد کرنے کے لئے ان کے ساتھ نکلتے تھے۔ [۶۴]

جاٹوں کی مسلمانوں کی باہمی آویزش سے کنارہ کشی

اس سلسلہ میں ایک خاص بات یہ ہے کہ جاٹوں نے بعد میں حتی الامکان غیر جانب داری پر عمل کیا اور کھل کر مسلمانوں اور عربوں کے اندرونی معاملات میں کبھی دخل نہیں دیا، بحرین کے جاٹ حطم بن ضبیعہ کے دباؤ میں آکر عہد صدیقی میں اسلامی فوج کے مقابلے میں ضرور آئے مگر اسلام لانے کے بعد

۶۰ے جمہرۃ اللغۃ ج ۳ ص ۵۰۴ بحوالہ عربوں کی جہاز رانی ص ۱۹۔

انھوں نے اپنی غیر جانبداری کی پالیسی کو برقرار رکھا اور مسلمانوں کے آپس کے معاملات میں شریک نہیں ہوئے، بلاذری کی شہادت ہے:

ولم یشھدو امعھم الجمل وصفین ولا شیئاً من حروبھم۔ [1]

ان لوگوں نے مسلمانوں کے ساتھ نہ جنگ جمل میں نہ جنگ صفین میں اور نہ ہی کسی اور جنگ میں شرکت کی۔

مسلمانوں کی خانہ جنگی میں جاٹوں کی طرفداری

بصرہ کے مسلمان جاٹوں سے یہ شرط کر لی گئی تھی کہ وہ داخلی معاملات میں نہ پڑیں گے اور کسی جماعت مقابلہ میں دوسری جماعت کی مدد نہیں کریں گے۔ لیکن بعد میں حالات کے تقاضے سے ان کو مسلمانوں کی آپس کی لڑائیوں اور تحریکوں میں کسی نہ کسی فریق کا ساتھ دینا پڑا، چنانچہ جمل اور صفین کے بعد یوم مسعود اور یوم زبدہ میں انھوں نے حصہ لیا۔ اور عبدالرحمٰن بن اشعث نے جب بنوامیہ کے خلاف قراء کی جماعت کے ساتھ خروج کیا تو جاٹ اور سیابجہ بھی کھل کر اس میں شریک ہوئے، حجاج بن یوسف نے اس بدعہدی کے جرم میں ان کے مکانات مسمار کرا دیئے، وظیفے بند کر دیئے اور ان کو جلاوطن کر دیا، [2] اس کے بعد جاٹوں کی جمعیت منتشر ہوئی، اور انھوں نے اس کے انتقام میں بصرہ اور بغداد کے اطراف میں بڑی شورش برپا کی اور ان کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔

عہد رسالت میں جاٹوں کے اسلام کی تصریح اب تک ہم کو نہیں مل سکی اور نہ یہ پتہ چل سکا کہ ان کی کوئی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام لائی تھی، مگر یہ قطعی ہے کہ عہد رسالت میں یمن اور بحرین کے حدود کے بعض جاٹ مسلمان ہوتے تھے، چنانچہ حضرت بیرزطن ہندی یمنی جو عہد رسالت میں اسلام لائے غالباً جاٹ نسل سے تھے، البتہ عہد فاروقی میں جب ۱۴ھ میں بصرہ آباد کیا گیا تو یہاں مسلمان جاٹوں کی بڑی تعداد موجود تھی، جو بنوحنظلہ کے ساتھ رہتی تھی، اور جب ایران کے اساورہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لائے تو وہ بصرہ میں ان ہی مسلمان جاٹوں اور سیابجہ کے ساتھ رہنے لگے، مگر جب ان ایرانی اور ہندوستانی مسلمانوں کی بڑی تعداد اکٹھا ہوگئی تو بنوتمیم نے ان کو اپنی طرف کھینچا اور اساورہ بنوسعد کے یہاں چلے گئے اور جاٹ اور سیابجہ بنوحنظلہ سے مل گئے۔

---

[1] کتاب البلدان ص ۳۶۵۔ [2] المنجد طبع جدید ص ۶۵۶۔

جاٹوں کی سرکشی اور غارت گری

بعد میں حجاج بن یوسف نے سنگلاخ سے جاٹوں کو اور دوسری قوموں کو ان کے بال بچوں سمیت بلا کر مقام کسکر کے نشیبی سنگلاخ حصہ میں آباد کیا، جنھوں نے یہاں اچھی خاصی طاقت جمع کر لی اتفاق سے اسی زمانہ میں بہت سے غلاموں اور بنو باہلہ کے موالی اور محمد بن سلیمان بن علی کے ننہال کے لوگوں نے بھاگ کر یہاں پناہ لی اور ڈاکہ زنی اور حکومت کی خلاف ورزی شروع کر دی، اس سے پہلے بھی یہ جاٹ کشتیوں کو لوٹ لیتے تھے، پھر رفتہ رفتہ ان کی جمعیت کے ساتھ ان کی جرأت وطاقت بھی بڑھتی گئی، یہاں تک کہ مامون کے زمانہ میں انھوں نے بصرہ کا تمام نشیبی علاقہ اپنے قبضہ میں کر لیا، اور بصرہ سے جو کشتی اور جہاز بغداد جاتا اس کو لوٹ لیتے، جس سے بغداد اور مصر کے درمیان بحری سفر اور حمل ونقل کا سلسلہ بند ہو گیا، اور اس کا سلسلہ عرصہ تک جاری رہا، خلیفہ معتصم نے اپنے زمانہ میں ان جاٹوں کے خلاف فوجی کارروائی کی اور ان کی سرکوبی کے لئے خراسان کے ایک فوجی افسر عجیف (بن عنبسہ) کی سرکردگی میں فوج روانہ کی عجیف بن عنبسہ کو پورا اختیار دیا کہ اس مہم میں جتنا بھی صرف ہو بے تکلف خرچ کیا جائے عجیف نے بڑے اہتمام سے جاٹوں کا مقابلہ کیا اور ان کو شکست دی اور گرفتار کر کے بغداد لایا۔ ان میں کچھ لوگوں کو خانقین میں رکھا گیا اور زیادہ تعداد عین زربہ اور دوسری سرحدوں کی طرف بھیج دی گئی۔

ابن اثیر کا بیان ہے کہ بحرین کے علاقہ حظ میں جاٹ اور سیابجہ آباد تھے، مامون نے ۲۰۵ھ میں ان سے جنگ کرنے کے لئے عیسیٰ بن یزید جلودی کو پھر ۲۰۶ھ میں داؤد بن ماسحور کو متعین کیا، اس کے بعد ۲۱۹ھ میں عجیف بن عنبسہ نے ان کو زیر کیا۔

مسعودی نے کتاب التنبیہ والاشراف میں لکھا ہے کہ معتصم کے زمانہ میں ہندوستان کے بہت سے جہاز گرفتار کئے گئے، ان میں ایک بہت بڑی جمعیت تھی جو ساحل فارس، عمان اور بصرہ اور واسط کے درمیانی علاقہ میں ڈاکہ زنی اور قتل وخونریزی کیا کرتے تھے، ہندوستان کے قحط اور گرانی کی وجہ سے یہ لوگ بہت بڑی تعداد میں نقل مکان کر کے کرمان، فارس اور اہواز کے علاقہ میں آ کر آباد ہو گئے، اور ان کو یہاں غلبہ حاصل ہو گیا، معتصم نے ان کو وہاں سے نکال کر خانقین اور جلولاء میں اور شام کے شہر

۲۳ے نبذ من کتاب الخراج وصنعۃ الکتاب ملحقہ مسالک الممالک ص ۲۶۰۔

عین زربیہ میں آباد کیا، اسی کے بعد سے ملک شام میں بھینسوں کا رواج ہوا، اس سے پہلے وہاں کے لوگوں نے بھینس نہیں دیکھی تھی۔ [۶۷]

یہ ہے ہندوستان کے ان جاٹوں کی مختصر تاریخ جو قدیم زمانہ سے عرب میں آباد تھے، اور اسلامی دور میں انھوں نے بصرہ اور بغداد کے درمیان اپنی ایک آزاد ریاست قائم کرنے کی کوشش کی اور خلافت اموی اور خلافت عباسی میں بڑی شورش برپا کی تھی، اس لئے حکومت کو ان کا استیصال کرنا پڑا۔

جاٹوں میں بعض بڑی اور مشہور شخصیتیں بھی گذری ہیں، مثلاً ابو سالمہ زطی، یہ حضرت علیؓ کی طرف سے بصرہ میں آباد سیابجہ کے حاکم مقرر کئے گئے تھے، نہایت صالح اور نیک بزرگ تھے، محمد بن عثمان زطی بصری کو جاٹوں نے اپنے غلبہ وفتنہ کے زمانہ میں اپنا حاکم بنایا تھا، اسی زمانہ میں انھوں نے سماق زطی نامی ایک شخص کو بھی اپنا امیر بنایا تھا، ان کے تفصیلی حالات کے لئے تاریخ ابن خلدون یا رجال السند والہند ملاحظہ ہو۔

ہند کی ایک جماعت عرب میں

مید

ہندوستان کی ایک اور جماعت بھی قدیم زمانہ سے عرب میں پائی جاتی تھی، اس کو عرب ''مید'' کہتے ہیں، ایرانیوں کے توسط سے جو مید عرب میں گئے ان کی حیثیت شاہی فوج اور ایرانی لشکر کے سپاہی کی تھی، اور جنھوں نے بطور خود عرب میں بودوباش اختیار کی ان کو عرب مید یعنی ڈاکو اور بحری آفت کے نام سے موسوم کرتے تھے، کیوں کہ یہ لوگ عربوں کے جہازوں اور کشتیوں کو لوٹ لیتے تھے، اور تجارتی کاروبار میں بڑی تباہی برپا کرتے تھے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ کا بیان ہے کہ شاہان ایران نے سندھ اور بلوچستان پر قدیم زمانہ سے قبضہ کر کے یہاں کے جاٹ اور مید دو قوموں کو اپنی فوج میں رکھا تھا، اور وہ ان سے اپنی حکومت کے قیام وبقا میں کام لیتے تھے۔

---

۶۴ ایضاً ص ۴۳، ۴۵، و ۵۸۔ ۶۵ فتوح البلدان ص ۳۶۷۔

ہند کی ایک دوسری قوم عرب میں

سیابجہ یا سبابجہ

جاٹ اور مید کے بعد ہندستان کی ایک اور قوم عرب میں قدیم زمانہ سے پائی جاتی ہے، وہ سیابجہ (بالیا) یا سبابجہ (بالبا) ہے، بلاذری نے فتوح البلدان میں، اور ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں، بار بار سیابجہ استعمال کیا ہے، ہم نے بھی رجال السند والہند میں عام مورخوں کے بیان کے مطابق سیابجہ ہی لکھا ہے، مگر اس کے مقابلے میں ابن فقیہ ہمدانی نے کتاب البلدان میں، ابن درید نے جمہرۃ اللغۃ میں اور ابن منظور افریقی نے لسان العرب میں ''سبابجہ'' (جمع سبیجی یا سابج) بتایا ہے۔

سیابجہ کی تحقیق

علامہ سید سلیمان ندوی نے ''عرب و ہند کے تعلقات'' میں جگہ جگہ سیابجہ (معرب سیاہ بچہ) درج فرمایا ہے، مگر عربوں کی جہاز رانی میں ابن درید کی کتاب جمہرۃ اللغۃ سے سابجہ نقل کر کے لکھا ہے کہ:

''سابجہ کی ہندی اصل معلوم نہیں'' (ص ۱۹)

جو مورخین اسے سبابجہ بتاتے ہیں ان کے نزدیک اساورہ جمع اسوار، احامرہ جمع احمر، بیاسرہ جمع، بیسر وغیرہ کی طرح یہ بھی سبیجی یا سابج کی جمع ہے، عربی میں لفظ سبیج بروزن رغیف فارسی کے لفظ سپیگ کا معرب ہے جس کے معنی قمیص کے ہیں، اس کی تصغیر سبیج ہے، محمد طاہر گجراتی نے لکھا ہے:

هو ثوب صوف اسود.[۶۸]

یہ اون کا سیاہ کپڑا ہوتا ہے۔

لفظ ''سبج'' کے قریب قریب یہی معنی ابن خرداذبہ نے گینڈے کی سینگ کو بیان کرتے ہوئے لئے ہیں:

فيه صورة من اول القرن الى آخره فاذ اشق رأيت الصورة بيضاء في سواد كالسبج في صورة انسان اودابة، اوسمكة اوطاوس اوغيره من الطير.[۶۹]

---

۶۷ تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۵۵، وکامل ابن اثیر ج ۱ ص ۱۴۱۔

اس کی سینگ میں شروع سے آخر تک صورت ہوتی ہے، جب وہ کاٹی جاتی ہے تو اس کے اندر سیاہ رنگ میں سفید صورت نظر آتی ہے، ہیج کے مانند، یہ صورت انسان، چوپایہ، مچھلی، مور وغیرہ کی ہوتی ہے۔

سبجہ کے معنی سیاہ کمبل اور تسبج کے معنی سیاہ کمبل پہننے کے ہیں، ہمارا خیال ہے کہ اگر لفظ سابجہ، سیجی یا سابج کی جمع ہے تو اسی سے مشتق ہے، کیونکہ یہ لوگ عرب میں جا کر کشتیوں اور جہازوں کی بحری ڈاکوؤں سے حفاظت کا پیشہ کرتے تھے، اور ضرورت کے وقت ان سے جنگ کرتے تھے، بعد میں جیل خانے وغیرہ کے محافظ بھی ہوا کرتے تھے، اس لئے یہ لوگ سردی، پانی، اور موج وغیرہ سے بچنے کے عام طور سے سیاہ کمبل استعمال کرتے تھے، اس سے دشمنوں کے مقابلہ کی صورت میں جسم کی حفاظت بھی ہوتی تھی۔

لسان العرب میں سبابجہ کا بیان اس طرح ہے:

والسبابجة قوم ذوو جلد من السند والهند، يكونون مع رئيس السفينة البحرية يبدر قونها واحدهم سبيجى، ودخلت في جمعه الهاء للعجمة والنسبة كما قالوا البرابرة، وربما قالوا السابج.

سبابجہ سندھ اور ہند کے قوی اور بہادر لوگ ہیں، جو سمندری کشتی کے مالک کے ساتھ رہتے ہیں، اور اس کی حفاظت کر کے سمندری لٹیروں سے بچاتے ہیں، اس لفظ کا واحد سیجی ہے اور اس کی جمع میں عجمیت اور نسبت کی وجہ سے حرف ہاء داخل کر دیا گیا ہے، جیسے برابرہ جمع بربر میں ہے اور واحد کے لئے سابج بھی استعمال کرتے ہیں۔

اس میں سبابجہ کو سندھ اور ہند کی ایک قوی ہیکل اور ڈیل ڈول والی قوم بتایا گیا ہے جو بحری سفر میں محافظ فوج کی طرح رہا کرتی تھی، اور یہ لوگ عرب میں اسی کو ذریعہ معاش بنائے ہوئے تھے، ابن السکیت کا بیان ہے:

السبابجة قوم من السند يستاجرون ليقا تلوا فيكونون كا

---

۷۷ فتوح البلدان ص ۳۶۸۔ ۷۸ فتوح البلدان ص ۳۶۶ تا ۳۶۹ ملخص۔

لمیدزقة

سبابجہ سندھ کی ایک قوم ہے، ان کو مقابلہ کے لئے اجرت پر جہازوں اور کشتیوں پر ملازم رکھا جاتا ہے اور وہ محافظ ونگراں کی حیثیت سے رہتے ہیں۔

امام لغت جوہری نے لکھا ہے:

السبابجة قوم من السند كانوا بالبصرة جلاوزة وحراس السجن۔ [۱]

سبابجہ سندھ کی ایک قوم ہے جو بصرہ میں تعینات تھی، اور قیدخانوں کی محافظ تھی۔

مشہور قدیم لغوی ابن درید نے جمہرۃ اللغۃ میں لکھا ہے:

السابجة قوم من الهند يستاجرون للقتال في السفن۔ [۱]

سابجہ ہندوستان کی ایک قوم ہے جن کو لڑنے کے لئے جہازوں اور کشتیوں میں اجرت پر رکھا جاتا تھا۔

ابن فقیہ ہمدانی نے کتاب البلدان میں لکھا ہے:

وعلوج السند السبابجة۔ [۲]

سندھ کے چودھری اور حاکم کو سبابجہ کہتے ہیں۔

ان بیانات سے سبابجہ کے بارے میں اجمالی طور سے یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں کہ وہ سندھ اور ہندوستان کے باشندے تھے، عرب کے ساحلی مقامات پر سکونت کر کے کشتیوں اور جہازوں پر ملازمت کرتے تھے اور بحری ڈاکوؤں سے بوقت ضرورت لڑتے تھے، بعد میں جب بصرہ آباد ہوا تو یہ لوگ یہاں کے جیل خانہ وغیرہ کے بھی نگراں مقرر کئے گئے۔

المنجد والے کی غلطی

ان قدیم اور مستند اقوال وتصریحات کے باوجود معلوم نہیں کن معلومات کی بنا پر المنجد کے نئے انسائیکلوپیڈیا میں سبابجہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ انڈونیشیا کے باشندے تھے، اور ۲۳۸ھ میں مسلمان

---

۹ مروج الذہب برحاشیہ کامل ابن اثیر ج ۵ ص ۴۔

ہوئے:

قوم قطنو اقبل الاسلام فی سواحل خليج العجم، اصلهم من جزيره سوما ترا، اعتنقوا الاسلام ٢٢٨، وتجندوا في جيشه، أقيموا حرسة على خزينة البصرة.[۳]

سیابجہ ایک قوم ہے جو قبل اسلام خلیج فارس کے سواحل میں آباد تھی، اس کی اصل جزیرۂ ساترا سے ہے، یہ لوگ ۲۲۸ھ میں مسلمان ہوئے اور اسلام فوج میں شامل ہوگئے نیز یہی لوگ بصرہ کے بیت المال کے محافظ مقرر کئے گئے۔

واقعہ یہ ہے کہ سیابجہ خالص ہندوستانی تھے، ان کو ساترا اور انڈونیشیا سے کوئی تعلق نہیں تھا، اور ان کے مسلمان ہونے کے بارے میں ۲۲۸ھ کی تعیین کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

سیابجہ ایران میں

عرب سے پہلے ایران میں سیابجہ کا نشان ملتا ہے، اور جاٹوں کی طرح ان کے ایران میں آنے، جانے اور رہنے کی تصریح ملتی ہے، ابوالفرج قدامہ بن جعفر بغدادی نے کتاب الخراج وصنعۃ الکتابۃ میں لکھا ہے کہ انوشیرواں بن قباد نے ایران کی حکومت سنبھالنے کے بعد تین شہر آباد کئے، شہر شابران، شہر مسقط اور باب الابواب، پھر لکھا ہے کہ:

وأسكن مابنى من جنده قوما سماهم السيا سجيين.[۴]

اور اس نے اپنے آباد کئے ہوئے شہروں میں اپنی فوج کی ایک جماعت کو رکھا جن کو سیاسجیین کے نام سے یاد کیا۔

سیاسجیین، سیابجہ اور سبابجہ میں بظاہر کوئی جوڑ نہیں معلوم ہوتا، مگر ممکن ہے سندھ اور ہندوستان کی یہی قوم ان نئے شہروں میں محافظ اور نگراں کی حیثیت سے رکھی گئی ہو، جو ان میں امن وامان کے قیام کے ساتھ ساتھ چوروں، ڈاکوؤں سے بھی ان کی حفاظت کرتی رہی ہو، اور سیاسجیین کے لقب سے یاد کیا جاتا رہا ہو، پھر یہی لفظ معرب ہو کر سبابجہ یا سیابجہ بن گیا ہو، خاص طور سے ایسی صورت میں جبکہ سندھ کے سیابجہ ایرانیوں کی فوج میں شامل بھی تھے، اس کا بیان آرہا ہے۔

۸۰ عرب وہند کے تعلقات ص ۲۳۰ و ۲۳۱ بحوالہ الملل والنحل شہرستانی برحاشیہ الملل والنحل ابن حزم ج ۲ ص ۲۴۲۔

قدیم ایران میں سیاہ جرد، سیاہ مص اور سیاہ نام کی بستیوں کا تذکرہ کتابوں میں آتا ہے [۸۵] مگر ان کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کس جگہ کے کالی نسل کے لوگوں کی بستیاں تھیں، مگر قیاس ہوتا ہے کہ ان میں ہندوستان کے سیاہ رنگ کے لوگ اکثریت میں آباد رہے ہوں گے جن میں جاٹ اور سیابجہ سب ہی شامل ہوں گے۔

سیابجہ عرب میں

یوں تو سیابجہ خلیج عرب کے ساحلی مقامات پر عام طور سے عہد رسالت اور اس کے بھی پہلے سے موجود تھے، مگر ابلہ جہاں بعد میں بصرہ آباد ہوا اور بحرین ان کے خاص مرکز تھے، بصرہ کے جاٹوں اور سیابجہ کے متعلق بلاذری کی یہ روایت گذر چکی ہے۔

فانضم الی الاساورة السیابجة و کانو اقبل الاسلام بالسواحل و کذالک الزط و کانوا بالطفوف یتبعون الکلا [۸۶]

سیاہ اسواری اپنے آدمیوں سمیت اساورہ سیابجہ میں مل گیا یہ لوگ اسلام سے پہلے سواحل میں آباد تھے، اسی طرح جاٹ بھی تھے، جو سواحل میں چارے کی تلاش میں پھرا کرتے تھے۔

یہاں پر طفوف وسواحل سے مراد بحرین اور عمان کے ساحلی مقامات اور بستیاں ہیں جن میں قطیف، ہجر، دارین، خط، قطر وغیرہ شامل تھے، اوپر گذر چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد عہد صدیقی کے شروع ہوتے ہی، جب بحرین میں ارتداد کا فتنہ کھڑا ہوا تو کفار و مشرکین بھی حطم بن ضبیعہ کی سرکردگی میں اسلام کے خلاف اٹھے، جس میں جاٹوں کی طرح سیابجہ بھی گمراہ کر کے شامل کئے گئے:

حتی نزلها لقطیف وهجر واستغوی الخط ومن فیهامن الزط والسیابجة [۸۷]

حطم اپنی فوج لیکر قطیف اور ہجر آیا اور خط کی آبادی اور وہاں کے آباد جاٹوں اور سیابجہ کو بہکا کر اپنے ساتھ کرلیا۔

سیابجہ کے ان دو مرکزوں کے علاوہ ان کی کسی بڑی آبادی کا پتہ نہیں چلتا، لیکن ظاہر ہے کہ یہ لوگ

---

۸۱ لسان العرب مادہ جمرج ج ۳ ص ۲۱۰۔ ۸۲ لسان العرب مادہ سورج ج ۳ ص ۲۸۸۔

منتشر طریقہ پر عرب موجود رہے ہوں گے۔

سیابجہ ایرانی افواج میں

اگر چہ سیابجہ کے بارے میں عام طور سے مورخوں نے بھی یہی لکھا ہے کہ وہ کشتیوں اور جہازوں کی حفاظت کے لئے ملازم رکھے جاتے تھے، لیکن اسی کے ساتھ وہ جاٹوں کی طرح ایرانیوں کی فوج میں شامل بھی تھے اور سندھ کی ایرانی فوجوں میں ان کا شمار تھا اور بیگار کے طور پر ان کو معمولی سی تنخواہ دی جاتی تھی، جیسا کہ علامہ بلاذری کا یہ بیان گذر چکا ہے۔

واما السيابجة والزط والاندغار فانهم كانوا في جند الفرس ممن سبوه وفرضوا له من اهل السند.[۸۳]

سیابجہ، زط اور اندغار ایرانیوں کی اس فوج میں تھے جسے انھوں نے گرفتار کر کے سندھیوں میں شمار کیا، اور ان ہی کی سطح پر رکھا۔

اندغار ایک قوم تھی جو سجستان سے متصل کرمان کے اطراف میں رہتی تھی۔

سیابجہ عربی معاشرہ میں

قدیم زمانہ سے سیابجہ کے عرب میں اچھی خاصی تعداد میں ہونے اور عربی زندگی میں اپنی جگہ لینے کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ عربی ادبیات میں ان کا تذکرہ پایا جاتا ہے، اور عربی شاعری نے ان کو اپنی تاریخ میں جگہ دی ہے، چنانچہ یزید بن مفرغ حمیری نے کہا ہے:

وطماطم من سيابيج خزرٍ
يلبسوني مع الصباح القيودا

(سیابیج کی محفوظ فوجیں مجھ کو صبح کے وقت بیڑیاں پہنا رہی ہیں۔)

اسی طرح ایک اور شاعر ہمیان نے کہا ہے:

لو لقي الفيل بارض سائبجا
لدق منه العنق والدوارجا

(اگر ہاتھی کا کسی جگہ سائبج سے پالا پڑ جائے تو سائبج اس کی گردن اور ہڈی

---

۸۳ کتاب الانساب ج ا ص ۲۱۔ ۸۴ کتاب الاضداد ص ۹۲ طبع کویت۔

پسلی کو توڑ دے گا)

سیابجہ عہد اسلام میں

سیابجہ عہد رسالت کے پہلے سے عرب میں موجود تھے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کے مسلمان ہونے کی تصریح ہم کو نہیں مل سکی، البتہ عہد فاروقی میں یا اس سے پہلے بصرہ اور اس کے اطراف کے سیابجہ بھی جاٹوں کی طرح مسلمان تھے، اور جب حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے ہاتھ پر ایران کے اساورہ مسلمان ہو کر بصرہ میں آباد ہونے کے لئے آئے تو ان ہی اساورہ اور سیابجہ کے یہاں اترے جو پہلے مسلمان ہو چکے تھے، اور جب جاٹ، سیابجہ اور اساورہ یکجا ہو گئے تو عرب کے قبائل نے ان کو اپنی اپنی طرف کھینچا جس کے نتیجہ میں اساورہ قبیلہ بنی سعد سے مل گئے، اور جاٹ اور سیابجہ بنو حنظلہ میں چلے گئے، اور ہندوستان کی یہ دونوں قومیں مسلمانوں کے داخلی جھگڑوں سے الگ رہ کر اسلام کی سربلندی کے لئے کفار و مشرکین سے جنگ کرنے میں مسلمانوں کا ساتھ دینے لگیں، جیسا کہ جاٹوں کے بیان میں گذر چکا ہے۔

سیابجہ کا بے رحمانہ قتل

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بصرہ کے بیت المال کی حفاظت کے لئے سیابجہ کی ایک جماعت تعینات رہتی تھی، ایک قول کے مطابق ان کی تعداد چالیس تھی، اور ایک روایت کے مطابق ان کی تعداد چار سو، اس وقت حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت عثمان بن حنیف انصاری رضی اللہ عنہ بصرہ آئے اور بصرہ کے بیت المال پر قبضہ کرنا چاہا مگر ان کے نگران و محافظ سیابجہ نے حضرت علیؓ کے آنے تک بیت المال کو ان کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا، جس کے نتیجہ میں وہ سب کے سب ایک رات صبح ہوتے ہوئے قتل کر دیئے گئے، اس وقت سیابجہ کا افسر اعلیٰ ابوسالمہ زطی (جاٹ) تھا، جو بہت نیک شریف و صالح آدمی تھا، بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہندوستان کے قدیم جاٹوں اور سیابجہ کی ایک بڑی جماعت کو بصرہ سے شام اور انطاکیہ کے سواحل میں منتقل کر کے وہاں آباد کیا، یہ پوری تفصیل علامہ بلاذری نے ''امر الاساورۃ والزط'' کے ماتحت درج کی ہے۔[۸۷]

---

۸۵ کنز العمال ج ۸ ص ۲۰۔ ۸۶ الادب المفرد ص ۱۱۲ طبع تازیہ مصر۔

عرب میں ہند کی تیسری قوم

احامرہ

عرب میں ہندوستان کی ایک اور جماعت زمانہ قدیم سے آباد تھی، جسے عرب حمراء، حمر، احامر اور احامرہ کے لقب سے یاد کرتے تھے، اور اس کے ایک فرد کو احمر اور محمرہ کہتے تھے، جس کا ترجمہ ہم سرخ پوش یا سرخے کر سکتے ہیں، قدیم احامرہ میں صرف ہندوستانی شامل تھے، اور بعد میں فارس کے ان موالی کو بنی حمراء اور احامرہ کہنے لگے تھے، جو عہد فاروقی میں اسلام لائے مگر ان کو عام طور سے حمراء دیلم کی نسبت سے یاد کرتے تھے، قدیم احامرہ سندھ کے رہنے والے تھے، ان کا قدیم نشان ہم کو مسعودی کی مروج الذہب میں ملتا ہے مسعودی نے بوداسف (گوتم بدھ) کے ہندوستان میں ظہور اور دعوت کے سلسلے میں ایک جگہ لکھا ہے:

وقیل ذالک فی حمر السند۔ [80]

اور یہ بات سندھ کے حمر (سرخوں) کے بارے میں کہی گئی ہے۔

نیز علامہ سید سلیمان ندویؒ الملل والنحل شہرستانی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"بودھوں کا ایک تیسرا نام عربی کتابوں میں محمرہ ہے، یعنی سرخ کپڑے والے جس سے مقصود شاید گروا رنگ ہو، یا زعفرانی، یہ رنگ ان کے مذہبی پیشواؤں کی پہچان تھی۔" [81]

احامرہ کی تحقیق

لسان العرب میں ہے:

والعرب تسمی الموالی الحمراء والاحامرۃ قوم من العجم نزلو االبصرۃ۔ [82]

عرب اپنے موالی کو حمراء کہتے ہیں اور احامرہ عجم کی ایک قوم ہے جو بصرہ میں آباد ہوئی۔

---

۸۷ لسان العرب ج ۷ ص ؟؟؟ ۸۸ کتاب المعارف طبع مصر ص ۲۹۰۔

اور اسی میں اساورہ کے بیان میں احامرہ کے بارے میں لکھا ہے:

والاساورة من العجم بالبصرة نزلولها قديما كالاحامرة بالكوفة.[۸۳]

اساورہ عجم کی قوم ہے جو قدیم زمانہ میں بصرہ میں آباد ہوئی، جیسے احامرہ کوفہ میں آباد ہوئے۔

علامہ سمعانی نے ان کو قبیلہ ازد کی شاخ ہونے کا گمان ظاہر کیا ہے چنانچہ کتاب الانساب میں لکھا ہے۔

الاحمر هذه النسبة الى الاحمر وظنى انه بطن من الازد.[۸۴]

احمر کی نسبت سرخ رنگ کی طرف ہے، میرے خیال میں احمر قبیلہ ازد کی ایک شاخ ہے۔

اس میں شک نہیں کہ عرب کے قدیم احامرہ ہندوستان کے باشندے تھے، اور عربی قبائل کے حلیف اور مولی بنکر ان کے ساتھ رہتے تھے، ہوسکتا ہے کہ قبیلہ ازد کی کوئی شاخ بھی احمر نامی ہو۔
اس کے بھی شواہد موجود ہیں کہ خود عربوں میں کچھ سرخ کپڑے پہننے والے احمر کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے، حمیری زبان میں حَمَّرَ کے معنی حمیری زبان میں بات کرنے اور سرخ کپڑے پہننے کے آتے ہیں، ابن الانباری نے کتاب الاضداد فی اللغۃ میں لفظوثب پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ صنفار کے ملوک حمیر کے یہاں ایک آدمی آیا، بادشاہ نے کہا کہ من دخل صنفار حَمَّرَ پھر اس جملہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے:

اى تكلم بلسان حمير، وقال بعضهم معنى حمر تزيأ بزيهم وليس الحمر من الثياب.[۸۵]

یعنی حمیر کی زبان میں بات کرنے لگتا ہے، اور بعض اہل لغت کا قول ہے کہ حمر کا مطلب یہ ہے کہ حمیر کی ہیئت اختیار کرتا ہے اور سرخ کپڑا پہنتا ہے۔

احامرہ اور غزوۂ تبوک

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں یہ ہندوستانی سرخے مدینہ اور شام کے درمیان آباد بنوغفار کے حلیف بنکر بڑی تعداد میں موجود تھے، اور غزوۂ تبوک کے موقع پر بنوغفار کی

۸۹ فتوح البلدان ص ۳۶۷۔ ۹۰ فتوح البلدان ص ۳۶۷۔

معیت میں اسلامی جہاد میں شریک نہیں ہوئے، چنانچہ امام بخاری نے الادب المفرد میں غزوۂ تبوک کے سلسلے میں ایک طویل روایت نقل کی ہے، جس میں راستہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابورہمؓ کی ملاقات اور گفتگو کا تذکرہ ہے، اس روایت کا آخری حصہ حضرت ابورہمؓ کی زبانی یہ ہے:

فطفق رسول الله صلى الله عليه وسلم يسألني عن من تخلف من بني غفار وهو يسألني فقال مافعل النفر الحمرا لطوال الثط، قال فحدثته بتخلفهم قال فما فعل السود الجعا والقصار، الذين لهم نعم بشبكة شرخ الخ.[۸۶]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی غفار کے ان لوگوں کے بارے میں مجھ سے سوال فرمانے لگے جو غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے، چنانچہ آپؐ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ لمبے چوڑے پیٹ والے سرخوں کا کیا حال ہے؟ میں نے بتایا کہ وہ شریک نہیں ہوئے، پھر آپؐ نے فرمایا کہ گھونگھر الیے بال والے کالے لوگوں (غالباً حبشی) کا کیا معاملہ رہا، جن کے جانور مقام شبکہ شرخ میں ہیں۔

لسان العرب میں "مادہ ثطط" میں اس حدیث کا ایک ٹکڑا یوں درج ہے:

فقال ما فعل النضرا لحمر الثطاط ...... وروى هذ الحديث ما فعل الحمر النطاط.[۸۷]

آپؐ نے النضر الحمر الثطاط فرمایا...... اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے الحمر النطاط فرمایا۔

ثط جس کی جمع ثطاط ہے، بڑے پیٹ والے سست آدمی کو کہتے ہیں، اور اس آدمی کو بھی کہتے ہیں جو کوسج ہو، جس کے چہرے پر بال نہ ہوں یا کم ہوں، اور نط ، نطناط کی جمع ہے جس کے معنی طویل کے ہیں۔

ہمارا خیال ہے کہ النفر الحمر الطوال الثط سے مراد بنوغفار کے ہندوستانی موالی (احامرہ) ہیں اور السود الجعاد القصار سے مراد بنو اسلم کے حبشی موالی ہیں، جیسا کہ ابورہم کی اسی روایت میں ہے کہ میں نے

---

۹۱ ایضاً ۳۶۸۔ ۹۲ فتوح البلدان ص ۳۱۷۔ ۹۳ ایضاً ص ۳۶۷۔

ان کے متعلق سوچا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ لوگ تو اسلم سے ہیں، علمائے فن کو اس کی مزید تحقیق کرنی چاہیے، ہم نے ظاہری الفاظ و بیان سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔

عرب میں ہند کی چوتھی قوم

اساورہ ایرانی فوج میں

بہرام جور نے ہندوستان کے اساورہ کو لیکر بڑی حکمت عملی سے مقابلہ کیا اور اسے شکست دی:

فركب بهرام في سلاحه، وقال لاساورة الهند احرسوا الظهري ثم انظروا الىٰ عملي فيما أمامي و كانوا اقوماً لايحسنون الرمي واكثر هم رجالة.[۸۸]

بہرام اسلحہ پہنکر نکلا، اور ہندوستان کے اساورہ سے کہا کہ تم میرے پیچھے پہرہ دو پھر سامنے میرا کارنامہ دیکھو، یہ لوگ اچھی طرح تیر اندازی نہیں کر سکتے تھے، اور ان میں اکثر پا پیادہ تھے۔

بلکہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سیابجہ جو خالص ہندوستانی تھے، وہ اساورہ کے نام سے بھی یاد کئے جاتے تھے، چنانچہ شیرویہ اسواری کے مسلمان ہونے کے سلسلے میں علامہ بلاذریؒ کا یہ قول گزر چکا ہے کہ:

فانضم الىٰ الاساورة السيابجة.

وہ بصرہ کے اساورہ سیابجہ سے مل گیا۔

ان شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ اساورہ میں ہندوستانیوں کی تعداد کافی تھی، مگر ایرانیوں کے غلبہ کی وجہ سے ہم ان کو شناخت نہیں کر سکتے، پھر اساورہ اور خالص ہندوستانی زط اور سیابجہ میں ذہن و فکر اور معاشرت کے اعتبار سے بڑی حد تک یکسانیت تھی، اور یہ تینوں جماعتیں ایک ہی درخت کی شاخیں معلوم ہوتی تھیں، چنانچہ یہ تینوں قومیں اسلام لانے کے بعد بھی ایک دوسری سے اس طرح مل کر رہیں کہ ان کی وحدت قائم رہی۔

---

۹۴ لسان العرب ج ۴ ص ۳۸۸۔ ۹۵ تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۵۰۔

عہد فاروقی میں اساورہ کا اسلام لانا

عہد فاروقی میں جب عجمیوں کی شوکت ختم ہوئی تو قومیں اسلام میں داخل ہونے لگیں، اور اجتماعی زندگی بسر کرنے کے لئے ایک ساتھ ہو گئیں، بلاذریؒ کی ایک روایت میں ہے کہ اساورہ مسلمان ہونے کے بعد بصرہ کے سیابجہ اور جاٹوں کے ساتھ مل گئے، مگر بعد میں عرب قبائل نے ان کو الگ کر کے اپنے ساتھ لے لیا اور ان کی جمعیت ختم کر دی:

> فلما اجتمعت الاساورة والزط والسيابجة تناز عتهم بنو تميم فرغبوا فيهم فصارت الاساورة في بني سعد والزط والسيابجة في بني حنظلة.[۸۹]
>
> جب اساورہ اور جاٹ اور سیابجہ یکجا ہو گئے تو بنو تمیم نے ان کو اپنی طرف کھینچا جس کے نتیجہ میں اساورہ بنی سعد میں مل گئے اور جاٹ اور سیابجہ بنی حنظلہ کے ساتھ ہو گئے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیابجہ، جاٹ اور ویلم تینوں فارس کی فوج میں تھے جن کو ایرانیوں نے قید کر کے اور اہل سند کے زمرہ میں شامل کر کے ان کا وظیفہ مقرر کیا تھا۔

> فلما سمعو ابما كان من امر الاساورة اسلموا و اتو اباموسى فانزلهم البصرة كما انزل الاساورة.[۹۰]
>
> جب ان لوگوں نے اساورہ کا حال سنا تو وہ بھی مسلمان ہو کر ابو موسیٰ کے پاس آئے ابوموسیٰ نے اساورہ کی طرح ان کو بھی بصرہ میں آباد کیا۔

ان تینوں قوموں نے اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کے داخلی معاملات سے الگ رہنے کا عہد و پیمان کیا تھا، اور مدتوں اس معاہدہ پر کاربند رہ کر جنگ جمل و صفین وغیرہ سے الگ رہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خالص ہندوستانی نسل کے سیابجہ، جاٹوں اور اساورہ میں ہر اعتبار سے بڑی، ہم آہنگی تھی، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب قومیں ایک ملک ہی کی رہنے والی ہیں، اس کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ اساورہ میں بھی ہندوستان کے سپاہیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

جیسا کہ معلوم ہوا، اساورہ ایرانی حکومت کے لئے قوت بازو تھے، اور پوری مملکت میں امن

---

۹۶ کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۸۹۔ ۹۷ کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۲۷۔

واماں کا قیام، حکومت کی نگہداشت اور حکمرانی ان ہی کے بل بوتے پر ہوتی تھی، خود فارس کے شہروں میں بھی اساورہ کی جماعت ہوا کرتی تھی، چنانچہ مسلمانوں سے پہلے ایران کے حصن قزوین میں اساورہ کی بڑی جمعیت قلعہ کی حفاظت پر مامور تھی، اور ان کا مقابلہ دیلم والوں سے رہا کرتا تھا، جب ان سے صلح رہتی تھی تو پھر یہ لوگ چوروں، ڈاکوؤں سے شہر قزوین کی حفاظت کرتے تھے، بلاذری کا بیان ہے:

ولم یزل فیه لاهل فارس مقاتلة من الاساورة یرابطون فیه فیدعون الدیلم اذا لم یکن بینهم هدنة ویحفظون بلدهم من متلصصهم وغیر هم اذاجری بینهم صلح.[۹۱]

ایرانیوں کے جنگ جو اساورہ اس قلعہ کا برابر پہرہ دیتے تھے اور وہ دیلمیوں کو للکارتے رہتے تھے، جب ان میں صلح نہیں ہوئی تھی، اور جب ان سے صلح ہو جاتی تو پھر وہ ان کے شہر کو چوروں ڈاکوؤں سے بچاتے تھے۔

عرب میں اساورہ کے علاقے

فارس کی طرح عرب کے ایرانی مقبوضات میں بھی ہر قسم کے معاملات کے ذمہ دار یہی لوگ تھے، جو عراق کے شہر ابلہ سے لے کر خلیج عرب کے پورے سواحل میں پھیلے ہوئے تھے، بلکہ یمن تک کا انتظام سنبھالتے تھے، بلاذری نے فتوح البلدان میں لکھا ہے:

فانضم الی الاساورة السیابجة وکانواقبل الاسلام بالسواحل.[۹۲]

سیابجہ اساورہ سے مل گئے اور یہ لوگ اسلام سے پہلے ساحلی مقامات میں آباد تھے۔

لسان العرب میں ہے:

والاساورة قوم من العجم بالبصرة نزلوها قدیماً کالاحامرة بالکوفة.[۹۳]

اساورہ عجمی قوم ہیں جو قدیم زمانے میں بصرہ میں آباد ہو گئے تھے، جس طرح احامرہ قدیم زمانہ سے کوفہ میں موجود تھے۔

---

۹۸ کامل ابن اثیر ج ا ص ۵۸۔

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ عراق کا شہر ابلہ جہاں ۱۴ھ میں بصرہ آباد ہوا، اساورہ کا سب سے بڑا مرکز تھا، اور یہ لوگ دوسرے ساحلی مقامات میں بھی بڑی تعداد میں قدیم زمانہ سے موجود تھے۔

صرف ابلہ میں اسلام سے پہلے اساورہ کی کثرت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جب ۱۵ھ میں حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے ادھر کا قصد کیا تو اس وقت پانچ سو اساورہ شہر ابلہ کی حفاظت کرتے تھے، تاریخ طبری میں ہے:

وبالابلة خمسمأة من الاساورة يحمونها وكانت مرفأ السفن من الصين وما دونها.[94]

ابلہ میں پانچ سو اساورہ تعینات تھے جو اس کی حفاظت کرتے تھے، ابلہ، چین اور اسکے علاوہ ملکوں کے جہازوں کی بندرگاہ تھا۔

اور کامل ابن اثیر میں ہے:

اقام نحو شهر فخرج اليه اهل الأبلة، وكان خمسمأة اساورة يحمونها.[95]

حضرت عتبہ تقریباً ایک ماہ تک فوج لیکر ٹھہرے رہے اور ابلہ کے پانچ سو محافظ اساورہ ان کے مقابلے کے لئے نکلے۔

بلکہ یہاں کا حاکم ہرمز جو خود بھی اسوار تھا، اساورہ کو لے کر ہندوستان اور عرب میں جنگ کرتا تھا:

فكان صاحبه اسوار اسمه هرمز يحارب العرب في البرّ والهند في البحر.[96]

یہاں کا حاکم ہرمز نامی ایک اسوار تھا جو خشکی میں عربوں سے اور سمندر میں ہندوستان سے جنگ کرتا رہا۔

چنانچہ کسریٰ انوشیرواں نے اپنی حکومت کے دور میں ان ہی فوجوں کے ذریعہ سرندیپ پر حملہ کرایا تھا، اور اس کی فوجوں نے وہاں کے راجہ کو قتل کر کے بہت سا مال کسریٰ کے پاس بھیجا تھا، (ابن خلدون ج ا ص ۱۷۷) ظاہر ہے کہ ہندوستان پر حملہ کرنے کی صورت میں ایرانی اساورہ کی طرح ہندوستانی

---

۹۹ اصابہ ج ۴ ص ۱۰۵ واستیعاب برحاشیہ، اصابہ ج ۴ ص ۱۰۷۔

اساورہ بھی شریک ہوتے رہے ہوں گے، بلکہ ہندوستانیوں کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیناپڑا ہوگا۔

اساورہ اور دوسرے ہندوستانیوں کی کثرت کی وجہ سے ابلہ کا شہر ارض الہند اور فرج الہند والسند کے لقب سے مشہور تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد طفولیت میں جب حبشہ کے بادشاہ ابرہہ کے دوسرے بیٹے مسروق بن ابرہہ نے یمن پر قبضہ کیا، اور وہاں کا عرب بادشاہ سیف بن ذی یزن حمیری کسریٰ انوشیرواں کے دربار میں مدد کا طالب ہوا تو اس نے اپنے آٹھ سو قیدیوں کو دہرز نامی ایک اسوار کی زیر قیادت آٹھ کشتیوں میں سوار کر کے یمن روانہ کیا، جن میں سے دو کشتیاں سمندر میں ڈوب گئیں، اور باقی ایرانی ساحل حضرموت پر اترے، اور یمن پر قبضہ کیا۔

> نقوّد عليهم قائداً من اساورة يقال له وهرز، وقيل بل كان من اهل السجون سخط عليه كسرىٰ لحدث احدثه فحبسه وكانَ يقيد بالف اسوار.[٩٧]
>
> اور کسریٰ نے ان پر ایک فوجی افسر دہرز نامی کو مقرر کیا، ایک قول ہے کہ دہرز قیدیوں میں سے تھا، اسے کسریٰ نے ایک جرم میں گرفتار کر کے قید کر دیا تھا، یہ شخص ایک ہزار اسوار کی قیادت کرتا تھا۔

۱۰۰؎ السیرۃ المحمدیہ والطریقۃ الاحمدیہ فی ذکر کتابہ صلی اللہ علیہ وسلم الی بردیز بن ہرمز انوشیروان۔

مولانا محمد کرامت علی بن محمد حیات علی دہلوی موسوی اسرائیلی شافعی گزشتہ صدی کے بہت بڑے عالم ومحدث تھے، دہلی میں پیدا ہوئے، حضرت شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی، مولانا فضل امام خیر آبادی اور مولانا اسماعیل دہلوی سے تعلیم حاصل کی اور حضرت شاہ اسحاق صاحب سے حدیث کی سند لی مدتوں دہلی میں درس دیا۔ پھر حیدر آباد گئے اور ۱۲۷۰ھ میں وہیں وفات پائی، ان کی کتاب السیرۃ المحمدیہ والطریقۃ الاحمدیہ عربی زبان میں سیرت نبوی کی اہم کتابوں میں ہے جسے موصوف نے سیرت حلبیہ اور احادیث وسیر کی بہت سی مستند کتابوں سے مرتب کیا ہے، یہ کتاب بڑے سائز کے چھ سو صفحات پر (ہر صفحہ میں ۳۵ سطریں ہیں) چھپی ہے، طباعت نہایت اعلیٰ اور قدیم ہے، تعجب ہے کہ ہندوستان میں سیرت نبوی پر عربی زبان میں اتنی اہم اور اس قدر ضخیم و مستند کتاب لکھی گئی مگر آج علماء اس سے تقریباً بے خبر ہیں، اس پر نہ سنہ طباعت ہے، نہ مطبع کا نام ہے نہ صفحات پر ہندسے ہیں۔

یمن کے ابناء اساورہ کی اولاد ہیں

یمن پر ایران کا قبضہ ہو جانے کے بعد یہاں کسریٰ انوشیروان کے نائب رہنے لگے اور اسی زمانہ سے پورے یمن میں اساورہ کا عمل دخل ہو گیا، اور یہاں ان کی جو نسل پھیلی اور بڑھی ان کو عرب اپنی اصطلاح میں ''ابناء'' کہنے لگے، اس طرح یمن کے اساورہ کی اولاد ابنائے یمن کہلائی، جن میں اہل فارس کی طرح اہل ہند کی اولاد بھی شامل رہی ہوگی، مگر جس طرح اساورہ کے جامع لفظ سے ہم ہندوستانی سواروں کو نہیں نکال سکتے، اسی طرح ان ابنائے یمن سے ہندوستانی سپوتوں کو الگ نہیں کر سکتے، اگر یہ عقدہ حل ہو جاتا تو ایران کے بہت سے اسلامی مفاخر ہندوستان کے حق میں نظر آتے، اور ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا ابتدائی باب دوسرے ہی انداز میں لکھا جاتا۔

عرب میں اساورہ کا اقتدار

عہد رسالت میں اساورہ عراق سے لیکر یمن اور ساحلی مقامات میں بکھرے ہوئے تھے اور جگہ جگہ کسریٰ کی زیر نیابت حکومت کرتے تھے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے الاصابہ میں اور حافظ ابن عبد البرؒ نے الاستیعاب میں حضرت ابوشداد ذماری عمانیؓ سے روایت کی ہے کہ ہمارے یہاں عمان میں رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا دعوت نامہ آیا جو چمڑے پر لکھا ہوا تھا، ہمارے یہاں کوئی آدمی اس خط کا پڑھنے والا نہیں ملتا تھا، آخر میں ایک لڑکے نے اسے پڑھ کر ہمیں سنایا، راوی کا بیان ہے:

> قلت فمن كان يومئذ علىٰ عمان قال اسوار من اساورة كسرىٰ۔[98]
>
> میں نے ابوشداد سے دریافت کیا کہ اس وقت عمان کا حاکم کون تھا؟ انھوں نے بتایا کہ کسریٰ کا ایک اسوار حکومت کرتا تھا۔

یمن میں اساورہ کی بڑی تعداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیز مانہ میں موجود تھی، چنانچہ کسریٰ کے مرنے کے بعد یمن کے ایرانی حکمراں حضرت باذان رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے اسلام کی اطلاع دی، اور جب وہ بیمار ہوئے اور زندگی سے مایوس ہو گئے تو اپنے تمام اساورہ کو جو اس وقت موجود تھے بلا کر اسلام قبول کر لینے کی وصیت کی:

> فا جتمعت له اساورة، فقال (فقالو) من نومّر علينا؟فقال ابتعوا

---

۱۰۱ تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۳۶   ۱۰۲ مسالک الممالک ص ۹۴۔

هذا الرجل، وادخلوا في دينه واسلموا۔[99]

اساورہ نے ان کے پاس جمع ہو کر کہا کہ آپ کے بعد ہم کس کو اپنا امیر و حاکم بنائیں؟ تو باذان نے کہا تو لوگ اس آدمی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کر کے اس دین میں داخل ہونا اور اسلام قبول کر لینا۔

غالباً یہ تمام اساورہ حضرت باذانؓ کی وفات کے بعد عہد رسالت میں مسلمان ہو گئے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مقدسہ میں ان کا انتظام حضرت زبرقان بن بدر رضی اللہ عنہ کے حوالہ کیا تھا، تاریخ طبری میں ہے:

ان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم توفي وقد فرق فيهم عماله فكان الزبرقان بن بدر على الرباب وعوف، والابناء فيما ذكر السرى.[100]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پہلے ہر طرف اپنے عمال مقرر فرما دیے تھے، چنانچہ زبرقان بن بدر قبیلہ رباب، قبیلہ عوف اور ابناء یمن کے حاکم تھے، جیسا کہ سری نے بیان کیا ہے۔

اسواری رجال علم وفن

یمن کے یہ ابناء اساورہ نسل سے تھے، اور عرب ان کو اس خاص لقب سے یاد کرتے تھے، علامہ ابن سعد نے طبقات میں اہل یمن کے تذکرے میں خاص طور سے ابنائے یمن کی تصریح کی ہے کہ کون کون بگرگ ابناء میں سے تھے۔

اسی طرح مشہور صحابی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل بیت میں شمار فرمایا ہے، ایک قول کی رو سے اساورہ ہی میں سے تھے، اصطخری نے لکھا ہے:

ويقال ان سلمان الفارسي من ولد الاساورة.[101]

ایک قول یہ ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ اساورہ کی اولاد سے تھے۔

بعد میں اساورہ میں بڑے بڑے علمائے اعلام اور رجال اسلام پیدا ہوئے، ان ہی میں معتزلی عالم موسیٰ بن سیار اسواری بھی ہیں، جن کے بارے میں جاحظ نے کہا ہے کہ وہ دنیا کے عجائب میں سے

---

۱۰۳ جمہرۃ اشعار العرب ص ۵۵   ۱۰۴ لسان العرب ج ۷ ص ۳۰۸۔

تھے، عربی اور فارسی زبانوں کے یکساں ماہر تھے۔ ان کی علمی مجلس میں دائیں طرف عرب اور بائیں طرف عجمی بیٹھتے تھے اور جب وہ قرآن کی ایک آیت پڑھتے تو عربوں کے لئے عربی زبان میں اور عجمیوں کے لئے فارسی زبان میں اس کی تفسیر بیان کرتے تھے۔

عربی شاعری میں اساورہ کا ذکر

اساورہ چونکہ جنگ جو اور جنگ آزما تھے، اس لئے ان کا تذکرہ شعرائے عرب نے اس وصف کے ساتھ کیا ہے، اور جاہلی دور سے لیکر اسلامی دور تک کی شاعری میں ان کا ذکر اسی انداز میں موجود ہے، نابغہ ذبیانی کہتا ہے:

فظل في سبعة منها لحقن به

يكرّ بالورق فيها كرّ اسوار

وہ اپنے دس کتوں میں سے سات کے ساتھ رہا تین مار ڈالے گئے۔

ایک اور شاعر کہتا ہے:

فجئنا بحي وائل وبلفها

وجاء ت تميم زطها والاساور.[۱۰۲]

(ہم وائل کے دونوں قبائل اور اس کے آدمیوں کو لائے، اور بنو تمیم جاٹوں اور اساورہ کو لائے)

عبداللہ بن عوہم کا قول ہے:

ويغني الزط عبد القيس عنا

وتكفينا الاساورة المزونا.[۱۰۳]

قبیلہ عبدالقیس کے لئے ہماری طرف سے جاٹ کافی ہیں، اور ہمارے لئے اساورہ کافی ہیں۔

ایک اور شاعر کہتا ہے:

ووتر الاساور القياسا

صغدية تنتزع الانفاسا.

---

۱۰۵ ایضاً ج ۴ ص ۳۸۸۔ ۱۰۶ اصابہ ج ۱ ص ۲۶۸۔

(اور اساورہ نے ضغدی کمانیں سنبھال لیں جو کہ سانس تک کو کھینچ لیتی ہیں)

نابغہ جعدی کا قول ہے:

یبیت اذاابدی بروق کانھا

سیوف زخوف جرتھا الاساور.

(اس کی رات یوں بسر ہوئی کہ جب بجلیاں چمکتی تھیں تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گھسان کے رن کی تلواریں ہیں جن کو اساورہ نے نیاموں سے نکالا ہے)

حضرت حارث بن کی بن رواس ہمدانی مرہبیؓ جو جنگ قادسیہ میں شریک تھے، ان کا قول ہے:

اقدم اخافھم علی الاساورة

ولاتھا لن لرووس نادرة.[۱۰۴]

میں ان کو ڈراتا دیلاتا ہوا اساورہ پر حملہ کر کے بڑھ رہا تھا اور تم گرتے ہوئے سروں سے نہ ڈرو)

اسی طرح عربی اشعار و ادبیات میں اساورہ کے تذکرے ملتے ہیں، جن میں ان کی بہادری جنگ آزمائی اور شوکت کا بیان ہے۔

عرب میں ہند کی پانچویں قوم

بیاسرہ

بسار گرمی کے زمانہ کی وہ موسلا دھار بارش ہے جو سندھ کے بیاسرہ کے یہاں ہوتی تھی، اور ایک گھڑی کے لئے بھی نہیں تھمتی تھی، لسان العرب ہی میں ہے:

والبسار مطر یدوم علیٰ اھل السند فی الصیف، ولایقلع عنھم ساعة فتلک ایام البسار، وفی المحکم البسار مطریوم فی الصیف یدوم علی البیاسرة ولایقلع.[۱۰۵]

بسار وہ بارش ہے جو سندھ کے باشندوں کے یہاں گرمی کے زمانہ میں

---

۱۰۷ لسان العرب ج ۴ ص ۵۸۔ ۱۰۸ ایضاً ج ۴ ص ۵۸۔ ۱۰۹ لسان العرب ج ۴ ص ۵۸۔

لگا تار ہوتی ہے اور ایک گھڑی کے لئے بھی بند نہیں ہوتی، ایسے زمانہ کو ایام بسار کہتے ہیں، محکم میں ہے کہ بسار گرمی کے زمانہ میں ایک دن کی بارش ہے جو بیاسرہ کے یہاں لگا تار ہوتی رہتی ہے اور ذرا بھی بند نہیں ہوتی۔

سواحل ہند کے دس ہزار بیاسرہ

ایک خیال یہ بھی ہے کہ بیسر ہندوستانی لفظ ہے، جو یہاں کے دو الفاظ سے مرکب ہے، ایک ''بے'' جس کے معنی گجرات کی زبان میں دو کے ہیں اور دوسرا سر جس کے معنی ذات اور شخص کے ہیں اس لئے بیسر کے معنی وہ شخص ہے جو دو نسل سے تعلق رکھتا ہو، یعنی جس کا باپ عربی اور ماں ہندی ہو، میں نے رجال السند والہند میں یزید بن عبداللہ قریشی بیسریؒ کے ذکر میں اسی توجیہہ کو اختیار کیا ہے، مشہور مورخ و سیاح مسعودی جس نے ۳۰۴ھ میں تھانہ، بھڑوچ سوپارہ اور چیمور (بمبئی) وغیرہ کا سفر کیا تھا، چیمور میں دس ہزار کے قریب بیاسرہ کے آباد ہونے کا ذکر کیا ہے، وہ لفظ بیاسرہ اور بیسر کی یہ تحقیق کرتے ہیں۔

> ومعنی قولنا البیاسرة یرادبه من ولد من المسلمین بارض الھند یدعون ھذ االلقب واحد ھم بیسرو جمعھم بیاسر.[۱۰۶]
>
> بیاسرہ سے مراد وہ مسلمان ہیں جو سرزمین ہند میں پیدا ہوئے ہوں، ایسے لوگوں کو اس لقب سے یاد کیا جاتا ہے، واحد بیسر اور جمع بیاسر ہے۔

بیاسرہ کے عرب میں قدیم زمانہ سے آباد ہونے یا عہد رسالت میں پائے جانے کی تاریخی شہادت مجھ کو نہیں مل سکی، خیال ہے کہ یہ قوم ہندوستان میں مسلمانوں کے آنے اور یہاں مقیم ہونے کے بعد باہمی میل جول اور رشتہ ء مناکحت سے پیدا ہوئی ہے، اس لئے اس قوم کی پیدائش ہندوستان ہی میں ہوئی ہے، اور ہندوستان کے ساحلی مسلمانوں کی بڑی تعداد ان ہی بیاسرہ کی اولاد سے ہے، یہ ضرور ہے کہ ان کا تعلق بھی عرب اور دیگر اسلامی ممالک سے رہا ہے، اور یہ لوگ بعد میں یہاں سے باہر بھی جاکر آباد ہوئے۔[۱۰۷]

بعض بیسری علماء

---

۱۰۶ مروج الذہب بحوالہ رجال السند والہند ص ۲۶۸۔ ۱۰۷ رجال السند و ہند ص ۲۶۸۔

بعد میں بیاسرہ میں بھی علماء ومحدثین پیدا ہوئے، چنانچہ ابن ابی حاتم رازی نے کتاب الجرح والتعدیل میں ایک محدث یزید بن عبداللہ قرشی بیسری کا تذکرہ کیا ہے، اور لکھا ہے کہ انھوں نے عمر بن محمد عمریؒ سے حدیث کی روایت کی ہے اور ان سے علی بن ابی ہاشم طبراخ نے روایت کی ہے۔ [۱۰۸]

عرب میں ہند کی چھٹی قوم

تکاکرہ (ٹھاکر)

تکاکرہ، تکری یا تاکر (ٹھاکر) کی جمع ہے، یہ قوم خالص ہندوستانی ہے، جن کی بہادری اور جوانمردی عربوں میں بھی مسلم تھی، لسان العرب میں ہے۔

> التکری، القائد من قواد السند والجمع تکاکرة، الحقوا الهاء للعجمة...... وفی التهذیب الجمع تکاکرة. [۱۰۹]
>
> تکری سندھ کے جنگی افسروں میں سے ایک کو کہتے ہیں اس کی جمع تکاکرہ ہے، اور آخر میں ہاء کو عجمیت کی وجہ سے لگا دیا گیا ہے اور تہذیب میں ہے کہ اس کی جمع تکاکرہ ہے۔

محمد بن قاسم سے ٹھاکروں کی جنگ

ہندوستان کے ان ٹھاکروں کا تذکرہ اسلامی تاریخوں میں محمد بن قاسمؒ کے سندھ پر حملے اور یہاں راجہ سے جنگ کے سلسلے میں ملتا ہے، اس سے پہلے مجھے اس قوم کا تذکرہ نہیں مل سکا۔

فتوح البلدان میں ہے کہ جب محمد بن قاسمؒ نے مہران (دریائے سندھ) کو عبور کر کے کچھ کے راجہ راسل اور راجہ داہر کا تعاقب کیا تو راجہ اپنے ٹھاکروں کو لے کر مقابلہ میں آیا، اور انھوں نے جان توڑ جنگ کی:

> ولقیه محمد والمسلمون، وهو علی فیل وحوله الفیلة ومعه التکاکرة فاقتتلوا قتالاً شدیداً، لم یسمع بمثله. [۱۱۰]
>
> راجہ نے محمد بن قاسم اور مسلمان اس حال میں ملے کہ وہ ہاتھی پر سوار تھا اور

---

[۱۱۲] لسان العرب ج۲ ص۹۲۔ [۱۱۳] فتوح البلدان ص۴۲۶۔ [۱۱۴] لسان العرب ج۲ ص۹۲۔

اس کے اردگرد ہاتھیوں کے جھنڈ تھے اور اس کے ساتھ ٹھاکر بھی تھے، انھوں نے ایسی جنگ کی کہ اس کی مثال سننے میں نہیں آئی۔

عربی شاعری میں تکاکرہ کا ذکر

غالباً ان ہی ایام کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک عرب شاعر نے ان ٹھاکروں کے مقابلہ میں اپنی بہادری کا یوں ذکر کیا ہے:

لقد علمت تكاترة ابن تبری

غداة البد انی هبرزی

ابن تبری کے ٹھاکروں نے بت خانہ کے واقعہ کی صبح کو سمجھ لیا کہ میں شیر ہوں۔

تہذیب میں اس شعر میں تکاترہ کے بجائے تکاکرہ ہے۔ لقد علمت تكاكرة.[115]

بیاسرہ کی طرح تکاکرہ کا ذکر بھی قدیم عرب میں نہیں مل سکا، اس لئے خیال ہے کہ یہ بھی عہد رسالت میں عرب میں موجود نہیں تھے، بیاسرہ اور تکاکرہ کو میں نے صرف استیعاب کے لئے لیا ہے، ورنہ ان دونوں کا تعلق ان مخصوص اور محدود موضوع سے نہیں ہے۔

115 سیرت ابن ہشام طبع جدید مصطفیٰ محمد مصر ج ا ص ۶۳ و کتاب التیجان کلبی طبع حیدرآباد ص ۳۰۴ و تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۱۶ مطبع حسینیہ مصر۔

عرب میں ہندوستانیوں کی بستیاں

ہندوستان کے شمال و مغرب کے ساحلی مقامات، اور عرب کے شمال و مشرق کے ساحلی مقامات ایک دوسرے کے سامنے واقع ہیں، درمیان میں بحر ہند (جسے بحر عرب اور بحر فارس بھی کہتے ہیں) حائل ہے، اسی سمندر کے ذریعہ دونوں ممالک میں تاریخ کے قدیم دور سے تعلقات چلے آرہے ہیں، اور دونوں کے ساحلی علاقے ایک ملک کے دو علاقے ایک ملک کے دو علاقے کی حیثیت سے رہے ہیں، عرب و ہند کے قدیم تعلقات ابتدا میں صرف تجارتی اور معاشی تھے، مگر بعد میں فکری، تمدنی اور ثقافتی تعلقات بھی پیدا ہو گئے، بلکہ تجارتی و اقتصادی تعلق کو فکری اور ثقافتی تعلق نے اور زیادہ مضبوط کر دیا۔

اس کے باوجود قدیم تاریخ میں ہندوستان کے کسی ساحلی یا غیر ساحلی مقام پر عربوں کی آبادی کا پتہ نہیں چلتا جو یہاں آ کر مستقل طور سے آباد ہو گئے ہوں، حالانکہ عرب کے مقابلہ میں ہندوستان ہر اعتبار سے ترقی یافتہ ملک تھا اور عربی زندگی کے مقابلہ میں یہاں کی زندگی میں رنگینی اور دلفریبی زیادہ تھی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب تاجر ہندوستان آتے اور تجارتی مقصد پورا کر کے واپس چلے جاتے تھے، اور اپنی آزاد عربی زندگی پر اسکو ترجیح نہیں دیتے تھے، عربی زندگی ان کے لئے بہت ہی دلفریب اور خوشگوار تھی، ہندوستان میں سب کچھ ہونے کے باوجود ان کو یہاں وہ کھلی ہوا اور آزاد فضا میسر نہیں تھی، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں ہمیں کسی قدیم عرب آبادی کا پتہ نہیں چلتا ہے، اور نہ یہاں پر عربوں کے

---

۱۱۶ تاریخ طبری مطبع حسینیہ مصر ج ۲ ص ۱۱۸۔ ۱۱۷ تاریخ العبر حتی، طبع مصر ص ۸۶۔

بہت زیادہ دنوں تک ٹھہرنے کا ثبوت ملتا ہے، اس کے مقابلہ میں ہندوستان کے ایسے باشندے عرب میں کثرت سے ملتے ہیں جو وہاں جا کر مستقل طور پر رہ بس گئے اور ہندوستان کی قومیت و وطنیت چھوڑ کر عرب کے باشندے ہو گئے اور ان کو عربوں نے عربی زندگی میں اس اس طرح کرلیا کہ وہ بالکل عرب بنکر رہ گئے، ہندوستانیوں کے ساتھ عربوں کے اس حسن سلوک اور رواداری کی وجہ ان کی فطری وسعت قلب اور مہماں نوازی تھی جو دور جاہلیت میں بھی انکی امتیازی صفت تھی، اس کے ساتھ ہی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ عربوں کو گھر بیٹھے ان ہندوستانیوں کے ذریعہ ضروریات زندگی کی چیزیں مل جاتی تھیں اور ان کو ان کے لئے ہندوستان کا بحری سفر نہیں کرنا پڑتا تھا، ابتداء میں بہت سے ایسے ہندوستانی باشندے عرب میں جا کر آباد ہو گئے جو تاجر تھے اور عربوں کی ضرورت کا سامان ان کے میلوں اور بازاروں میں لے جا کر فروخت کرتے تھے، ان تاجروں کو عرب بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اور نہ صرف یہ کہ ان کو لوٹتے مارتے نہیں تھے، بلکہ ان کی حفاظت کر کے حق جوار کا پورا لحاظ کرتے تھے، چنانچہ عرب کے کئی بڑے قبائل نے ایسے ہندوستانی باشندوں کو اپنی ''ولاء'' میں لے لیا تھا، اور ان کو وہ اپنے قبیلہ کا فرد شمار کرتے تھے، پھر چونکہ ہندوستان کے لوگ بت پرستی میں جاہلی عرب کے تقریباً ہم مشرب تھے، اس لئے اور بھی دونوں ملکوں میں تعلقات استوار ہوئے، چنانچہ عرب کے یہود و نصاریٰ کے علاوہ مشرک، مجوسی صابیہ وغیرہ ہندوستانیوں کو اپنا ہم مشرب گردانتے تھے، اور بت پرستی اور دوسرے عقائد و اعمال میں بڑی حد تک ہم رنگ تھے، اس لئے آپس میں مذہبی اختلاف بھی نہیں تھا، اسی طرح بہت سے عادات و خصائل اور رسوم و رواج میں عرب اور ہندوستانی تقریباً متفق و متحد تھے، اس لئے ہندوستان کے باشندے عرب میں بڑی آسانی سے کھپ گئے۔

مشرقی و جنوبی سواحل میں

عربوں اور ہندوستانیوں کے تعلقات کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ ایران کے بادشاہ بلوچستان، سندھ اور سرندیپ وغیرہ پر قابض تھے، اور ان علاقوں کے ہندوستانی باشندے جاٹ اور مید وغیرہ ایرانی فوج میں شامل ہو کر عرب کے ایرانی مقبوضات میں آباد ہو گئے تھے، اس طرح عراق کے اہم ایرانی مقبوضہ ابلہ (بصرہ) سے لیکر یمن تک ایرانی فوجوں کی طرح یہ بھی پھیلے ہوئے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پہلے عرب کے جنوبی اور مشرقی سواحل پر ہندوستانی

۱۱۸ رحمۃ اللعالمین ج ا حاشیہ۔ ۱۱۹ تجرید اسماء الصحابہ ج ا ص ۴۵ طبع حیدر آباد۔

باشندوں کی بہت بڑی تعداد جمع ہوگئی تھی، اور وہاں کی ملکی اور قومی زندگی میں ان سے شدید خطرات محسوس ہونے لگے تھے، چنانچہ یمن پر جب حبشیوں نے قبضہ کیا تو وہاں ہندوستان کے باشندوں کی بہت بڑی تعداد موجود تھی، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ جب یمن کے سابق عرب حکمراں سیف بن ذی یزن نے ایران کے بادشاہ کسریٰ انوشیرواں کے دربار میں پہنچ کر اپنا حال بیان کیا اور اجنبی لوگوں کے غلبہ کا واقعہ سنایا تو کسریٰ انوشیرواں نے سیف بن ذی یزن سے پوچھا کہ تمہارے ملک پر کن اجنبی لوگوں نے قبضہ کیا ہے؟ وہ حبشی ہیں یا سندھی۔

فقال ایها الملک غلبتنا علیٰ بلادنا الاغربة، فقال له کسریٰ ایُّ الاغربة الحبشة ام السند، فقال بل الحبشة [۱۱۲]

سیف نے کہا اے بادشاہ! ہمارے ملک پر اجنبی لوگ غالب آ گئے ہیں، کسریٰ نے پوچھا کون اجنبی حبشی یا سندی؟ تو سیف نے کہا سندی نہیں بلکہ حبشی غالب آ گئے ہیں۔

تاریخ طبری کی ایک روایت میں ہے:

قال ایها الملک ان السودان قد غلبونا علی بلادناور کبوا منا اموراً شنعة، اجلالملک عن ذکرها (ص ۱۱۷)

قال قد علمت ان بلاد کم کماوصفت فایّ السودان غلبوا علیها الحبشة امالسند

سیف نے کہا اے بادشاہ! کالے لوگوں نے ہمارے ملک پر غالب آ کر ہمارے ساتھ نہایت برا برتاؤ کیا ہے جن کا تذکرہ بادشاہ کے سامنے مناسب نہیں ہے۔

یہ سن کر کسریٰ نے کہا ہاں تمہارا ملک بہت ہی زرخیز اور اچھا ہے، بتاؤ کن کالے لوگوں نے اس پر غلبہ حاصل کرلیا ہے؟ حبشی یا سندھی؟

اس گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے بعد عرب کے مشرقی اور جنوبی علاقوں میں کس قدر ہندوستانی موجود تھے، اور ان کو کتنی شوکت وقوت حاصل تھی، یہ واقعہ آپ کی

---

۱۲۰ الاصابہ فی تمییز الصحابہ ج اص ۱۷۹۔ ۱۲۱ الاصابہ ج اص ۱۷۸۔ ۱۲۲ فجر الاسلام ج اص ۱۳۔

ولادت کے بعد کا ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دو سال بعد کا ہے۔ ولادت نبوی کے بعد ۵۷۵ھ میں یمن پر ایران کا قبضہ ہوا [۱۱۳] اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۵۷۱ھ میں ہوئی ہے، یمن پر مسروق بن ابرہہ نے چڑھائی کی تھی، جس کے باپ ابرہہ نے اپنے دور حکومت میں کعبہ پر فوج کشی کی تھی، اور اس واقعہ کے ۵۵ دن بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے [۱۱۴] سیف بن ذی یزن کی فریاد پر کسریٰ انوشیرواں نے یمن پر اپنی فوج بھیج کر قبضہ کیا اور عراق سے لیکر یمن تک کا علاقہ اپنے قلمرو میں شامل کر لیا۔

یمن میں

جیسا کہ معلوم ہوا یمن اور اس کے اطراف میں پہلے ہی سے سندھیوں کی بڑی جمعیت موجود تھی، اور ان کو قوت وشوکت حاصل تھی، انوشیرواں کے یمن پر قبضہ کے بعد عرب میں ہندوستانیوں کی اور بھی کثرت ہو گئی اور اساورہ (شہسواران ایران) کے شامل ہونے کی وجہ سے انھوں نے وہاں کے ملکی اور سیاسی معاملات میں حصہ بھی لیا۔

امام ذہبی نے تجرید اسماء الصحابہ میں یمن کے آخری ایرانی حکمراں کا نام جو حیات نبویؐ ہی میں مسلمان ہو گئے تھے، باذانؓ ملک الہند لکھا ہے [۱۱۵] مگر حافظ ابن حجرؒ نے الاصابہ میں اس کی تضعیف کی ہے، اور اس کی جگہ ملک الیمن کو صحیح قرار دیا ہے [۱۱۶]، اس پر مفصل بحث اپنے مقام پر آئے گی، اسی طرح یمن میں کسریٰ کے زمانہ سے ایک ہندوستانی بزرگ بیرزطن ہندی موجود تھے، جو عہد رسالت میں مسلمان ہوئے تھے، انھوں نے یمن کے اطراف میں حشیش القنب (بھنگ) کو بطور دوا متعارف کرایا تھا اور علاج ومعالجہ میں اس کو رواج دیا تھا، غالباً یہ طبیب تھے [۱۱۷]، ان کے حالات اپنے مقام پر آئیں گے۔

یمن قدیم زمانہ سے ہندوستانی مال کی بہت بڑی منڈی تھا اور یہاں ہندوستان کے تاجر ہمیشہ آتے جاتے رہتے تھے، فجر الاسلام کے مصنف نے لکھا ہے:

وکان لسکان الیمن قدیما علاقات بالهند والشرق الادنی۔ [۱۱۸]

قدیم زمانہ سے یمن کے باشندوں کے تعلقات ہندوستان اور مشرق ادنیٰ

---

۱۱۳ " ص " ۱۱۴ تاریخ طبری ج ۲ ص ۵۵ و نیز کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۴۷۔

سے قائم تھے۔

اسی کتاب میں دوسرے مقام پر ہے:

وكانت التجارة قديما في يد اليمنيين وكانو اهم العنصر الظاهر فيها فعلى يدهم كانت تنقل غلات حضرموت وظفار، و اردات الهند الى الشام ومصر.[119]

قدیم زمانہ سے تجارت اہل یمن کے ہاتھ میں تھی اور اس میں یہی لوگ غالب نظر آتے تھے، ان ہی کے ہاتھوں حضر موت وظفار کی پیداوار اور ہندوستان کی اشیاء شام اور مصر جاتی تھیں۔

ان تصریحات کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ یمن کا پورا علاقہ ہندوستان کے تاجروں سے آباد تھا، اوران کی بڑی تعداد وہاں تجارت میں مشغول تھی۔

عراق میں

جس طرح یمن کے حدود میں ہندوستانیوں کی کثرت تھی، اسی طرح عرب کے شمال مشرق اور عراق میں قدیم زمانہ سے ہندوستان کے جاٹ اور سیابجہ رہتے تھے، عراق کا مرکزی شہر ابلہ چین، ہندوستان اور ایران وغیرہ کے تجارتی جہازوں کی بہت بڑی بندرگاہ تھا، اور اسے ہندوستان سے بہت پرانا اور بہت گہرا تعلق تھا، جس کی وجہ سے عرب اسے ارض الہند اور فرج السند والہند کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے، شاہان ایران ابلہ پر قبضہ کرکے ایک طرف خشکی کے راستہ سے عرب پر حملہ آور ہوئے تھے اور دوسری طرف بحری راستہ سے ہندوستان پر حملہ کرتے تھے، تاریخ طبری واقعات ۱۲ھ میں ہے:

وكان فرج الهند اعظم فروج فارس شاناً واشدها شوكة وكان صاحبه يحارب العرب في البر والهند في البحر.[120]

اور فرج الہند (ابلہ) ایرانیوں کے بڑے اہم مرکزوں میں تھا، یہاں ان کو بڑی شان وشوکت حاصل تھی، یہاں کا حاکم خشکی میں عرب سے اور سمندر میں ہندوستان سے جنگ کیا کرتا تھا۔

۱۲۵ تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۲۴، اور تاریخ ابن خلدون ج ۱ ص ۷۷ طبع مصر۔

ظاہر ہے کہ ان بری اور بحری حملوں میں ہندوستان کے وہ جاٹ اور مید ضرور شامل ہوتے ہوں گے جو شاہان ایران کی فوج میں قدیم زمانہ سے موجود تھے، خاص طور سے ہندوستان پر حملہ کی صورت میں ان کو اپنی خدمات پیش کرنے کا بہترین موقع ملتا رہا ہوگا۔

عراق سے ہندوستان پر ایرانیوں کے بحری حملہ کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد طفولیت تک جاری رہا، چنانچہ کسریٰ انوشیروان نے یمن پر قبضہ کرنے کے بعد ہی ہندوستان پر بڑا زبردست حملہ کیا، اور سرندیپ کو تہ وبالا کرکے یہاں سے بے شمار دولت حاصل کی، امام طبریؒ نے اس حملہ کی تفصیل یہ بیان کی ہے:

فلما دانت لکسریٰ بلاد الیمن وجه الی سرندیپ من بلاد الهند، وهی ارض الجواهر قائداً من قواده فی جندٍ کثیف فقاتل ملکها فقتله واستولی علیها، وحمل الیٰ کسریٰ منها اموالا عظیمة وجواهرا کثیرا.[۱۲۱]

جب بلادِ یمن کسریٰ کے مطیع ہوگئے تو اس نے ہندستان کے شہر سرندیپ پر (جو جواہرات کا ملک ہے) اپنے ایک فوجی افسر کو بھاری لشکر کے ساتھ بھیجا۔ جس نے راجہ کو قتل کر کے ملک پر قبضہ کرلیا اور وہاں سے کسریٰ کی خدمت میں زر، جواہر اور مال ودولت بھاری مقدار میں بھیجا۔

ہندستان کے جاٹ اور مید ایرانیوں کی ان مہمات میں اپنی خدمات پیش کرتے تھے علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

''عربوں اور ہندوؤں کے درمیان تعلقات کا ایک اور ذریعہ بھی تھا اس کی صورت یہ تھی کہ شہنشاہ ایران کا قبضہ بلوچستان اور سندھ پر اکثر رہا، اس قبضہ کے تعلق سے بعض جنگجو قبیلوں کے فوجی دستے ایرانی فوج میں داخل تھے، ان جنگجو قبیلوں میں سے دو کا ذکر عربوں نے کیا ہے اور وہ جاٹ اور مید ہیں، یہ دونوں سندھ کی مشہور قومیں تھی۔''[۱۲۲]

ابلہ کے علاوہ بھی عراق میں ہندوستانیوں کی بہت بڑی تعداد رہتی، اور قدیم زمانہ سے اس کو اپنا

---

۱۲۱ فتوح البلدان ص ۳۲۷ طبع ازہریہ مصر۔ ۱۲۲ عرب وہند کے تعلقات ص ۱۱

وطن بنا چکی تھی، اس کا ثبوت بلاذریؒ کے اس بیان سے ملتا ہے:

فانضم الی الاساورة السیابجة و کانوا قبل الاسلام بالسواحل وکذالک الزط، و کانو ابالطفوف یتبعون الکلا.[۱۲۳]

سیابجہ ان اساورہ کے ساتھ مل گئے جو اسلام سے پہلے سواحل میں موجود تھے، اسی طرح جاٹ بھی عراق کے سواحل میں تھے اور یہ سب چارے کی تلاش میں کناروں کا چکر لگاتے رہتے تھے۔

عہد فاروقی کا واقعہ ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے سامنے ایرانی فوج نے پیشکش کی کہ ہم مسلمان ہو کر بصرہ میں آباد ہونا چاہتے ہیں اور اسلامی جہاد میں مسلمانوں کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے سیابجو اور جاٹ عراق کے سواحل اور طفوف میں رہا کرتے تھے، جو عام طور سے مویشی پالتے تھے، اور چارے کی تلاش مں ی سواحل کا چکر لگاتے رہتے تھے، اور عرب کی بدوی زندگی اختیار کر کے ان اطراف میں خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے، یہ ہندوستانی ان ہندوستانیوں کے علاوہ تھے، جو ایرانیوں کی فوج مٰں شامل تھے، یہ لوگ خلیج عربی کے پورے عرب سواحل میں پھیلے ہوئے تھے، جس میں عمان، مسقط، قطیف بحرین، قطر، کویت اور بصرہ سب ہی شامل تھے۔

بحرین اور عمان میں

خلیج عربی کے سواحل اور طفوف میں ہندوستانیوں کی کثرت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ دور جاہلیت میں ان کے دونوں سرے ان سے اس قدر آباد تھے کہ ایک طرف عرب لوگ ابلہ (بصرہ) کو ارض الہند اور فرج الہند کے نام سے یاد کرتے تھے[۱۲۴] اور دوسری طرف عمان اور بحرین کے عرب باشندے ہندوستانیوں کے حالات ان قبائل کے ذریعہ معلوم ہوتے تھے، اور ہندوستانیوں کے میل جول سے ان عرب قبیلوں کی زبان اتنی بگڑ گئی تھی کہ عربیت میں اس کا درجہ اس قدر گر گیا تھا کہ فصاحت و بلاغت اور استعمال و محاورہ میں سند نہیں مانی جاتی تھی۔

۱۲۸ کتاب الخراج امام ابو یوسف ص ۷۱، طبقات ابن سعد ج ۷ ق ۱ ص ۲ تاریخ طبری اور کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۸۸۔

ہندوستانیوں کا عربی زبان اور زندگی پر اثر

چنانچہ مشہور عرب مورخ ہمدانی صاحب الاکلیل کا یہ قول علامہ قاضی ابن صاعد اندلسی نے طبقات الامم میں نقل کیا ہے۔

ومن وقع من نصر من الازد بعمان فعنه اتی کثیر من اخبار السند والهند او شئی من اخبار فارس [۱۲۵]

اور قبیلہ نصر کا قبیلہ ازد جو عمان میں تھا اس سے سندھ اور ہندوستان کی بہت سی خبریں اور کچھ ایران کی خبریں معلوم ہوئیں۔

صاحب تاریخ آداب العرب نے ''الرحلۃ الی البادیۃ'' کے ماتحت لکھا ہے کہ عربی زبان لغت کو زیادہ تر اعراب اور بدویوں خاص طور سے قیس اور تمیم سے لیا گیا ہے، مگر جن اعراب اور اہل بوادی کی زبان عجمیوں کے اختلاط کی وجہ سے خالص عربی نہیں رہ گئی، ان سے استناد و استشہاد نہیں کیا گیا:

وخاصة الذین کانو ایسکنون اطراف بلادهم المجاورة لمن حولهم من الأمم فانه لا یوخذ لامن لخم ولامن جزام لمجاورتهم اهل مصر والقبط......ولا منعبدالقیس وازد عمان لانهم کانو ابا لبحرین مخالطین للهند والفرس ولامن اهل الیمن لمخالطتهم للهند والحبشة. [۱۲۶]

خاص طور سے وہ عرب جو ایسے علاقوں میں تھے جو پڑوس کی قوموں سے ملے ہوئے تھے، اسی لئے لخم اور جذام سے عربی زبان نہیں گئی کیونکہ وہ مصر اور قبط کے پڑوسی تھے، اور نہ عبدالقیس اور ازد عمان سے لی گئی کیونکہ یہ لوگ بحرین میں تھے اور ہندوستانیوں اور ایرانیوں سے ان کا اختلاط تھا، یہی حال اہل یمن کا ہے، وہ بھی ہندوستانیوں اور حبشیوں سے میل جول رکھتے تھے۔

بحرین کے قبیلہ عبدالقیس کو ہندوستان کے باشندوں سے خاص تعلق تھا اور اسے کبھی کبھی ہندوستان کے لوگوں سے سابقہ پڑتا تھا، ایک تغلبی شاعر اخنس ابن شہاب اپنے قبیلہ لکیز بن عبدالقیس کی مدح میں لکھتا ہے:

---

۱۲۹ طبقات الامم ص ۵۹ طبع مصر۔ ۱۳۰ تاریخ آداب العرب ج ۱ ص ۳۴۳۔

لـکـیـز لهـا الـبـحـر ان والسیف کـلـه
وان یـاتهـا نهـا بـناس من الهند کـا رب۔ [۱۲۷]

فتنۂ ارتداد اور ہندوستانی باشندے

بحرین اور عمان اور ان کے ساحلی مقامات میں ہندوستانیوں کے کثیر تعداد میں آباد ہونے کا ثبوت اس واقعہ سے بھی ملتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد جب ان اطراف میں ارتداد کا طوفان اٹھا اور مختلف قبائل نے اسلام کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو اس شورش میں ان علاقوں میں آباد ہندوستانیوں کو بھی جواب تک اسلام نہیں لائے تھے شریک کیا گیا، خاص طور سے قطیف، ہجر، خط، دارین، جواثا وغیرہ میں آباد جاٹ اور سیابجہ کو قبیلہ بنی عبدالقیس کا ساتھ دینا پڑا۔

فلما مات النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج الحطم بن ضبیعة أخو بنی قیس بن ثعلبة فیمن اتبعه من بکر بن وائل علی الردة، ومن تأشب الیه من غیر المتدین ممن لم یزل کافرا حتی نزل القطیف، وهجر، واستغوی الخط ومن فیها من الزط والسیابجة وبعث الیٰ دارین۔ [۱۲۸]

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا تو حطم بن ضبیعہ بکر بن وائل کے مرتدوں اور دوسرے قبائل کے ان غیر مرتد کافروں کو جواب تک اپنے مذہب پر قائم تھے ساتھ لے کر نکلا، اور قطیف، وہجر میں پہنچا اور خط کے پورے علاقے کو اور وہاں پر آباد جاٹ اور سیابجہ کو گمراہ کرکے اپنے ساتھ لے لیا اور دارین کی طرف بھی فوج بھیجی۔

ان مرتدوں اور باغیوں نے جاٹوں اور سیابجہ کو لے کر ان اطراف میں بڑی شورش برپا کی اور مسلمانوں کا محاصرہ کرکے ہر طرف سے ان کی معاشی اور غذائی ناکہ بندی کردی، حضرت علاء بن حضرمیؓ کو اس کی خبر ملی تو انھوں نے حضرت جارودؓ کو بنو عبدالقیس اور حطم کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا اور ایک سخت معرکہ آرائی کے بعد کامیاب ہوئے، اور حطم کی فوج کا ایک بڑا حصہ شکست کھا کر دارین کی طرف بھاگ نکلا، پھر وہاں سے بحری راستوں سے یہ سب اپنے اپنے ملک اور وطن کی طرف بھاگ گئے۔

---

۱۳۱ صفۃ جزیرۃ العرب ہمدانی ج ۱ ص ۱۵۴ بحوالہ عربوں کی جہاز رانی ص ۳۰۔

ابن اثیر کا بیان ہے:

وقصد اعظم الفلال الیٰ دارین فرکبوا الیها السفن ولحق الباقون ببلاد قومهم.[129]

شکست خوردہ فوج کا بڑا حصہ کشتیوں کے ذریعہ دارین کی طرف گیا اور باقی ہزیمت خوردہ اپنے اپنے مقامات پر چلے گئے۔

طبری کے الفاظ یہ ہیں:

وقصد العظم الفلال لدارین فرکبوا فیها السفن ورجع الاخرون البلاد قومهم.[130]

ہزیمت خوردہ فوج کے بڑے حصہ نے دارین کا رخ کیا اور وہاں سے کشتیوں میں سوار ہو کر اپنی راہ لی اور دوسرے سپاہی اپنے اپنے وطن چلے گئے۔

ان دونوں مورخوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ باغیوں اور مرتدوں کی شکست خوردہ فوج بھاری تعداد میں بھاگ کر دارین کی بندرگاہ پر آئی اور یہاں سے بری اور بحری راستوں سے اپنے ملک کی طرف بھاگی، ظاہر ہے کہ اس میں ہندوستان کے جو جاٹ اور سیابجہ شریک تھے وہ بھاگ کر ہندوستان آئے ہوں گے۔

قلب عرب میں

خلیج عربی کے ساحلی مقامات کے علاوہ ہندوستان کے لوگ جزیرہ نمائے عرب کے اندرونی مقامات میں بھی رہتے تھے اور ان کی مستقل آبادیاں تھیں، چنانچہ عرب کے وسطی علاقہ نجد میں ہندوستانیوں کا پتہ چلتا ہے جو مدتوں سے وہاں آباد تھے، اور عہد رسالت کے بعد تک اپنے مذہب قائم رہے، اور ردت کے زمانہ میں کفار و مشرکین اور مرتدین کی یوں مدد کی کہ ان کو ہندوستان کے بنے ہوئے اسلحہ جنگ دیئے جو مسلمانوں کے مقابلہ میں استعمال کیے گئے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عربوں نے وہ ہندوستانی اسلحہ ان سے خریدے ہوں یا ہندوستان سے لے گئے ہوں، مگر غالب گمان یہی ہے کہ انھوں نے عربوں کی مدد کے لئے خود ہی یہ پیش کش کی تھی

---

[132] تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۵۵، ۲۵۶ اور کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۴۱۔

یمامہ میں

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد جب نجد کے علاقہ میں مسیلمہ کذاب نے کھل کر مسلمانوں سے مقابلہ کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو مسیلمہ کذاب اور اس کی فوج سے لڑنے کے لئے روانہ فرمایا، جب وہ یمامہ قریب پہنچے تو مسیلمہ کذاب کی قوم بنو حنیفہ کی ایک جماعت سے مڈبھیڑ ہوئی، اور مجاعہ بن مرارہ بن سلمی کے علاوہ سب قتل ہوئے، حضرت خالدؓ نے مجاعہ کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لیا اور یمامہ سے ایک میل دوری پر پڑاؤ ڈالا، جب یمامہ والوں کو خبر ہوئی تو مقابلہ کی نیت سے باہر نکلے، اس وقت ان کے ہاتھوں میں تلواریں چمک رہی تھیں، ان کو دیکھ کر حضرت خالدؓ کو ایسا محسوس ہوا کہ آپس ہی میں لڑ گئے ہیں، جب مسلمان فوجوں سے اس کا تذکرہ کیا تو مجاعہ نے بتایا کہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یمامہ کے لوگ جنگ کی تیاری میں اپنی ہندی تلواریں صاف کر رہے ہیں اور ان کو دھوپ دکھا رہے ہیں۔ بلاذری نے لکھا ہے:

> فرأى خالد البارقة فيهم، فقال يامعشر المسلمين قد كفاكم الله منونة عدوكم، الاترونهم وقد شهر بعضهم السيوف على بعض واحسبهم قد اختلفوا ووقع باسهم بينهم، فقال مجاعة وهو في حديدة، كلا، ولكنها الهند واينة خشوا تحطمها فأبرزوها للشمس لتلين متونها.[۱۳۱]
>
> حضرت خالدؓ نے ان کے اندر تلواروں کی چمک دیکھی تو فرمایا کہ اے مسلمانو! اللہ نے تم کو دشمن کی مصیبت سے نجات دیدی، وہ دیکھو دشمن آپس ہی میں ایک دوسرے پر تلواریں کھینچے ہوئے ہیں، میرا خیال ہے کہ ان میں اختلاف ہو گیا ہے اور وہ آپس میں لڑ پڑے ہیں، یہ سن کر مجاعہ نے کہا یہ بات نہیں ہے بلکہ یہ ہندوستانی تلواریں ہیں جنکو انھوں نے دھوپ میں رکھ کر صاف کرنا چاہا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یمامی اور آس پاس میں آباد ہندوستانیوں نے مسیلمہ کذاب اور اس کے متبعین کو ہندوستان کی بنی ہوئی بہترین تلواریں دی تھیں، جو عرب میں قدیم زمانہ سے مشہور

---

۱۳۳ کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۴۲۔ ۱۳۴ تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۵۹۔

تھیں۔

نجران میں

یمن کے مشہور شہر نجران میں بھی عہد رسالت میں بکثرت ہندوستانی آباد تھے، اور نجران کے عرب ان کی زندگی اور لباس وغیرہ سے بڑی حد تک متاثر تھے اس کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جملہ سے ملتا ہے، وہ یہ ہے کہ ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ ۱۰ھ نبوت میں آپ نے حضرت خالدؓ کو نجران کے قبیلہ بنی حارث بن کعب کے پاس دعوت اسلام کے لئے روانہ فرمایا حضرت خالدؓ نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور انھوں نے بلا تردد قبول کر لی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کو لکھا کہ تم بنی حارث بن کعب کا ایک وفد لے کر مدینہ آ جاؤ، چنانچہ وہ چھ آدمیوں پر مشتمل ایک وفد لے کر دربار نبوت میں حاضر ہوئے:

> فلما قدموا علی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فراهم قال من هولاء القوم کانهم رجالا لهند قیل یا رسول اللّٰه هولاء رجال بنی الحارث بن کعب.[۱۳۲]
>
> جب وفد کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ نے ان کو دیکھا تو فرمایا یہ کون لوگ ہیں جو ہندوستان کے لوگوں جیسے ہیں، عرض کیا گیا یا رسول اللہ یہ بنی حارث بن کعب کے آدمی ہیں۔

اس روایت سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہندوستان کے لوگوں کی شکل وصورت سے اچھی طرح واقف تھے، وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نجران اور اس کے اطراف میں ہندوستانیوں کی تعداد زیادہ تھی، اور مقامی لوگوں پر ان کا شبہ ہونے لگتا تھا یا وہ ہندوستانیوں سے میل جول کی وجہ سے لباس وہیئت میں ان کے مشابہ معلوم ہوتے تھے،

مکہ مکرمہ میں

عرب کے مغربی علاقہ حجاز میں بھی ہندوستان کے باشندے موجود تھے، خاص طور سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے عرب باشندے ان سے اچھی طرح واقف تھے، چنانچہ ابتدائے اسلام میں جب مکہ

---

۱۳۲ فتوح البلدان ص ۹۸ طبع مطبع مصر ازہریہ۔

مکرمہ میں کفار قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے تو ابو طالب نے اس زمانہ میں سینکڑوں اشعار کا ایک قصیدہ کہا جس میں یقین دلایا کہ میں اپنے بھتیجے کی مدد وحفاظت سے باز نہیں آسکتا، اس قصیدہ کے ایک شعر میں ہندوستانی کا تذکرہ یوں کیا ہے:

بضرب ترى الفتيان فيه كأنهم

ضواري أسود فوق لحم خرادل

(ایسی جنگ کہ اس میں نوجوان حملہ آور شیر معلوم ہوتے ہیں)

بني امة محبوبة هند كيئة

بني جمح عبيد قيس بن عاقل[۱۳۶]

(ہندوستانی دل پسند باندی کے بیٹوں کو مارتے ہیں یعنی بنی جمح کو جو قیس بن عاقل کے غلام ہیں)

عہد رسالت میں مکہ مکرمہ میں ہندوستانیوں اور جاٹوں کے رہنے کی ایک اور سند حدیث میں ملتی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مکہ جاٹوں سے اچھی طرح واقف تھے، اور انکی شکل وصورت اور لباس وہیئت کو خوب جانتے تھے، ابتدائے اسلام کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو بطحائے مکہ کی طرف لے گئے، یہاں انھوں نے جنات دیکھے جو اپنی شکل وصورت میں ہندوستان کے جاٹ معلوم ہوتے تھے، حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ہے:

فبينا انا جالس فى خطى اذاتاتنى رجال كانهم الزط اشعار هم

واجسامهم لا ارى عورة ولا ارى قشرا (ترمذی باب الامثال)

میں اپنے حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ میرے پاس کچھ لوگ آئے جو اپنے بال اور جسم میں جاٹ معلوم ہوتے تھے، میں ان کا ستر اور کھال نہ دیکھ سکا۔

حضرت ابن مسعودؓ کی اس تمثیل وتشبیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکہ مکرمہ میں رہ کر جاٹوں کی شکل وشباہت سے بخوبی واقف تھے۔

---

۱۳۶ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۵۹۳ و ۵۹۴ مطبع مصر و تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۵۷۔ تاریخ طبری میں القوم الذین کانھم ادرھوا ءا بنوالحارث ہے۔

مدینہ منورہ میں

مکہ مکرمہ کے بعد حجاز کا دوسرا مرکزی شہر مدینہ منورہ ہے، جہاں بحرین و عمان اور عراق و شام وغیرہ سے ہر قسم کا تجارتی کاروبار ہوتا تھا، عہد رسالت میں مدینہ منورہ میں ہندوستانیوں کے بارے میں کوئی واقعہ نہیں مل سکا، مگر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی جاٹ موجود تھے، چنانچہ امام بخاریؒ نے الادب المفرد کے باب "بیع الخادم من الاعراب" میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پروردہ حضرت عمریہ انصاریہؓ سے روایت کی ہے کہ:

ان عـائشة رضـي الـلـه عنها دبرت امة لها، فاشتكت عائشة، فسـال بنوا أخيها طبيبا من الزط۔ [۱۳۴]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک باندی کو مدبر فرمایا، اس کے بعد آپ بیمار ہوگئیں تو آپ کے بھتیجوں نے اس سلسلے میں ایک جاٹ طبیب سے مراجعت کی۔

یہ روایت امام ابوعبداللہ حاکمؒ نے المستدرک میں بھی بیان کی ہے [۱۳۵] غالباً یہ واقعہ جیسا کہ ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ میں جاٹ رہتے تھے، جن میں سے بعض دوا علاج بھی کرتے تھے، اور اغلب یہ ہے کہ وہ اس سے پہلے سے یہاں آباد تھے۔

تبوک کے اطراف میں

عرب کے شمال و مغرب میں بھی ہندوستانیوں کا نشان ملتا ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تبوک کے آس پاس یہ لوگ رہتے تھے، چنانچہ امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں غزوۂ تبوک کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابورہم رضی اللہ عنہ کی طویل ملاقات کا ذکر کیا ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے قبیلہ بنی غفار کے اس غزوہ میں نہ شریک ہونے والوں کے بارے میں سوال کیا اور ابورہم نے جواب دیا:

فـقـال مافعل النفر الحمر الطوال الثط، قال فحدثته بتخلفهم

---

۱۳۷ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۷۹ مطبوعہ ۱۳۷۵ھ مصر۔ ۱۳۸ الادب المفرد ص ۲۷ مطبعہ تازیہ مصر۔

قال فما فعل السود الجعاد القصار الذين لهم نعم بشبكة شرخ۔[136]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اس سرخ جماعت کا معاملہ کیا رہا، جنکے شکم بڑے ہیں، میں نے عرض کیا کہ وہ غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہوئے، پھر آپ نے دریافت فرمایا، ان سیاہ رنگ، گھونگھر بالوں والے پستہ قد لوگوں کا کیا حال ہے جن کے جانور مقام شبکہ شرخ میں ہیں۔

غالب گمان یہ ہے کہ اس حدیث میں ''النفر الحمر النط'' سے مراد بنو غفار کے ہندوستانی غلام اور موالی ہیں اور ''السود الجعاد القصار'' سے مراد حبشی غلام اور موالی ہیں۔

یہ مختصر سا بیان ان ہندوستانیوں اور ان کی آبادیوں کا ہے جو عرب میں آباد تھے، اگر احادیث اور تواریخ و سیر کی کتابوں کا تفصیلی مطالعہ اس نقطہ نظر سے کیا جائے تو مزید باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔

عرب میں آباد ہندوستانیوں کو دعوت اسلام

ہم نے گذشتہ صفحات میں عرب و ہند کے تعلقات کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ قدیم زمانہ سے عرب میں ہندوستان کے لوگ آباد تھے، اور عہد رسالت میں جب اسلام کی دعوت عام ہوئی اور اطراف و جوانب میں پھیلی تو عربوں کی طرح غیر عربوں میں بھی اس کی تبلیغ ہوئی، اور ایرانیوں، رومیوں، حبشیوں کی طرح ہندوستانیوں کو بھی اس نعمت سے حصہ ملا، اور یمن، بحرین اور نجد وغیرہ میں رہنے والے ہندوستانی باشندے نے بھی اسلام قبول کیا، گو اس کی تصریح و تفصیل کتب تواریخ و سیر اور احادیث میں نہیں ملتی ہے مگر جستہ جستہ واقعات اور اشارات سے اس کی نشاندہی ہوتی ہے، ہندوستانیوں میں کچھ ایسے بھی تھے جنھوں نے دعوت اسلام پر لبیک نہیں کہا، بلکہ وہ یہود و نصاریٰ اور مجوس کی طرح اپنے آبائی دین پر قائم رہے، اور ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا گیا جو دوسرے غیر مسلموں کے ساتھ کیا گیا۔

یہ موضوع بہت اہم اور دلچسپ ہے، مگر افسوس ہے کہ تلاش و جستجو کے باوجود اس پر بہت کم مواد مل سکا، بہر حال جو کچھ بھی ملا ہے اس پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

---

١٣٩ فضل اللہ الصمد ج ا ص ٢٦٠۔ ١٤٠ الادب المفرد امام بخاری ١١٢۔

جاہلی عربوں اور ہندوؤں میں مذہبی ہم آہنگی اور ہندوؤں کی عربوں کے معبدوں سے عقیدت مندی

جاہلی عربوں اور ہندوستان میں تجارتی، معاشی اور اقتصادی تعلقات کے علاوہ مذہبی اور اعتقادی تعلقات بھی تھے، اور دونوں ملکوں میں اس اعتبار سے بھی ہم آہنگی تھی کہ اصنام پرستی، مظاہر پرستی، اور کواکب پرستی دونوں میں عام تھی۔ عرب کے ہندوستانی اسی اشتراک عقیدہ کی بناپر عربوں میں بڑی آسانی سے کھپ جاتے تھے، جو ان ہی کی طرح کے عقائد وخیالات کے حامل تھے۔

علامہ عبدالکریم شہرستانی نے کتاب الملل والنحل کے مقدمہ میں لکھا ہے:

ان العرب واهند يتقاربان علىٰ مذهبٍ واحدٍ، واكثر ميلهم الىٰ تقرير خواص الاشياء والحكم بأحكام الماهيات والحقائق استعمال الامرالروحانية.[۱۳۷]

عرب اور ہند دونوں کا مذہب قریب قریب یکساں ہے، ان دونوں میں سے اکثروں کا رجحان اشیاء کے خواص کے ثبوت اور ماہیات وحقایق کے احکام پر چلنے اور روحانیات کے استعمال کرنیکی طرف ہے۔

اسی بات کو دوسری جلد میں ''آراء العرب فی الجاہلیہ'' کے ماتحت لکھا ہے:

قد ذكرنافي صدر الكتاب ان العرب والهند يتقاربان على مذهب واحدٍ واجملنا القول فيه حيث كانت المقارنة بين الامتين مقصورة علىٰ اعتبار خواص الاشياء والحكم باحكام الماهيات والغالب عليهم الفطرة والطبع.[۱۳۸]

ہم نے کتاب کے شروع میں ذکر کیا ہے کہ عرب اور ہند دونوں کا مذہب قریب قریب یکساں ہے اور وہاں اجمالاً بتایا ہے کہ دونوں قوموں کا مذہبی میل جول صرف اشیاء کے خواص اور ماہیات کے احکام کے اعتبار وحکم ہے اور دونوں پر فطرت وطبیعت کا غلبہ ہے۔

---

۱۴۱ کتاب الملل والنحل طبع قدیم مصر ج ۱ ص ۲ و ۳۔ ۱۴۲ ایضاً ج ۲ ص ۱۰۶۔

سبع ہیاکل ہندوعرب کے مشترک بت خانے تھے

ابتدا میں ہندوعرب کی مذہبی نوعیت یہی تھی، مگر بعد میں دونوں قوموں میں بت پرستی کا رواج ہوگیا، اور وہ بت پرست قوموں میں شامل ہوگئیں، دنیا کی بت پرست قوموں کے سات بڑے ہیاکل (بت خانے) تھے، جو سبع سیارہ کے نام سے موسوم تھے، مسعودی نے ان کی تفصیل یہ بیان کی ہے:

(۱) مکہ میں کعبہ زحل ستارہ کا ہیکل مان لیا گیا تھا (۲) ہیکل اصفہان، یہ مجوس کا آتشکدہ تھا (۳) ہندوستان میں سومنات (۴) بلخ میں نوبہار (۵) صنعاء یمن میں زہرا ستارہ کے نام کا بیت غمدان (۶) فرغانہ میں آفتاب کا ہیکل اور (۷) چین کا ہیکل۔

شہرستانی نے دنیا کے ان سات بتخانوں کے نام شمار کراتے ہوئے ان کو ہند اور عرب میں مشترک بتایا ہے اور لکھا ہے:

> وامـا بيـوت الاصـنـام التي كانت للعرب والهند فهي البيوت السبعة المعروفة المبنية على السبع الكواكب.
>
> عرب اور ہندوستان کے مشہور بت خانے سات ہیں جو سات ستاروں کے نام پر بنے ہوئے ہیں۔

(۱) بیت فارس، جبل اصفہان پر (۲) بت خانہ ملتان (۳) بت خانہ سومنات (۴) نوبہار بلخ (۵) بیت غمدان، صنعاء یمن (۶) بت خانہ فرغانہ اور (۷) مکہ میں کعبہ مس کے متعلق بعد میں یہ غلط طور پر مشہور کیا گیا کہ وہ زحل ستارہ کی مناسبت سے بنایا گیا ہے حالانکہ اس کے بانی نے اس کو ستاروں کے طواطع پر بنایا تھا، اور نہ اس کا نام بیت زحل رکھا گیا تھا کہ اسے بقاو دوام حاصل ہو، بلکہ کعبہ کو حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بنایا تھا، مگر عمرو بن لحی نے اپنی تولیت کے زمانہ میں بلقاء (ارض شام) سے پہلی مرتبہ بت لا کر کعبہ میں رکھا اور اس کا رواج ملک شابور ذی الاکتاف کے زمانہ سے عام ہوا، جو زمانہ اسلام تک جاری رہا، تا آنکہ فتح مکہ میں کعبہ کی تطہیر ہوئی۔[۱۳۹]

کعبہ کے بارے میں غلط عقیدہ

اس حقیقت کے باوجود بت پرستوں کی ایک جماعت کعبہ کے بارے میں بھی یہی عقیدہ رکھتی تھی

---

۱۴۳ - مروج الذہب ج ۲ ص ۲۳۸ تا ص ۲۴۱ طبع جدید مصر۔

کہ وہ زحل ستارے کے نام پر بنایا گیا ہے، اسی لئے اس میں دوام و بقاء کی شان پائی جاتی ہے مسعودی نے اس جماعت کا خیال نقل کیا ہے:

وقد ذهب قوم ان البيت الحرام وهو بيت زحل وانما طال عندهم بقاء هذا البيت على مرور الايام معظم في سائر الاعصار لانه جليت زحل، وان زحل تولاه، ولان زحل من شانه البقاء والثبوت، فما كان له فغير زائل ولا داثر، وعن التعظيم غير حائل.[۱۴۰]

ایک جماعت کا خیال ہے کہ کعبہ ہیکل زحل ہے اور اس لئے وہ مرور ایام کے بعد بھی قائم ہے اور مدت دراز سے ہر زمانہ میں معزز و محترم رہا ہے کیونکہ وہ زحل ستارہ کا ہیکل ہے، اور زحل ہے اس کا متولی و مالک ہے، زحل کے لئے بقاء و دوام ہے، جو چیز اس کے نام پر ہوگی اس میں زوال و تغیر نہیں ہوگا، بلکہ اس کی تعظیم و تکریم ہمیشہ باقی رہے گی۔

ہندوستان کے ہندو بھی ان ہی بت پرستوں میں تھے، جو کعبہ کو زحل ستارہ کا ہیکل مان کر اس کی تعظیم و تکریم کے قائل تھے، بلکہ وہ عرب کے بعض دوسرے بت خانوں کا بھی احترام کرتے تھے۔

کعبہ سے عقیدت

ہندوستان کے لوگوں اور یہاں کی چیزوں کو کعبہ سے کسی نہ کسی رنگ میں علاقہ رہا ہے، چنانچہ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ جس عبدالمطلب نے چاہ زمزم کو دوبارہ کھودا، تو اس کیا ندر سے سونے کے دو ہرن ملے جو قبیلہ بنو جرہم کے تھے:

ووجد فيها أسيافا قلعية وأدرعاً.[۱۴۱]

نیز اس میں انھوں نے کلہ کی تلواریں اور زر ہیں پائیں۔

اس سامان کے بارے میں قریش نے عبدالمطلب سے جھگڑ کر کے اپنا استحقاق ظاہر کیا، اور جب قرعہ اندازی ہوئی تو یہ تلواریں اور زرہیں عبدالمطلب کے حصہ میں آئیں اور تلواروں سے انھوں نے کعبہ کا دروازہ بنایا۔

---

۱۳۴ الملل والنحل ج ۲ ص ۱۰۷ و ۱۰۸۔ ۱۳۵ مروج الذہب ج ۲ ص ۲۳۷ طبع جدید مصر۔

یہ اسیاف قلعیہ وہ ہندی تلواریں ہیں جو یہاں کے شہر کلہ میں بنائی جاتی تھیں، مشہور سیاح ابودلف مسعر بن مہلہل ینبوئی کلہ کے متعلق لکھتا ہے:

وفیھا قلعة عظیمة فیہ معدن الرصاص القلعی لایکون الافی قلعتھا وفی ھذہ القلعة تضرب السیوف القلعیة وھی الھندیة العتیقة۔[۱۴۲]

اس شہر میں بہت بڑا قلعہ ہے، جس میں رانگے کی کان ہے، اور یہ صرف اسی قلعہ میں ہوتا ہے، اور اسی قلعہ کے اندر قلعی تلواریں بنائی جاتی ہیں، جو اعلیٰ قسم کی ہندی تلواریں ہوتی ہیں۔

مشہور شاعر فرزدق نے آل مہلب کی تعریف کے ضمن میں قلعیہ یعنی کلہ کی بنی ہوئی ہندوستانی تلواروں کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

متقلدی قلعیة وصوارم

ھندیة وقدیمة الاثار

(وہ لوگ قلعی تلواریں اور قدیم ہندوستانی شمشیر براں اپنی کمر سے باندھے ہوئے ہیں)

اس روایت سے اگرچہ یہ پتہ نہیں چلتا کہ کلہ کی ہندوستانی تلواروں کو یہاں کے لوگوں نے کعبہ کی نذر کیا تھا، یا خود عربوں نے ان کو خرید کر دفائن کعبہ میں رکھا تھا، مگر اتنا تو معلوم ہوتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کو چاہ زمزم کے اندر ہندوستان کی تلواریں ملیں، اور انھوں نے ان کو کعبہ کے دروازے میں استعمال کیا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک موجود تھا۔

کعبہ سے ہندوستانیوں کی قدیم عقیدت و تعلق کا پتہ بعد کے واقعات سے بھی چلتا ہے، چنانچہ خلیفہ مامون کے زمانہ میں تبت اور سندھ کے علاقہ کا ایک راجہ مسلمان ہوا، اس کے پاس انسانی شکل کا سونے کا ایک مرصع بت اور اس کا تخت تھا، اس نے اسلام قبول کرنے کے بعد ان دونوں گرانقدر چیزوں کو کعبہ نذر کر دیا، امام ابوالولید محمد بن عبداللہ ازرقی مکیؒ نے تاریخ مکہ میں اس کا تذکرہ نہایت تفصیل سے کیا ہے۔[۱۴۳]

---

۱۴۲ سیرت ابن ہشام ج۱ ص۱۴۲۔

قلیس سے عقیدت

کعبہ کے علاوہ عرب کے دوسرے معبدوں سے بھی ہندوستانیوں کو عقیدت تھی اور وہ ان سے اپنا تعلق ظاہر کرتے تھے، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ابرہہ نے صنعاء میں بیت غمدان کے پہلو میں ایک بہت بڑا ہیکل قلیس کے نام سے بنوایا تھا، تاکہ کعبہ کے حجاج کو مکہ سے ہٹا کر اس معبد کو عربوں کی عبادت گاہ قرار دے، قلیس عرب و عجم میں اپنی شان کا واحد معبد تھا، اس کی تعمیر میں جو پتھر استعمال کیے گئے تھے، اور سبز، سرخ، زرد اور سیاہ قیمتی پتھر اس طرح جوڑے گئے تھے کہ:

وفيها بين كل ساقين خشب من ساسم مدور الراص غلظ الخشبة......حضن الرجل وكان المدخل منه (الباب) الى بيت في جو فه طوله ثمانون ذراعاً في اربعين معلق العمل بالساج المنقوش، ومسامير الذهب والفضة.[۱۴۴]

ہر دوستونوں کے درمیان شیشم کی لکڑی تھی جس کا سرا گول تھا، اور جس کی موٹائی آدمی کے دونوں ہاتھ کے گھیر کے برابر تھی، اور باہری دروازہ سے بتخانے کے اندر جانے کا راستہ ساگوان کی منقش لکڑی کا بنا ہوا تھا، جو معلق تھا اور اس کی لمبائی اسی ہاتھ اور چوڑائی ۴۰ ہاتھ تھی، اس میں سونے اور چاندی کی کیلیں لگی تھیں۔

آگے چل کر اس کی بناوٹ اور سجاوٹ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

ودرج النمنبر من خشب الساج ملبسةً ذهبا وفضة، وكان في القبة أوفي البيت خشبة ساج منقو شة طولها ستون ذرا عايقال لها كعيب وخشبة من ساج نحوهافي الطول يقال لها امرأة كعيب كانوا يتبر كون بهما في الجاهلية وكان يقال لكعيب الاحوزى والاحوزى بلسانهم الحر.[۱۴۵]

منبر کی سیڑھیاں ساگوان کی لکڑی کی تھیں، جن پر سونا اور چاندی منڈھا ہوا

---

۱۴۷ یہ سیاح ۳۰۷ھ میں موجود تھا، اس نے عرب سے چین تک کا سفر کیا تھا، اس کے سفرنامہ کا اکثر حصہ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں چین کے ذکر میں نقل کر دیا ہے، ملاحظہ ہو معجم البلدان ج ۵ ص ۴۱۵۔

تھا اور گنبد میں سونے کی زنجیریں آویزاں تھی، اور اسی قبہ میں یا اندرونی
حصہ میں ساگوان کی ایک منقش لکڑی تھی جس کا طول ساٹھ ہاتھ تھا، اسے
کعیب کہتے تھے، اور اتنی ہی لمبی ایک دوسری ساگوان کی لکڑی تھی جسے
کعیب کی بیوی کہتے تھے، عرب کے لوگ دور جاہلیت میں ان دونوں
مورتیوں سے برکت حاصل کرتے تھے، اور کعیب کا نام ان کے یہاں
احوزی تھا، جس کے معنی ان کی زبان میں آزاد کے تھے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس معبد کی چوب عمارتی تمامتر ہندوستان کی شیشم اور ساگوان کی تھی، اور اسکے دونوں بت یعنی کعیب اور اس کی بیوی ساگوان کی لکڑی تراش کر بنائے گئے تھے، عجب نہیں کہ ہندوستان ہی کے بت تراشوں نے کعیب اور اس کی بیوی کی شکل بنائی ہو۔ کیونکہ ہندوستان اس فن میں قدیم زمانہ سے شہرت رکھتا ہے، اور عرب کے بت پرست اس میں کوئی خاص مہارت نہیں رکھتے تھے۔

عرب اور ہندوستان کے مشہور بت اور بت خانے اور ان کی مشترک باتیں

جس طرح ہندوستان میں کواکب پرستی اور ستاروں اور بتخانے اور ان کی مشترک باتیں کے نام پر بتخانوں کا رواج تھا، اسی طرح عرب کے بہت سے قبائل کواکب پرستی کرتے تھے اور بتخانے بناتے تھے، چنانچہ قاضی صاعد بن اندلسی نے طبقات الامم میں لکھا ہے کہ یہ قبائل ان ستاروں کی پوجا کرتے تھے، بنوحمیر سورج کی، بنوکنانہ چاند کی، بنوتمیم دبران کی، بنولخم اور بنوجذام مشتری کی، بنوطے سہیل کی، بنوقیس شعریٰ کی، بنواسد عطارد کی، قریش میں الحادو بددینی تھی، جسے انھوں نے اہل حیرہ سے لیا تھا، غرض اسلام کی ابتداء میں پورے عرب میں بت پرستی عام تھی، اور بنوتمیم میں مجوسیت تھی، اس قبیلہ کے مشہور مجوسی زرارہ بن حاجب بن زرارہ اقسرع بن حابس اور ابواسود تھے[۱۴۹]۔

عربوں کی بت پرستی کی تفصیل یہ ہے کہ ان کے بڑے بڑے بت ود، سواع اور یعوق تھے، دومۃ الجندل میں بنوکلب ود کو پوجتے تھے، بنوہذیل سواع کو پوجتے تھے، اہل یمن اور بن مذحج کا بت یغوث تھا، یمن کا قبیلہ بنوہمدان یعوق کی پرستش کرتا تھا، حمیر کے ذوالکلاع نسر کی پوجا کرتے تھے، طائف کے بنوثقیف کا بت لات تھا مکہ میں قریش کا بت عزیٰ تھا، بنوکنانہ اور بنوسلیم کے کچھ لوگ بھی

---

۱۴۸ بحوالہ رجال السند والہند ص ۲۹۶۔ ۱۴۹ اخبار مکہ ازرقی طبع مکہ مکرمہ ج ۱ ص ۸۴۔

عزیٰ کو پوجتے تھے، مدینہ میں اوس، خزرج اور غطفان کا بت منات تھا، عرب کے بتوں میں ہبل سب سے بڑا بت تھا، اس لئے اس کا مقام کعبہ کی چھت پر تھا، اساف اور نائلہ نامی دو بت صفا اور مروہ پر تھے، اور اس طرح ان کو عمرو بن لحی نے کعبہ کے سامنے نصب کیا تھا[۱۴۷]۔

ہندوستان اور سندھ کے جن ساحلی مقامات سے عربوں کو قدیم تعلق تھا، اور جہاں کے لوگ عرب میں آتے جاتے تھے، یا وہاں آباد ہو گئے تھے، ان مقامات میں بڑے بڑے بتخانے تھے، اور ان کے بارے میں الگ الگ عقائد و تصورات تھے، ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں ہندوستان کے ان ساحلی بت خانوں کے یہ نام دیئے ہیں: (۱) مانکیر (منگرور) کا بتخانہ اس میں بیس ہزار بت تھے اور اس کی عمارت ایک فرسخ کی لمبائی چوڑائی میں تھی، لوگ دور دور سے آکر یہاں قربانی اور نذریں پیش کرتے بلکہ جان تک چڑھاتے تھے۔ (۲) ملتان کا بت خانہ جو سبعہ ہیاکل میں سے ایک تھا، یہاں ہندوستان بھر سے پجاری آکر قربانیاں، بخور اور نیازیں چڑھاتے تھے (۳) بامیان کا بت خانہ (۴) قمار (راس کماری) کا بت خانہ صنف (ہند اور چین کے درمیانی شہر) کا بت خانہ وغیرہ[۱۴۸]۔

اس سے دونوں ملکوں کی کوکب و اصنام پرستی اور ان میں ہیکلوں کی کثرت کا پتہ چلتا ہے۔

عرب کے ہندو اور دعوت اسلام

جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے، ہندوستان کے لوگ عرب میں یوں تو اکثر مقامات میں موجود تھے، اور حضری اور بدوی دونوں قسم کی زندگی بسر کرتے تھے، مگر عرب کے سواحل میں خلیج عربی سے لے کر یمن کے اطراف تک میں خاص طور سے بکثرت موجود تھے، ان میں سے کچھ تو تجارتی کاروبار کرتے تھے، کچھ ایرانیوں کے ماتحت سیاست و حکومت کے کاموں میں دخیل تھے، اور کچھ آزاد زندگی بسر کر کے اپنا ذریعہ معاش تلاش کرتے تھے۔

عرب کے ان مشرقی اور جنوبی سواحل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر زمانہ میں اسلام کی دعوت عام فرمائی، جہاں اساورہ، ان کی اولاد ابنائے یمن، سیابجہ اور زط عام طور پر موجود تھے، اس لئے یہاں کے مشرک اور مجوس عربوں کی طرح بہت سے عجمی باشندے بھی اسلام لائے، جن میں ایرانی، ہندی، سندھی اور حبشی وغیرہ سب ہی شامل تھے۔

---

۱۵۰ ایضاً ص ۵۸۔ ۱۵۱ طبقات الامم ص ۵۷۔ ۱۵۲ الملل والنحل شہرستانی ج ۲ ص ۱۰۹ طبع قدیم۔

یمن میں دعوت اسلام اور وہاں کے ہندوستانی

عرب کے ان عجمیوں میں ہماری تحقیق میں سب سے پہلے یمن کے علاقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام عام ہوئی اور یہاں کے عربی باشندوں کی طرح عجمی باشندے بھی مسلمان ہوئے، یمن کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے کہ کسریٰ انوشیرواں کے وقت میں یہاں پر سندھیوں کی بڑی تعداد موجود تھی، ان کی قوت وشوکت کا حال یہ تھا کہ جب حبشیوں نے یمن پر قبضہ کیا تو انوشیرواں نے وہاں کے عرب حاکم سیف بن ذی یزن سے دریافت کیا کہ:

ای الاغربه الحبشة ام السند.[149]

کن اجنبی لوگوں نے قبضہ کیا ہے، حبشی یا سندھی؟

حضرت باذان حاکم یمن

بعد میں اسی یمن کے ایرانی حاکم حضرت باذان رضی اللہ عنہ ۶ھ یا ۷ھ نبوی میں اسلام لائے، سیرت ابن ہشام میں ہے کہ یمن پر کسریٰ کے قبضہ کے بعد پہلا ایرانی حاکم وہرز ہوا، پھر اس کا بیٹا مرزبان، پھر اس کا بیٹا تیجان، پھر اس کے بیٹے کو کسریٰ نے یمن کی حکومت دی، مگر بعد میں اسے معزول کر کے باذان کو حاکم بنایا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک وہاں کا حاکم رہا، چنانچہ جب کسریٰ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر ہوئی تو اس نے باذان کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مکہ میں قریش کے ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، لہٰذا تم اس کے پاس جاؤ اور اس دعویٰ سے اس کو باز رکھنے کی کوشش کرو، اگر وہ توبہ کر لے تو خیر ورنہ اس کا سر قلم کر کے میرے پاس بھیجدو، باذان نے خود جانے کے بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسریٰ کا یہ خط بھیج دیا، آپ نے باذان کو جواب میں تحریر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ کسریٰ فلاں مہینے کی فلاں تاریخ کو قتل کر دیا جائے گا، جب باذان کے پاس یہ نامہ نبوی آیا تو اس نے صورت حال کے انتظار میں اس کو روکے رکھا کہ اگر یہ شخص نبی برحق ہوگا تو اس کی بات سچ ہو کر رہے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ رسول اللہ نے جس دن کسریٰ کے قتل ہونے کی خبر دی تھی، اسی دن اس کے لڑکے شیرویہ نے اس کا کام تمام کر دیا، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کسریٰ کے قتل کی تاریخ شب دوشنبہ ۱۰ جمادی الاخریٰ ۷ھ بتائی ہے[150]، باذان یہ معجزہ

---

۱۵۳ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب الفہرست ص ۸۵ ل و ۴۸۶۔

دیکھ کر اپنے ساتھیوں سمیت مسلمان ہو گیا:

فلما بلغ ذلک باذان بعث باسلامه واسلام من معه من الفرس الیٰ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقالت الرسل من الفرس لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الی من نحن یارسول اللّٰه قال انتم منا والینا اهل البیت۔[۱۵۱]

جب باذان کو کسریٰ کے قتل کی خبر پہنچی تو انھوں نے اپنے اور اپنے ساتھی ایرانیوں کے مسلمان ہونے کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجدی، ان ایرانی قاصدوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارا شمار کن لوگوں میں ہوگا، آپؐ نے فرمایا تم لوگ ہمارے اہل بیت میں شمار کیے جاؤ گے۔

کتاب السیرۃ المحمدیۃ والطریقۃ الاحمدیہ میں ہے کہ جب باذان کے پاس کسریٰ کے مرنے کی خبر آئی تو وہ بیمار تھے، ان کے اساورہ نے جمع ہو کر دریافت کیا کہ کسریٰ کے قتل ہو جانے کے بعد اب ہم کس کو اپنا امیر و حاکم بنائیں، انھوں نے ان کو اسلام قبول کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا مشورہ دیا۔

فاجتمعت له اساورة فقال؟ من نومر علینا؟ فقال اتبعوا هذا الرجل وادخلوا فی دینه واسلموا۔[۱۵۲]

اساورہ نے ان کے پاس جمع ہو کر کہا کہ اب ہم کس کو اپنا امیر بنائیں تو انھوں نے مشورہ دیا کہ اس آدمی (رسول اللہ) کی اتباع کرو اور ان کے دین میں داخل ہو کر مسلمان ہو جاؤ۔

حضرت باذان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی اساورہ، شاہ ایران کے گماشتے تھے، مگر جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے، شاہان ایران کی فوج میں ہندوستان کے جاٹ اور مید بھی شامل تھے، اور ہندوستان کے فوجی سواروں کو بھی اساورہ کہا جاتا تھا، جو بڑی تعداد میں ایرانی اساورہ کے ساتھ عرب میں پائے جاتے تھے اس لئے حضرت باذانؓ اور دوسرے مسلمان ہونے والے اساورہ کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا کہ وہ

۱۵۲ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۶۳ و کتاب التیجان ص ۳۰۴ و تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۱۶۔

ایرانی تھے یا ہندوستانی یا دونوں تھے بعض قرائن سے حضرت باذان کا ہندوستانی ہونا معلوم ہوتا ہے، چنانچہ علامہ ذہبی نے تجرید اسماء الصحابہ میں ان کا تذکرہ تین نسبتوں سے کیا۔(۱) باذان الفارسی (۲) باذان ملک الہند (۳) باذان ملک الیمن، ان تینوں میں باذان سے مراد یہی حضرت باذانؓ ہیں، جنھوں نے کسریٰ کے قتل ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے اور اساورہ کے اسلام لانے کی خبر بھیجی تھی، ان کے تذکرہ میں ہے کہ:

(۱)''باذان الفارسی، یمن کے ابناء میں سے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اسلام لائے وہ ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے اسود عنی کے قتل میں حصہ لیا''

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ:

(۲) باذان ملک الهند، ذکره ابن مفرز قال لماقتل کسری بعث باذان باسلامه واسلام من معه الی رسول الله صلی الله علیه وسلم حکاه ابن هشام."

باذان ملک الہند کے تذکرے میں ابن مفرز نے لکھا ہے کہ جب کسریٰ قتل کر دیا گیا تو انھوں نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے اسلام کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دی، جیسا کہ ابن ہشام کا بیان ہے۔

(۳) پھر لکھا ہے کہ باذان ملک الیمن کا تذکرہ اقدی نے سبا کے اسلام لانے والوں میں کیا ہے، میرا خیال ہے یہ وہی باذان ہیں جنھوں نے اسود عنسی کے قتل میں کام کیا ہے۔[۱۵۴]

ان تینوں ناموں میں اس طرح تطبیق دی جا سکتی ہے کہ حضرت باذانؓ تینوں نسبتوں سے تاریخ میں متعارف ہیں، فارسی اس لئے کہلاتے ہیں کہ فارس کے رہنے والے تھے، کامل ابن اثیر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت باذانؓ کا خاندان خراسان کے شہر مروالروز کا تھا، چنانچہ عہد عثمانی میں ۳۱ھ میں جب حضرت احنف بن قیس نے خراسان کو فتح کر کے مروالروز پر فوج کشی کی تو وہاں کے ایرانی حاکم نے جو حضرت باذانؓ کا قرابتدار تھا صلح کر لی، اور اس قرابت کو صلح کے لئے بہانہ بنایا۔

وکان مرز بانها من اقارب باذان صاحب الیمن فکتب الی الاحنف انه دعانی الی الصلح اسلام باذان فصالحه علی

۱۵۵ فتح الباری ج ۸ ص ۱۰۴۔ ۱۵۶ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۶۹۔

ستمائة الف.[۱۵۴]

مرو الروز کا حاکم باذان صاحب یمن کے رشتہ داروں میں سے تھا، اس نے احنف کو لکھا کہ میری صلح کا باعث باذان کا مسلمان ہو جانا ہے، چنانچہ اس نے حضرت احنفؓ سے چھ لاکھ سالانہ پر صلح کر لی۔

اس تصریح سے حضرت باذانؓ کا فارسی ہونا بالکل واضح ہو جاتا ہے، اور ملک الیمن ہونا بھی اس لئے صحیح ہے کہ کسریٰ نے ینجان کے بیٹے کو یمن کی حکومت سے معزول کر کے باذان کو وہاں کا حاکم بنایا، اور ان کی حکومت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک رہی یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو گئے۔

باقی رہا باذان کا ملک الہند ہونا تو یوں کہ ان کا خاندان پہلے ہندوستان میں کسی جگہ حکمران رہا ہو، اور یہاں کے بے شمار راجوں مہاراجوں کی طرح کسی علاقہ کی حکومت یا کسی مہاراجہ کی نیابت حاصل رہی ہو، اور بعد میں اس خاندان نے فارس جا کر ایرانی دربار میں اپنی حاکمانہ صلاحیت کا ثبوت دیا ہو، اور شاہان ایران نے مرو الروز کی مرزبانیت یعنی نیابت عطا کر دی ہو، جس طرح ہندوستان کے اساورہ ایرانیوں کی فوج اور حکومت میں رہا کرتے تھے مگر حافظ ابن حجر کے نزدیک حضرت باذانؓ کے ملک الہند ہونے میں کلام ہے، انھوں نے الاصابہ میں لکھا ہے کہ باذان الفارسی اور باذان ملک الیمن دونوں قطعاً ایک ہی شخص ہیں اور باذان ملک الہند کے بارے میں خیال ہے کہ اسے ملک الیمن ہونا چاہیے۔

قوله ملك الهند فيه نظر و الصواب ملك اليمن.[۱۵۵]

ذہبی نے باذان کو جو ملک ہند بتایا ہے اس میں نظر اور کلام ہے اور صحیح ملک یمن ہے۔

صاحب سیرۃ محمدیہ نے بھی حافظ ابن حجر کی موافقت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

ولعله بحف في لفظ ملك الهند لعله ملك اليمن فكتب كلمة الهند مكان اليمن والله اعلم.[۱۵۶]

شاید ملک ہند میں سہو ہو گیا ہو اور شاید ملک یمن ہو، اور یمن کی جگہ ہند لکھ دیا ہو۔

حافظ ابن حجر کا خیال مسلم ہے، مگر حافظ ذہبی کے خیال کو بھی اگر صحیح تسلیم کر لینے کی وجہ مل جائے تو

۱۵۶ سیرت محمدیہ فی ذکر کتابہ صلی اللہ علیہ وسلم الی برویز بن ہرمز بن انوشیروان۔

ایک حفظ حدیث و مورخ اسلام اور امام علم وفن کی طرف غلطی یا تصحیف کی نسبت سے بہتر ہوگا، جو حافظ ابن حجر سے کسی طرح کم درجہ کے نہیں ہیں، ہم نے حضرت باذان کو ملک ہند کہنے کی جو وجہ بیان کی ہے، گو وہ زیادہ قوی نہیں ہے، مگر قابل غور ضرور ہے، اور اس سے حافظ ذہبی کی بات سمجھ میں آسکتی ہے۔

حضرت بیرزطن ہندی یمنی

اسی علاقہ یمن کے ایک خالص ہندوستانی بزرگ حضرت بیرزطنؓ ہندی یمنی رضی اللہ عنہ ہیں، یہ ہندوستانی طریقہ علاج کے ماہر طبیب تھے، انھوں نے بڑی عمر پائی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اسلام قبول کیا، لیکن آپ سے ملاقات کا ثبوت نہیں ملتا، حافظ ابن حجر نے ان کا تذکرہ الاصابہ کی تیسری فصل میں کیا ہے، جس میں ایسے حضرت کا بیان ہے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مبارک پایا ہے اور آپ کی حیات طیبہ ہی میں یا اس کے بعد اسلام لائے۔

ان کا تذکرہ اصابہ میں اس طرح ہے کہ شیخ حسن بن محمد شیرازی نے کتاب السوانح میں اپنے شیخ جعفر بن محمد شیرازی کی روایت سے لکھا ہے:

بیز زطن الھندی، شیخ کان فی زمن الأکاسرۃ له خیر مشھور فی حشیش القنب وانه اول من اظھر ھا بتلک البلاد، واشھر امرھا عنه بالیمن، ادرک ھذا الشیخ الاسلام فاسلم۔[157]

بیرزطن ہندی، شاہان ایران کے زمانہ میں ایک بوڑھے آدمی تھے، بھنگ کے علاج میں ان کا واقعہ مشہور ہے، اس کو ان اطراف میں سب سے پہلے انہی نے رواج دیا تھا، اور یمن میں اس کی شہرت انکی وجہ سے ہوئی، انھوں نے اسلام کا زمانہ پایا اور اسے قبول کیا۔

حضرت بیرزطن ہندی رضی اللہ عنہ وہ پہلے خوش قسمت ہندوستانی ہیں، جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ یا کم از کم آپ کے زمانہ سے قریب تر عہد پایا، اس قربت زمانی کے ساتھ ساتھ قربت ملکی میں بھی پہلے ہندوستانی باشندے ہیں۔

حضرت باذانؓ حاکم یمن اوران کے اساورہ کے اسلام لانے کے بعد جن میں ایرانی، ہندوستانی

158۔ تجرید اسماء الصحابہ ج ۱ ص ۲۵ طبع حیدر آباد۔ 159۔ کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۴۸۔

اور سندھی سب ہی شامل تھے، یمن اور اطراف میں عربوں کی طرح عام عجمی باشندے بھی اسلام لائے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے مسلمانوں پر حضرت زبرقان بن بدر رضی اللہ عنہ کو اپنا حاکم مقرر فرمایا، طبری کا بیان ہے:

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم توفی، وقد فرق فیھم عمالہ فکان الزبرقان ابن بدر علی الرباب وعوف والا بناء فیما ذکر السری.[158]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال اس حال میں ہوا کہ آپ اپنے عمال کو عربوں میں مقرر فرما چکے تھے، چنانچہ زبرقان بن بدر کو قبیلہ رباب اور عوف اور ابنائے یمن پر مقرر فرمایا تھا، جیسا کہ سری نے ذکر کیا ہے۔

نجران میں دعوت اسلام اور وہاں کے ہندوستانی

یمن کے مشہور علاقہ نجران میں بھی ہندوستانی موجود تھے، چنانچہ ۱۰ھ میں جب نجران سے بنی حارث بن کعب کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان کو دیکھتے ہی ان پر ہندوستانی ہونے کا شبہ ظاہر فرمایا اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ:

من ھو لاء القوم الذی کانھم رجال الھند.[159]

یہ کون لوگ ہیں جو ہندوستانی آدمی معلوم ہوتے ہیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف و جوانب کے امراء و حکام کو دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائے تو نجران کے عام باشندوں کے نام بھی ایک دعوت نامہ روانہ فرمایا امام طبریؒ لکھتے ہیں:

وکتب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم الیٰ اھل نجران الیٰ عربھم وساکنی الارض من غیر العرب فثبتو افتحو وانضمو الیٰ مکان واحد.[160]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عربوں اور وہاں آباد غیر عرب باشندوں کے پاس خط لکھا، اس پر وہ لوگ اسلام پر قائم رہتے ہوئے اپنی جمعیت لے کر ایک مقام پر رہنے لگے۔

---

۱۶۰ الاصابہ ج ا ص ۶۹۷ طبع جدید مصر۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غیر عرب باشندگان نجران میں وہاں کے ایرانیوں کی طرح ہندوستان اور سندھ کے باشندے بھی داخل رہے ہوں گے، جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام پر لبیک کہا اور اپنی ایک الگ بستی بنالی تھی۔

بحرین اور عمان وغیرہ میں دعوت اسلام اور وہاں کے ہندوستانی

گزشتہ تصریحات سے معلوم ہو چکا ہے، کہ عراق کے شہر ابلہ سے لے کر خلیج عربی کے پورے طفوف وسواحل اور سیف میں ہندوستانیوں کی مختلف جماعتیں مختلف ناموں سے پھیلی ہوئی تھیں، اور بحرین وعمان کے تمام علاقے ان سے آباد تھے، جن میں خط، قطیف، آرہ، ہجر، بینونہ، زارہ، جواثا، سابور، دارین، غابہ اور دبا وغیرہ شامل تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیات طیبہ کے آخری حصہ میں عرب کے ان سواحل اور ان کے اطراف کے عوام وخواص کو اسلام کی دعوت کے خطوط روانہ فرمائے، جن میں یہاں کے عربوں کی طرح یہاں کے ہندوستانی باشندے بھی مخاطب تھے:

عمان میں نامہ مبارک کے جانے کا حال حافظ ابن عبدالبر نے استیعاب میں اور حافظ ابن حجر نے اصابہ میں حضرت ابوشداد ذماری عمانی رضی اللہ عنہ کے حالات میں ان کی زبانی اس طرح نقل کیا ہے کہ ہمارے پاس عمان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ آیا تو کوئی ایسا آدمی نہ مل سکا جو اسے پڑھ کر سنا سکے، ہم نے ایک لڑکے کو بلا کر اسے سنا، راوی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابوشداد ؓ سے دریافت کیا کہ اس وقت عمان پر کون حاکم تھا، تو انھوں نے بتایا کہ:

اسوار من اساورة كسرىٰ.[161]

کسریٰ کے اساورہ میں سے ایک اسوار حکمران تھا۔

ظاہر ہے کہ عمان کے ایرانی حاکم اسوار کے معین ومددگار دوسرے اساورہ بھی وہاں تھے، جیسا کہ عرب کے ایرانی مقبوضات میں ایرانیوں کی حکومت کا طریقہ تھا، معلوم ہو چکا ہے کہ ایران کے اساورہ میں ہندوستان کے جاٹ اور سیابجہ وغیرہ شامل تھے، اس لئے عمان کے یہ جاٹ وغیرہ بھی اس نامہ مبارک کے مخاطب رہے ہوں گے۔

---

[161] السیر ۃ الحمدیہ فی ذکر کتابہ صلی اللہ علیہ وسلم الی برویز بن ہرمز بن کسریٰ۔

وضائع کسریٰ کون تھے؟

بحرین کے مشہور مرکزی مقام ہجر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور سے کسریٰ کے خدام ومتوسلین کو دعوت اسلام دی اور اس کے لئے مستقل آدمی یا خط بھیجا، علامہ بلاذری لکھتے ہیں:

بعث رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم الیٰ وضائع کسریٰ یهجر فلم یسلمو افوضع علیهم الجزیة دیناراً علی کل رجل منهم.[۱۶۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر میں کسریٰ کے ریغمالوں کے پاس اسلام کی دعوت بھیجی، اور جب وہ اسلام نہیں لائے تو ان کے ہر مرد پر ایک دینار سالانہ جزیہ مقرر کر دیا۔

''وضائع کسریٰ'' کون لوگ تھے؟ اور عرب میں ان کی کیا حیثیت تھی؟ اس کے متعلق لسان العرب کا بیان ہے:

والو صیعة قوم من الجند یوضعون فی کورة، لایغزون منها والو ضائع والو ضیعة قوم کان کسریٰ ینقلهم من ارضهم فیسکنهم ارضا اخری حتی یصیرو ابها وضیعة ابداً وهم الشحن والمسالح قال الازهری والو ضیعة الوضائع الذین وضعهم کسری فهم شبه الرهائن کان یرتهنهم وینز لهم بعض بلاده.[۱۶۳]

وضیعہ وہ سپاہی ہیں جو ضلع میں رکھے جاتے ہیں اور وہ اس سے باہر جنگ

---

[۱۶۲] الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد ا ص ۱۷۸ طبع جدید مصر، میں نے قدیم مصری نسخہ پر اعتماد کر کے جو کلکتہ اور مصر کے مطبوعہ کو سامنے رکھ کر چھپا تھا، رجال السند والہند ص ۸۶ میں ان کا نام؟؟؟ ہندی لکھا ہے، مگر اصابہ کے جدید نسخہ میں بیرزطن ہے اور اس کی صحت کے بارے میں درج ہے کہ ''قوبلت هذه الطبعة علی عدة نسخ بدار الکتب المصریة وعلی جملة نسخ مطبوعة بمصر''۔ اس لئے اب بیرزطن ہی کو صحیح سمجھنا چاہئے۔

[۱۶۳] تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۳۱۔ [۱۶۴] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۵۹۳ وتاریخ طبری ج ۳ ص ۱۵۶۔

نہیں کرتے اور وضائع ایک جماعت تھی جسے کسریٰ اس کے وطن سے منتقل کر کے دوسری جگہ آباد کرتا تھا، جہاں وہ ہمیشہ اس خدمت کے لئے مخصوص رہتے، وہ فوج اور سپاہی کا کام دیتے تھے ازہری کا قول ہے کہ وضیعہ وہ لوگ ہیں جن کو کسریٰ نے ذلیل کیا تھا وہ یرغمال کے مشابہ تھے جن کو وہ اپنے بعض علاقوں میں آباد کرتا رہتا تھا۔

وضیعہ اور وضائع کے اس مفہوم میں اگر چہ بظاہر کسریٰ کے نوکر چاکر اور بیگار قسم کے سپاہی شامل ہیں، مگر ان میں ہندروستان کے جاٹوں اور دوسری جماعتوں کا موجود ہونا بھی قرین قیاس ہے، اس لئے وہ بھی دعوت اسلام کے مخاطب رہے ہوں گے۔

قطیف، خط اور دارین میں دعوت اسلام اور وہاں کے ہندوستانی

اسی طرح ہجر اور اس کے اطراف کے شہر قطیف اور خط، دارین وغیرہ ہیں ان میں عہد رسالت میں جاٹ اور سیابجہ کی اچھی خاصی آبادی تھی، اور آپ کی وفات کے بعد جب ان اطراف میں ارتداد کی وبا پھوٹی تو حطم بن ضبیعہ مرتدین سے الگ بچے کھچے کفار کی جماعت کو لے کر اور یہاں کے زط اور سیابجہ کو ساتھ ملا کر مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہوا۔

حتی نزل القطیف وھجر واستغوی الخط ومن فیھا من الزط والسیابجة وبعث الیٰ دارین.[164]

حطم نے قطیف اور ہجر میں آ کر مقام خط کے باشندوں کو گمراہ کیا، نیز یہاں کے جاٹ اور سیابجہ کو بہکا کر دارین کی طرف بھیجا۔

اس سے ظاہر ہے کہ خط کے پورے علاقے کے وہ ہندوستانی بھی مکتوب نبوی کے مخاطب تھے، جنھوں نے بعد میں حطم بن ضبیعہ کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔

بحرین پر عہد رسالت میں فارس کی حکومت تھی اور اس کے اطراف و جوانب میں عجمیوں اور ایرانیوں کی بستیاں تھیں، عرب قبائل میں عبدالقیس، بکر بن وائل اور بنو تمیم بدوی زندگی بسر کرتے تھے، چونکہ وہاں ان ہی عربوں کی کثرت تھی، اس لئے ایرانیوں کی طرف سے وہاں کے حکمراں عرب ہی مقرر کیئے جاتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہاں کے عرب حاکم حضرت منذر بن سادی

---

۱۶۵ تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۱۶۔ ۱۶۶ الاستیعاب بر حاشیہ اصابہ ج ۴ ص ۱۰۵۔

رضی اللہ عنہ تھے۔

ہجر میں دعوت اسلام اور وہاں کے ہندوستانی

اسی طرح بحرین کا مرکزی شہر ہجر اس وقت بہت آباد تھا، جہاں عربوں کے علاوہ اہل عجم میں سے یہود، نصاریٰ اور مجوس کی بڑی تعداد آباد تھی، عہد رسالت میں یہاں شاہ ایران کی طرف سے حضرت سیبخت مرزبان تھے، ہجر کے باشندوں کے لئے تاریخ میں اہل فرس، اہل عجم اور اہل ارض وغیرہ کے الفاظ آتے ہیں، جن میں مجوس، یہود اور نصاریٰ سب شامل ہیں اور ان ہی میں ہندوستان کے زط، سیابجہ اور اساورہ بھی تھے، جن پر مجوس کا اطلاق ہوتا تھا، کیونکہ عرب میں ہندوستانی باشندوں کو مجوس ہجر وغیرہ کے ساتھ فرمایا۔

بلاذریؒ نے فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ ۸ ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور ان کے ذریعہ منذر بن ساوی حاکم بحرین اور سیبخت مرزبان ہجر کو خطوط روانہ کئے جن میں اسلام کی دعوت تھی اور اس دعوت پر انھوں نے لبیک کہا۔

> فاسلما واسلم معهما جميع العرب، هناك وبعض العجم فاما اهل الارض من المجوس واليهود والنصارىٰ فانهم صالحو االعلاء.
>
> یہ دونوں حاکم اسلام لائے اور ان کے ساتھ وہاں کے تمام عرب باشندے اور کچھ عجمی اسلام لائے، مگر وہاں کے آباد مجوس، یہود اور نصاریٰ نے اسلام نہیں قبول کیا اور حضرت علاءؓ سے صلح کر لی۔

حضرت علاء حضرمیؓ نے بحرین کے ان غیر مسلموں کے لئے یہ صلح نامہ تحریر فرمایا:

> بسم الله الرحمن الرحيم
>
> هذا ما صالح عليه العلاء الحضرمي أهل البحرين، صالحهم على ان يكفونا العمل ويقاسمونا التمر فمن لم يف بهذا فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين.
>
> واما جزية الرؤوس فانه اخذ لها من كل حالم ديناراً

---

۱۶۷ فتوح البلدان ص ۹۲۔ ۱۶۸ لسان العرب ج ۸ ص ۳۹۹۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس صلح نامہ کے مطابق علاء حضرمی نے اہل بحرین سے صلح کی اور یہ شرط قرار پائی کہ وہ کھجور کے باغات میں خود کام کریں گے اور کھجور میں ہمارا حصہ بھی لگائیں گے، جو اس شرط کو پورا نہیں کرے گا اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو، اور جزیہ کا حساب یہ ہے کہ ہر بالغ مرد سے ایک دینار لیا جائے گا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کے مسلمانوں کے نام یہ مکتوب روانہ فرمایا:

اما بعد: فانكم اذا اقمتم الصلوة وا تيتم الزكوة ونصحتم لله ورسوله واتيتم عشر النخل ونصف عشر الحب ولم يمجسوا اولادكم فالكم ما اسلمتم عليه غير ان بيت النار لله ورسوله وان ابيتم فعليكم الجزية.[165]

حمد وصلوٰۃ کے بعد اگر تم لوگ نماز قائم کرو گے اور زکوٰۃ ادا کرو گے اور اللہ ورسول کی خیر خواہی کرو گے اور کھجوروں کا عشر اور غلہ کا نصف عشر دو گے اور اپنی اولاد کو مجوس نہیں بناؤ گے تو جس حالت میں مسلمان ہوئے ہو اس کے تمام حقوق تم کو حاصل رہیں گے، البتہ آتشکدہ اللہ ورسول کے تصرف میں ہوگا اور اگر تم ان شرائط کا انکار کرو گے تو پھر پر جزیہ لازم ہوگا۔

اس طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بحرین میں جنگ اور قتال کی نوبت نہیں آئی، بلکہ بہت سے باشندوں نے جن میں عربی قبائل زیادہ تھے، برضا و رغبت اسلام قبول کرلیا، اور کچھ لوگوں نے جن میں زیادہ تر عجم کے مجوسی اور کچھ یہودی تھے، اسلام قبول کرنے کے بجائے حضرت علاء حضرمیؓ سے غلہ اور کھجور کی نصف پیداوار کی تقسیم پر صلح کرلی۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علاء حضرمیؓ کو بحرین اور ہجر میں ۶ھ میں روانہ فرمایا تھا، جب آپ نے اطراف وجوانب کے بادشاہوں اور حکمرانوں کے نام اسلام کے دعوت نامے روانہ فرمائے تھے۔

---

۱۶۹ تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۵۵ و ۲۵۶۔ ۱۷۰ فتوح البلدان ص ۸۹۔ ۱۷۱ فتوح البلدان ص ۹۱۔

مقام ہجر کا معاملہ بحرین سے کچھ مختلف رہا، یہاں مجوسیوں کی آبادی زیادہ تھی، جب یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اسلام کی دعوت آئی تو یہاں بھی اسلام کے مقابلہ میں جزیہ دینا قبول کرلیا۔

ودعا اهل هجر فكانوا بين راض وكاره اما العرب فاسلموا، واما المجوس واليهود فرضوا بالجزية فاخذت منهم.[166]

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ہجر کو اسلام دعوت دی جسے کچھ لوگوں نے پسند کیا اور کچھ نے پسند نہیں کیا، عرب تو مسلمان ہو گئے مگر مجوس اور یہود جزیہ ادا کرنے پر راضی ہوئے اور ان سے جزیہ وصول کیا گیا۔

بحرین اور ہجر سے جزیہ کی جو پہلی قسط آپ کی خدمت میں آئی تھی اس کی تعداد اسی ہزار تھی، آپ کی زندگی میں باہر سے اتنی کثیر آمدنی نہ اس سے پہلے ہوئی نہ اس کے بعد۔

پیغمبر اسلامؐ اور ہندوستان کے باشندے

رسولؐ اور صحابہؓ کی زبان پر ہندوستان کا نام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ ہندوستان کے لوگوں اور یہاں کی چیزوں سے اچھی

---

167 سبحۃ المرجان فی آثار الہندوستان از غلام علی آزاد ص ۶ طبع بمبئی۔

طرح واقف تھے، اور متعدد مواقع پر آپ کی زبان مبارک پر اس کا ذکر آیا ہے، امام ابن ابی حاتم رازیؒ، امام ابوعبداللہ حاکمؒ، امام ابن جریر طبریؒ اور امام سیوطیؒ نے حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے یہ روایت کی ہے، اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے:

ان اول ما اهبط اللّٰه آدم الیٰ ارض الهند، وفی لفظ بدجنی ارض الهند.[167]

حضرت آدمؑ سب سے پہلے سرزمین ہند میں اتارے گئے اور ایک روایت میں ہے کہ سرزمین ہند کے دکھن میں اتارے گئے۔

علماء کا قول ہے کہ یہاں پر دجنی دکھن یا دکھنا کا معرب ہے، اور اس سے مراد سرندیپ ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے ایک دوسری روایت منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حضرت آدمؑ پہلے مکہ میں بیت اللہ کی جگہ پر اتارے گئے تھے، پھر یہاں سے ہندوستان گئے۔

فتخطی فاذاهو بارض الهند فمکث هنا لک ماشاء اللّٰه ثم استو حش الی البیت.[168]

آدمؑ مکہ سے چل کر ہندوستان پہنچے اور جب تک اللہ نے چاہا وہاں رہے، پھر بیت اللہ کی طرف لوٹ آئے۔

مشہور تابعی عالم حضرت عطاء ابن ابی رباح نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں یہ روایت بیان کی ہے:

ان آدم هبط بارض الهند ومعه اربعة اعوادٍ من الجنة فهی هذه التی یتطیب الناس بهاوانه حج هذا البیت.[169]

آدم سرزمین ہند میں اتارے گئے اور ان کے ساتھ جنت کی چار شاخیں بھی تھیں، جن سے لوگ خوشبو حاصل کرتے ہیں، انھوں نے وہاں سے بیت اللہ کا حج بھی کیا۔

ہندوستان میں جہاد کرنے کی فضیلت و بشارت

۱۶۷ القری تھا، صدام القری، محب الدین طبری مکی ص ۲۲ طبع مصر۔ ۱۶۸ ایضاً ص ۲۱۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں ہندوستان جانا پہچانا ملک تھا، بلکہ اس کے متعلق حضرت آدمؑ کی وجہ اس ایک گونہ احترام کا جذبہ پایا جاتا تھا، اس سے بڑھ کر اہم روایت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندوستان میں جہاد کرنے کی پیشن گوئی فرماتے ہوئے اس میں شریک ہونے والوں کو نار جہنم سے مامون و محفوظ ہونیکی بشارت دی ہے، امام نسائیؒ نے اپنی سنن میں اس حدیث کے لئے ''باب غزوۃ الہند'' کا مستقل عنوان قائم کیا ہے، اور امام طبرانیؒ نے معجم میں اس کی سند کو جید بتایا ہے، حضرت ثوبانؓ مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عصابتان من امتی احرزھما اللّٰہ من النار، عصابۃ تغزو الھند وعصابۃ تکون مع عیسیٰ بن مریم علیھما السلام.[170]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت کے دو گروہوں کو اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ سے محفوظ رکھا ہے، ایک وہ گروہ جو ہندوستان میں جہاد کرے گا اور دوسرا وہ گروہ جو حضرت عیسیٰ بن مریم کا ساتھ دے گا۔

اسی بشارت نبوی پر حضرت ابو ہریرہؓ نے ہندوستان کے جہاد میں شرکت کی آرزو اور جان و مال قربان کرنے کی پیش کش کی، چنانچہ مسند احمد اور سنن نسائی میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ:

وعدنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم غزوۃ الھند، فان ادرکتھا انفق فیھا نفسی ومالی، فان اقتل کنت افضل الشھداء وان ارجع فانا ابو ھریرۃ المحرر.[171]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے غزوہ ہند کا وعدہ فرمایا ہے، اگر میں اس میں شریک ہوسکا تو اپنی جان و مال اس میں قربان کردوں گا، اور اگر مارا گیا تو بہترین شہید ہوں گا اور اگر زندہ واپس ہوا تو میں نار جہنم سے آزاد ابو ہریرہ رہوں گا۔

170۔ سنن نسائی باب غزوۃ الہند۔

ہندوستانیوں اور ہندوستانی چیزوں سے واقفیت

رسول اللہ صلی اللہ وسلم اور صحابہ کرام ہندوستان کے لوگوں سے بھی اچھی طرح واقف تھے، بخاری میں مذکور ہے کہ حدیث معراج میں آپؐ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جاٹوں سے تشبیہ دی، ترمذی میں ہے کہ ایک موقع پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جنات کو جاٹوں سے تشبیہ دی، اسی طرح، سیرت ابن ہشام میں ہے کہ جب نجران سے بنی کعب کے لوگ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہندوستان کے آدمیوں سے تشبیہ دی، اور دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں، عہد رسالت میں ہندوستان کی بہت سی اشیاء کا استعمال عام تھا، ان کے نام اور خواص سے لوگ واقف تھے، کافور، زنجبیل، عود ہندی، عود، مشک، قرنفل، فلفل، ہندی نیزے، ہندی تلوار، ہندی کپڑے وغیرہ روزمرہ کی زندگی میں استعمال کئے جاتے تھے، اور قرآن وحدیث میں ان کے نام موجود ہیں، غرض ہندوستان، یہاں کے باشندے اور یہاں کی چیزیں اس وقت عام طور سے مشہور متعارف تھیں، اور پڑوسی ملک ہونیکی حیثیت سے دونوں ملکوں میں مختلف قسم کے تعلقات تھے، اسی تعلق وتعارف نے ہندوستان میں اسلام کو بہت جلد متعارف کرایا، اور جانبین سے دینی وروحانی تعلقات بہت زیادہ استوار ہوگئے۔

ہندوستان کے باشندوں کی اسلام اور پیغمبر اسلام سے واقفیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب کے مختلف علاقوں میں ہندوستان کے لوگ آتے جاتے تھے اور وہاں مستقل آباد بھی تھے، خود مکہ میں جو کہ اس زمانہ میں بہت بڑا مذہبی اور تجارتی مرکز تھا، اور قریشی تاجروں کی وجہ سے یمن اور شام کے درمیان تجارتی کاروبار کی منڈی تھا، ہندوستان کے تاجر اور صناع موجود تھے، چنانچہ ابوطالب کے ایک شعر میں ہندوستانی عورت کا نشان ملتا ہے، اور ابن مسعودؓ کی روایت میں جاٹوں کا ذکر ہے، اور بعض اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں ہندوستانی کاریگر تلواریں بناتے تھے، نیز عرب کے باشندے مشرق میں ہندستان اور چین کا تجارتی سفر کرتے تھے، اسی طرح ہندوستان کے تاجر وصناع عرب میں آتے جاتے تھے، ان حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ونبوت کا چرچا ہندوستان تک ہونا یقینی تھا، خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ آپ کی

---

۲ ایضاً سنن نسائی باب غزوۃ الہند، نیز یہ دونوں روایتیں مزید تفصیل کے ساتھ سبحۃ المرجان ص ۲۱ پر موجود ہیں۔

بعثت نے مکہ کے قریشی تاجروں میں ایک تہلکہ مچادیا تھا، اور وہ بازاروں، موسمی میلوں اور حج کے مواقع میں آپؐ کے خلاف پروپیگنڈا کرتے تھے، ان مخالفانہ سرگرمیوں نے بہت سے غیر ملکوں میں آپ کی خبر پہنچائی۔

چنانچہ جب ایرانیوں کے بادشاہ کسریٰ کو آپؐ کے دعوائے نبوت کی خبر ملی تو اس نے اپنے یمن کے حاکم باذان کو آپؐ کے خلاف کاروائی کرنے کا حکم دیا، روم میں جب اس کی خبر پہنچی تو ہرقل نے قریش کے تاجر ابوسفیان سے آپؐ کے بارے میں تحقیقات کی، اس طرح جب مسلمان مکہ سے ہجرت کرکے حبشہ گئے تو نجاشی کو اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کے بارے میں معلومات ہوئیں غرض مکی زندگی ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت پڑوسی ممالک میں عام ہوگئی تھی، اس لئے یقین ہے کہ اس زمانہ میں ہندوستان میں بھی آپ کے بارے میں خبریں پہنچ چکی ہوں گی، مگر مستند تاریخوں سے اس کا ثبوت نہیں ملتا، کہ مکی زندگی ہی میں آپ کا چرچا ہندوستان میں بھی ہوا ہو، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں ظاہر ہونے والے معجزۂ شق القمر کا مشاہدہ ہندوستان میں ہوا، اور اس کے نتائج بھی ظاہر ہوئے، مگر یہ بات بھی تاریخی اعتبار سے پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔

البتہ مکہ سے مدینہ ہجرت کے بعد جب کفار ومشرکین سے باقاعدہ جنگ شروع ہوئی اور مسلمان کھل کر دعوت اسلام کو عام کرنے لگے تو دور دراز ممالک میں رسول اللہ صلی اللہ وسلم کا چرچا ہوگیا، اس کے بعد ہی ہندوستان کے بعض مذہبی طبقوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا وفد بھیجا اور بعض راجوں اور مہاراجوں نے آپ کی خدمت میں ہدیے بھیجے، اس سلسلہ میں دو واقعات زیادہ مشہور اور مستند ہیں، ایک سرندیپ کے جوگیوں اور سنیاسیوں کا اس غرض سے آپ کی خدمت میں مدینہ منورہ میں اپنا وفد روانہ کرنا کہ وہ آپ سے براہ راست اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرے، اور دوسرا ہندوستان کے ایک راجہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدمت میں زنجبیل کا ہدیہ بھیجنا، جسے آپؐ نے خود بھی تناول فرمایا اور صحابہ کرام کو بھی کھلایا۔

سرندیپ کا وفد

بزرگ بن شہریار ناخدا رامہرمزی چوتھی صدی ہجری کا مشہور جہاز راں اور سیاح ہے، وہ عرب سے ہندوستان اور چین تک جہاز رانی کرتا تھا، اس نے اپنی کتاب عجائب الہند میں یہاں کے ساحلی

---

۱۷۷ عجائب الہند ص ۱۵۷ طبع لیدن۔ ۱۷۸ المستدرک ج ۴ ص ۳۵، طبع حیدرآباد۔

مقامات کے حالات نہایت تفصیل سے لکھے ہیں، اس نے سرندیپ کے جوگیوں اور سنیاسیوں کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحقیقاتی وفد جانے اور اس کے اثرات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

وکان اهل سرنديب وماوالاها لما بلغهم خروج النبى صلى الله عليه وسلم فارسلوا رجلاً فهماً منهم وامروه ان يسير اليه فيعرف امره وما يدعو اليه فعاقت الرجل عوائق ووصل الى المدينة بعد ان قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم وتوفى ابو بكر، ووجد القائم بالامر عمر بن الخطاب رضى الله عنه فسأله عن امر النبى صلى الله عليه وسلم فشرح له وبين.

سرندیپ اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی خبر ملی تو انھوں نے اپنے ایک سمجھدار آدمی کو مدینہ بھیجا اور اسے حکم دیا کہ وہ آپ کے پاس جاکر آپ کے حالات کی اور آپکی دینی دعوت کی تحقیق کرے، مگر اس آدمی کے سامنے کچھ مشکلات آگئیں اور وہ اس وقت مدینہ منورہ پہنچا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما چکے تھے، بلکہ حضرت ابوبکرؓ بھی وفات پاچکے تھے، اور حضرت عمرؓ بن الخطاب خلافت پر متمکن تھے، اس لئے آپ ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور آپ نے اس سے شرح وبسط کے ساتھ تمام باتیں بیان کیں۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ یہ نمایندہ سرندیپ کے لئے بحری راستہ سے روانہ ہوا، مگر مکران کے قریب اس کی موت واقع ہوگئی، اس کے ساتھ ایک ہندوستانی نوکر تھا، وہ تنہا سرندیپ پہنچا، اس نے لوگوں سے پورا ماجرا بیان کیا اور بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوچکا ہے، ان کے پہلے خلیفہ ابوبکرؓ کا بھی انتقال ہوچکا ہے، اور اس وقت ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی عمر بن الخطابؓ کو صاحب حکم وامر پایا، اس نے اہل سرندیپ سے حضرت عمرؓ کی تواضع اور خاکساری کا حال بیان کیا اور

۱۷۹ے زاد المعاد ج ۳ ص ۲۲۵ مطبع محمد علی صبیح مصر۔ ۱۸۰ے الاصابہ جلد ۲ ص ۱۲۱۔

بتایا کہ وہ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں، اور مسجد میں بلا تکلف سو جاتے ہیں، اس کا اثر اہل سرندیپ پر بہت اچھا پڑا۔

فتواضعهم لاجل ماحكا لهم ذلك الغلام، ولبسهم الثياب المرقعة لماذكره من بس عمر رضي الله عنه المرقعة ومحبتهم للمسلمين وميلهم اليهم لما في قلوبهم مما حكاه ذلك الغلام عن عمر رضي الله عنه.

سرندیپ کے لوگوں کی تواضع اور فروتنی کا سبب وہی باتیں ہیں جن کو اس خادم نے بیان کیا تھا، اور ان کا پیوند لگے کپڑے پہننا اس وجہ سے ہے کہ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کیا تھا کہ انھوں نے ایسا کپڑا پہنا تھا اور ان کا مسلمانوں سے میل محبت رکھنا بھی اسی لئے ہے کہ خادم نے حضرت عمرؓ کی تواضع کا ذکر کیا تھا۔

اس وقت سے لے کر چوتھی صدی ہجری تک اہل سرندیپ اسلام اور مسلمانوں سے برابر محبت وتعلق رکھتے تھے، چنانچہ اس واقعہ کے آخر میں بزرگ بن شہریار اپنے زمانہ کی بابت لکھتا ہے:

وهم يحبون المسلمين ويميلون اليهم ميلاً شديداً۔[۱۸۲]

وہ لوگ مسلمانوں سے محبت رکھتے ہیں اور ان کی طرف بہت ہی زیادہ مائل ہیں۔

ان واقعات نے نہ صرف سرندیپ بلکہ آس پاس کے تمام علاقوں میں اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبروں کا پھیلنا قرین قیاس ہوجاتا ہے، ہندوستان اور چین میں عربوں کی تجارت عام تھی، اور یہاں ان کے بحری سفر برابر ہوا کرتے تھے بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت ہندوستان سے گزر کر چین تک پہنچ چکی تھی۔

غالب گمان ہے کہ سرندیپ کا مذکورہ بالا وفد یہاں کے بیکور، یا بکرنتیہ، یا بکرعین نامی فرقہ کی طرف سے مدینہ منورہ بھیجا گیا ہوگا، یہ لوگ عام طور سے ننگے رہتے تھے، اور آگے پیچھے معمولی سا کپڑا باندھ لیتے تھے، جاڑے میں دن پر چٹائی لپیٹ لیتے تھے بعض رنگ برنگ کے کپڑوں کی جوڑ دار دھوتی

---

۱۸۱ الاصابہ جلد ۲ ص ۱۲۱۔ ۱۸۲ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۲۷۔

پہنتے تھے، شمشان کی راکھ بدن پر ملتے تھے، سر اور داڑھی کے بال نہیں رکھتے تھے، مردوں کی کھوپڑی میں کھانا کھاتے تھے، تاکہ دنیا کی بے ثباتی کا احساس ہو۔ جب عرب کے تاجروں یا دوسرے ذرائع سے ان سنیاسیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر معلوم ہوئی تو انھوں نے تحقیق حال کے لئے اپنی جماعت کے ایک آدمی کو بھیجا، ان کے مسلمان ہونے کی روایت تو نہیں ملتی لیکن وہ اسلام کے بعض اثرات سے پوری طرح متاثر ہوئے، اور ان کا آدمی صحیح وسلامت واپس جاتا اور وہ اس کے ذریعے سے اسلامی تعلیمات کو تفصیل کے ساتھ سنتے تو آج سرندیپ اور جنوبی ہند کا دینی نقشہ غالباً کچھ اور ہی ہوتا، ان کی اسلام سے اس عقیدت کے نتیجہ میں عرب کے مسلمان تاجر سرندیپ میں مستقل آباد ہو کر متاہل زندگی بسر کرنے لگے تھے، انہی عربوں کی عورتوں اور بچوں کو وہاں کے راجہ نے ایک جہاز میں عرب بھیجا تھا جس کو سندھ کے اطراف کے مید یعنی سمندری ڈاکوؤں نے لوٹ لیا تھا، اور عرب عورتوں کو گرفتار کر لیا تھا، جس کے انتقام میں محمد بن قاسم ثقفیؒ نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا۔

ہندوستانی راجہ کا ہدیہ

ہندوستان کے بڑے بڑے راجے اپنے پڑوسی بادشاہوں کے پاس ہدیے بھیج کر ان سے تعلقات قائم کرتے تھے، کسریٰ کے پاس راجہ رہمی وغیرہ کے ہدایا و تحائف بھیجنے کا تذکرہ قاضی رشید بن زبیر نے کتاب الذخائر والتحف میں کیا ہے، ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت اور آپؐ سے واقفیت عرب کے اطراف و جوانب میں ہوئی تو ہندوستان کے مذہبی طبقہ کی طرح یہاں کے حکمراں طبقہ نے بھی ہدیہ اور تحفہ بھیج کر آپؐ سے عقیدت و محبت کا اظہار کیا، اور آپؐ سے تعلقات پیدا کرنے کی صورت نکالی، چنانچہ مشہور محدث امام ابو عبداللہ حاکم نے مستدرک میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کی ہے:

> اهدى ملك الهند الىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم جرة فيهاز نجبيل فاطعم اصحابه قطعةً قطعةً واطعمنى منها قطعةً.
>
> ہندوستان کے راجہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زنجبیل (سونٹھ) کا ایک گھڑا بھیجا، آپ نے صحابہ کو اس کا ایک ایک ٹکڑا کھلایا اور مجھے بھی اس کا ایک ٹکڑا کھلایا۔

۱۸۳ رتن ہندی کی پوری تفصیل کیلئے الاصابہ ج اص ۵۱۵ تا ۵۲۰ مطبع مصطفیٰ محمد مصر ملاحظہ ہو۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس میں سے تناول فرمایا، چنانچہ اس روایت کے آخر میں امام حاکم نے لکھا ہے:

قال الحاكم: لم اخرج من اول هذا لكتاب الى هنا لعلى بن زيد بن جدعان حرفاً واحدً ولم محفظ فى اكل رسول الله صلى الله عليه وسلم الزنجبيل سواه فخرجته.[۱۸۴]

میں نے اس کتاب کے شروع سے لے کر یہاں تک اس حدیث کے سوا علی بن زید بن جدعان سے ایک حرف بھی روایت نہیں کیا ہے، اور اس حدیث کے علاوہ کوئی حدیث رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے زنجبیل تناول فرمانے کے سلسلے میں مجھے یاد نہیں ہے اس لئے اس کو بیان کیا ہے۔

امام ذہبی نے مستدرک کی تلخیص میں اس حدیث کے راوی عمرو بن حکام تلمیذ امام شعبہؒ پر کلام کیا ہے۔

رجال واسناد پر کلام کرنا محدثانہ بحث ہے، تاریخی اعتبار سے ہی روایت معتبر اور مستند ہے، اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کے کسی راجہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں زنجبیل کا ہدیہ روانہ کیا تھا، ظاہر ہے کہ یہ ہدیہ راجہ کے کسی خاص قاصد کے ذریعہ بھیجا گیا ہوگا، جس نے مدینہ منورہ جا کر خدمت نبوی میں اسے پیش کیا ہوگا، راجہ کی طرف سے محبت وعقیدت کا پیغام پہنچا ہوگا اور اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے راجہ اور اس کے قاصد کے ساتھ نیک سلوک فرمایا ہوگا، جیسا کہ عام دستور ہے، غالباً ہجرت کے بعد خدمت نبویؐ میں ہندوستان کے راجہ کا یہ ہدیہ پہنچا ہے، جب آپ کی بعثت اور اسلام کی شہرت عام ہو چکی تھی، اور پاس پڑوس کے ممالک میں آپ کا چرچا ہو چکا تھا۔

باقی رہا یہ سوال کہ یہ ہدیہ کس راجہ نے بھیجا تھا، اور وہ کس علاقہ کا حکمراں تھا، تو اس کی تعین نہیں ہو سکی، حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں قنوج کے راجہ سرباتک کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ

---

۱۸۴ محیط اعظم ج ۳ ص ۲۹۰ و ج ۲ ص ۱۰۸۔ ۱۸۵ الاتقان ج ۱ ص ۱۳۶۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاس خدیفہ، اسامہ اور صہیب رضی اللہ عنہ کو اسلام کا دعوت نامہ دیکر بھیجا تھا، اور اس نے اسلام کی دعوت قبول بھی کر لی تھی، مگر یہ روایت خود حافظ ابن حجرؒ اور حافظ ذہبیؒ کی تصریحات کے مطابق قابل اعتماد نہیں ہے، ورنہ یہ قیاس کیا جا سکتا تھا کہ راجہ سر باتک ہی نے اسلام قبول کرنے کے بعد خدمت نبوی میں زنجبیل کا نذرانہ پیش کیا، ممکن ہے کہ سرندیپ کے راجہ نے وہاں کے سنیاسیوں کی طرح آپؐ سے تعلق پیدا کرنے کے لیے یہ شکل اختیار کی ہو، بنگال کے راجگان رہمی، شاہان ایران کے پاس قدیم زمانہ سے گراں قدر ہدایا و تحائف بھیجا کرتے تھے، ہوسکتا ہے کہ اسی خاندان کے کسی نے خدمت نبویؐ میں بھی ہدیہ بھیجا ہو۔

ابن قیم نے زاد المعاد میں اس واقعہ کو ابو نعیم کی کتاب الطب النبوی کے حوالہ سے نقل کیا ہے، مگر اس میں ملک الہند کے بجائے ملک الروم ہے اور بعض الفاظ میں بھی معمولی سا فرق ہے[۱۸۶] حاکم امام عبداللہ حاکم اور ان کی کتاب المستدرک میں اور امام ابو نعیم اصفہانی اور ان کی کتاب الطب النبویؐ میں بڑا فرق ہے، مستدرک کا درجہ الطب النبویؐ سے بدرجہا بلند ہے، پھر زنجبیل خالص ہندوستانی چیز ہے، اور قدیم زمانے سے یہاں کے راجے مہاراجے اطراف کے بادشاہوں کے پاس اس کا ہدیہ بھیجا کرتے رہے ہیں، اس لئے کسی رومی بادشاہ کا زنجبیل کا ہدیہ بھیجنا بے جوڑ سی بات معلوم ہوتی ہے۔

سر باتک راجہ قنوج اور رتن ہندی کی حقیقت

پہلی صدی ہجری کے خاتمہ تک صحابہ کرامؓ کے وجود با جود سے دنیا خالی ہوگئی تھی، جس پر تاریخ شاہد ہے، اس کے باوجود بعد میں چند ایسے افراد پیدا ہوئے ہیں، جنھوں نے اپنے اپنے دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اس قسم کے دو شخص ہندوستان میں بھی گذرے ہیں، ایک سر باتک راجہ قنوج اور دوسرے بابا رتن ہندی، ان دونوں نے اپنے زمانہ میں صحابی رسول ہونے کا دعویٰ کیا ہے، اور آپؐ سے ملاقات کے واقعات بیان کئے ہیں، بلکہ رتن ہندی کی کچھ بیان کردہ روایتیں بھی ہیں، جن کا مجموعہ رتنیات کے نام سے ایک زمانہ میں صوفیہ کے ایک طبقہ میں مقبول و متداول تھا۔

۱۸۶؎ بستان ابن سعد ج ۱ ص ۳۹۹۔ ۱۸۷؎ صحیحین وغیرہ۔

ابن اثیر نے اسد الغابہ میں اور ابن حجر نے اصابہ میں سرباتک کا تذکرہ کیا ہے، ابن حجر نے سرباتک کے دعویٰ صحابیت کا شدومد سے رد کیا ہے، پہلے ابوموسیٰ کے ذیل کے حوالے سے اسحٰق بن ابراہیم طوسی کی زبانی نقل کیا ہے کہ میں نے ہندوستان کے راجہ سرباتک کو قنوج نامی شہر میں دیکھا ہے، میں نے اس سے دریافت کیا کہ اس وقت تمہاری عمر کیا ہے تو اس نے بتایا کہ میری عمر سوا سات سو سال کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پاس حذیفہؓ، اسامہؓ اور صہیبؓ کو بھیجا، اور انھوں نے مجھے اسلام کی دعوت دی، میں نے اسلام قبول کرلیا۔

پھر ابو حاتم احمد بن حامد بلوی کے واسطہ سے ابوسعید مظفر بن اسد حنفی طبیب کا یہ بیان نقل کیا ہے:

سمعت سرباتک الهندی یقول رأیت محمداً صلی الله علیه وسلم مرتین بمکة وبالمدینة مرةً، وکان احسن الناس وجهاً، ربعة من الرجال.[175]

میں نے سرباتک ہندی کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دو مرتبہ مکہ میں اور ایک مرتبہ مدینہ میں دیکھا ہے، آپ تمام انسانوں سے زیادہ خوبصورت اور میانہ قد کے تھے۔

اس کے بعد حافظ ابن حجر نے حافظ ذہبی کا قول نقل کر کے اس کو جھوٹ قرار دیا ہے:

قال الذهبی فی التجرید هذا کذب واضح وقد عذر ابن الاثیر ابن مندة فی ترکه اخراجه.

ذہبی نے تجرید اسماء الصحابہ میں کہا ہے کہ یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے اور ابن اثیر نے ابن مندہ کو اس کا تذکرہ نہ کرنے پر معذور قرار دیا ہے۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ ۳۳۳ھ میں سرباتک کا انتقال ہوا، اس وقت اس کی عمر ۸۹۴ برس کی تھی، علامہ محمد طاہر گجراتی نے تذکرۃ الموضوعات میں سرباتک کو معمرین کذابین کی فہرست میں داخل کر کے اصابہ کی عبارت نقل کی ہے، اسی طرح صاحب نزہۃ الخواطر نے اصابہ کی عبارت نقل کر دی ہے، میں نے تین رجال السند والہند میں اسی کو نقل کر کے لکھا ہے کہ سرباتک نامی شخص کے وجود میں شبہ نہیں، جس طرح اس کے دعوائے صحابیت کے کذب میں کوئی شبہ نہیں۔

۱۸۸۔ سنن نسائی اور تاریخ کبیر بخاری۔ ۱۸۹۔ طبقات ابن سعد ج ا ص ۲۹۹۔

حافظ ابن حجر نے اصابہ میں رتن ہندی کا تذکرہ کر کے اس کے دعوائے صحابیت کے خلاف علمائے رجال وتواریخ کی تصریحات نقل کی ہیں اور تفصیل سے اس کا رد کیا ہے۔ [176]

نزہۃ الخواطر میں بحر زخار کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابوالرضا رتن پنجاب کے شہر بھٹنڈہ میں پیدا ہوئے جب سن رشد کو پہنچے تو مرشد کامل کی تلاش ہوئی، اسی اثناء میں ان کو معلوم ہوا کہ ملک عرب میں ایک شخص نے اللہ کی طرف سے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے، یہ سن کر مکہ مکرمہ گئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قیام کیا اور آپؐ سے فیض حاصل کر کے ہندوستان واپس آئے، اس کے بعد چھ سو سال سے زائد زندہ رہے، انھوں نے الرسالۃ الرتنیہ نامی کتاب بھی لکھی ہے، جس میں بغیر سند کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سنی ہوئی احادیث کو جمع کیا ہے، رتن ہندی کی تصدیق شیخ علاء الدین سمنائیؒ خواجہ محمد پارساؒ شیخ رضی الدین لالاؒ جیسے مشائخ نے کی ہے، چھٹی صدی کے بعد ان کا انتقال ہوا، اور بھٹنڈا میں انکی قبر ہے۔ [177]

شیخ صلاح الدین صفدی اور شیخ مجالدین فیروز آبادی صاحب قاموس نے بھی رتن ہندی کے وجود کی تصدیق کی ہے، صفدی نے اسے عقلاً جائز قرار دیکر علامہ ذہبی کے انکار کی مخالفت کی ہے اور فیروز آبادی نے لکھا ہے کہ میں رتن ہندی کے وطن میں جا چکا ہوں، بے شمار لوگوں میں نسلاً بعد نسل انکا تذکرہ نقل ہوتا چلا آتا ہے، رتن ہندی نے اپنی کتاب میں تین سو سے زائد احادیث بیان کی ہیں، جن کا اکثر حصہ واہی تباہی باتوں پر مشتمل ہے۔ [178]

مورخین اور علمائے رجال کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہؓ سب سے آخری صحابی ہیں جو ایک روایت کے مطابق ۱۱۰ھ میں دنیا سے تشریف لے گئے، ان کے بعد دنیا کی آنکھ کسی صحابی رسول کو نہیں دیکھ سکی، صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال سے تقریباً ایک ماہ قبل صحابہ سے ارشاد فرمایا تھا:

فانه على راس مائية سنة منها لا يبقىٰ على وجه الارض ممن هو اليوم عليها احد.

تم میں سے جو لوگ آج روئے زمین پر موجود ہیں ایک صدی گزرتے گزرتے ان میں سے ایک بھی باقی نہیں رہے گا۔

---

۱۹۰ شمائل ترمذی وطبقات ابن سعد ا ص ۳۹۹۔ ۱۹۱ جمع الوسائل ص ۲۰۳۔

شرعی اور تاریخی نقطہ نظر سے راجہ سرباتک یارتن ہندی کی صحابیت ثابت نہیں ہے اور ان کا شمار ان لوگوں میں بھی نہیں ہوسکتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر یا مدرک تھے، محض اس کا عقلی جواز اور مشائخ کی باطنی شہادت اس کے تاریخی ثبوت کے لئے کافی نہیں ہے۔

عہد رسالت میں ہندوستانی اشیاء کا استعمال

عہد رسالت میں عرب میں ہندوستان کی بہت سی چیزوں کا عام استعمال تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے ان کو استعمال کیا ہے، خوشبوؤں میں مشک، عود اور کافور، مسالوں میں فلفل (مرچ) قرنفل (لونگ) اور زنجبیل (ادرک سونٹھ) کپڑوں میں ہندوستان اور سندھ کے بنے ہوئے ہر قسم کے کپڑے اور چادریں اسلحہ جنگ میں ہندی تلواریں اور نیزے، دواؤں میں کست

۱۹۲ کنزالعمال، کتاب الشمائل ج۴ص۴۲۔ ۱۹۳ کنزالعمال کتاب الزینۃ ج۳ص۳۳۳۔

ہندی، لکڑیوں میں ساگوان، یہ سب روزمرہ کے استعمال کی چیزیں تھیں، ان کے علاوہ خاص خاص ہندوستانی چیزیں بھی رائج تھیں، بعد میں جب عرب و ہند کے تعلقات بڑھے اور مسلمانوں نے ایک پڑوسی ملک کی حیثیت سے ہندوستان کے ساتھ دینی، اسلامی اور ثقافتی روابط بڑھائے تو عرب میں یہاں کی مذکورہ بالا چیزوں کے علاوہ اور بہت سی اشیاء کی بہتات ہوگئی، ہم یہاں پر عہد رسالت اور اس کے قریب تر زمانہ کی چند چیزیں بیان کرتے ہیں جو عرب میں استعمال ہوتی تھیں۔

لغوی اور لسانی توارد

قدیم زمانے سے دنیا میں بولے جانے والی زبانوں میں کئی ایسے الفاظ ہیں جو صفت اقلیمی ہیں، اور معمولی معمولی فرق کے ساتھ دنیا کی تقریباً ہر زندہ زبان میں مستعمل ہیں، ایسے لفظوں کے بارے علمائے لسانیات کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ابتداء میں وہ کسی ایک زبان کے الفاظ تھے اور بعد میں دوسری زبانوں نے ان کو لے لیا بلکہ وہ ایسے عالمگیر الفاظ کو پوری دنیا کی زبانوں کا مشترک سرمایہ کہتے ہیں جو ہر زبان میں لب ولہجہ کے فرق اور مقامی اثر کے ساتھ اسی زبان کے بنکر استعمال کئے جاتے ہیں۔

اس کی بہترین مثال عربی کے لفظ قسط کی ہے جو خود عرب میں مختلف لب ولہجہ میں مستعمل ہوتا ہے اور قسط، کشت اور کست بھی کہلاتا ہے، اسی کو ہندی میں کٹ، کوٹھ اور کٹھ کہتے ہیں، نیز یہی یونانی میں قرسطوس، سریانی میں قوشتا، فارسی میں کوشتہ اور انگریزی میں کسٹ کہلاتا ہے۔

یہی حال عربی کے لفظ زنجبیل کا ہے کہ ہندی میں اسے زنجابیرا، سریانی میں زنکبیل، فارسی میں شنکویز، اور انگریزی میں جنجر کہتے ہیں۔ [۹ ۱۹۶]

اسی طرح اور بہت سے ایسے الفاظ ہیں جو معمولی فرق کے ساتھ دنیا کی اکثر زبانوں میں مشترک ہیں، اور ان کو کسی ایک زبان کا لفظ نہیں کہا جا سکتا، بلکہ اسے لسانی توارد کا نتیجہ قرار دیا جائے گا۔

قرآن حکیم میں بھی کچھ ایسے الفاظ آئے ہیں جو عربی زبان کی طرح ہندی، فارسی، حبشی، نبطی اور سریانی زبانوں میں مستعمل ہیں ان کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ یہ لغوی توارد اور لسانی اشتراک ہے، امام ابن جریر طبریؒ کی یہی رائے ہے، جیسا کہ امام سیوطیؒ نے اتقان میں نقل کیا ہے:

وقال ابن جرير ماورد عن ابن عباس وغيره من تفسير الفاظ من القران أنها بالفارسية والحبشية والنبطية أونحوذلك

---

۱۹۴ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۹۵۔ ۱۹۵ الیضاً ج ۲ ص ۳۸۔

انما اتفق فیھا توارد اللغات فتکلمت بھا العرب والفرس والحبشة بلفظ واحد۔[۱۹۶]

امام ابن جریر نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس وغیرہ سے قرآن کے بعض الفاظ کی تفسیر میں جو کہ مروی ہے کہ یہ فارسی، حبشی اور نبطی وغیرہ زبانوں کے الفاظ ہیں تو ان میں لغات کا توارد ہو گیا ہے اور عرب، فارس اور حبشہ کے لوگوں نے ایک ہی لفظ کو استعمال کیا ہے۔

اس دعویٰ کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ ایسے مشترک اور متوارد الفاظ عربی زبان میں اس کے پورے قاعدے کے مطابق استعمال ہوتے ہیں، اور ان کے صیغے اور مشتقات ہوتے ہیں مثلاً فُلفُل اسم جنس ہے واحد فُلفُلہ اور اس کی تصغیر فُلیفلہ ہے، فعل رباعی فَلفَلَ اور تَفَلفَلَ آتا ہے، شراب مُفَلفَل اور رز مُفَلفَل اس شراب اور چاول کو کہتے ہیں جس میں فلفل یعنی مرچ پڑی ہو۔

قرنفل اور قرنفول دو طرح بول کر واحد قرنفلہ اور قرنفولہ بناتے ہیں اور طعام مُقرفل اس کھانے کو کہتے ہیں جس میں فلفل یعنی مرچ پڑی ہو، اسی طرح مِسک کے ایک ٹکڑے کو مسکہ کہہ کر اس کی جمع مِسک لاتے ہیں اور کافور کی جمع کوافر اور کوافیر استعمال کرتے ہیں۔

کافور، مشک اور زنجبیل کا ذکر قرآن میں

قرآن حکیم میں اس طرح کے تین مشترک اور متوارد الفاظ آئے ہیں جو ہندوستان اور عرب میں مقامی لب ولہجہ کے فرق کے ساتھ بولے جاتے تھے، ایک زنجبیل جسے ہندی میں زنجابیرا کہتے ہیں، دوسرا مسک جو ہندی میں موشکا کہلاتا ہے اور تیسرا کافور جسے ہندی میں کپور کہتے ہیں، نہ ان کی تعریب ہوئی ہے اور نہ تہنید، بلکہ دونوں زبانوں کے یہ الفاظ اصلی ہیں اور ان کو مستقل حیثیت حاصل ہے، البتہ ان ناموں کی جو چیزیں ہیں وہ خاص ہندوستانی ہیں اور یہیں سے عرب میں جاتی تھیں، ان اسماء واشیاء کے لئے قرآنی الفاظ بننا بڑے فخر کی بات ہے، پھر مزید برآں یہ کہ جنت کے نعائم ولذات میں ان کو خاص مقام حاصل ہے، یعنی جنت میں یہ نعمتیں اور لذتیں دنیاوی نعمت ولذت کے انداز میں ہندوستان کو حاصل ہیں، اور اس کی خبر قرآن نے دی ہے، جنت کے پاکیزہ، لذیذ اور آسودگی بخش مشروبات کے بیان میں قرآن میں ہے کہ:

---

۱۹۶ جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۵۵۔ ۱۹۷ لسان العرب ج ۵ ص ۶۷۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا.
نیک لوگ پئیں گے ایسا پیالہ جس کی آمیزش کافور کی ہوگی۔
وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا.
اور اِن کو جنت میں پلایا جائے گا ایسا پیالہ جس کی آمیزش زنجبیل کی ہوگی۔
يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ خِتَامُهُ مِسْكٌ.
ان کو پلائی جائیگی ایسی خالص پاکیزہ شراب جس کی مہر مشک کی ہوگی۔

احادیث میں ہندوستانی اشیاء کا ذکر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں ہندوستان، ہندوستانی اشیاء اور ہندوستانی باشندوں کے تذکرے مختلف انداز میں پائے جاتے ہیں، اور زبان رسالت پر ان کے اسماء والفاظ آئے ہیں جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے، اور آئندہ بھی معلوم ہوگا، البتہ ہندی زبان کا کوئی جملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے منقول نہیں ہے، جبکہ فارسی کے بعض جملے احادیث میں ملتے ہیں جن کو آپ نے اپنی زبان مبارک سے ادا فرمایا ہے، البتہ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ خلافت راشدہ میں ہندی زبان عرب میں آباد ہندوستانیوں میں رائج تھی جسے بعض صحابہ کرام بھی سمجھتے تھے، چنانچہ مجمع البحرین کے حوالے سے گذر چکا ہے کہ جاٹوں اور اساورہ نے حضرت علیؓ سے ہندی میں بات کی، اور آپ کی خلافت وحکومت کا ساتھ دینے کا یقین دلایا۔

اب ہم ہندوستان کی ان چند چیزوں کو بیان کرتے ہیں جو عہد رسالت میں عرب میں رائج تھیں اور جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ استعمال کرتے تھے، یا آپؐ نے ان سے منع فرمایا ہے:

مشک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طیب ومتطیب تھے، اور خوشبو کو بہت پسند فرماتے تھے، اس دنیا کی جن چیزوں سے آپ کو خاص رغبت تھی ان میں سے ایک خوشبو بھی ہے، ایک روایت میں ہے کہ آپ جب باہر جاتے تو خوشبو سے معلوم ہو جاتا کہ آپ ادھر سے گذرے ہیں، خوشبوؤں میں مشک آپ کی محبوب ترین خوشبو ہے، حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ کے سامنے مشک کا تذکرہ آیا

۱۹۸ انساب الاشراف، بلاذری ج ۴ قسم دوم ص ۴۳ طبع یروشلم۔ ۱۹۹ مسلم۔

تو آپؐ نے فرمایا:

اولیس من أطیب الطیب.[۱۸۱]

کیا مشک تمام خوشبوؤں سے پاکیزہ خوشبو نہیں ہے؟

احادیث میں متعدد مواقع پر مشک کا تذکرہ آیا ہے، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل جنت کے بارے میں فرمایا ہے:

ورشحھم المسک

ان کا پسینہ مشک کیطرح خوشبودار ہوگا۔

شہید کے بارے میں فرمایا ہے:

لونہ لون دم، وریحہ مسک

شہید کے خون کا رنگ تو خون یہ جیسا ہوگا مگر اسکی مہک مشک جیسی ہوگی۔

روزہ دار کے بارے میں فرمایا ہے:

لخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ یوم القیامۃ من ریح المسک.[۱۸۲]

روزہ دار کے منہ کی مہک قیامت کے دن اللہ کے یہاں مشک کی مہک سے بھی زیادہ خوشبودار ہوگی۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوشبو استعمال کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ:

نعم بذکار الطیب المسک والعنبر.[۱۸۳]

ہاں آپ مشک اور عنبر کی خوشبو استعمال فرماتے تھے۔

ایک روایت ہے کہ راوی کے سوال پر حضرت عائشہؓ نے ذکارۃ الطیب کا نام لیا اور جب راوی نے اس کا مطلب دریافت کیا تو آپ نے مشک اور عنبر کا نام لیا۔[۱۸۴]

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ:

کان لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سکۃ یتطیب منھا.[۱۸۵]

---

۲۰۰ کنز العمال، کتاب الشمائل ج ۴ ص ۴۲، طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۴۰۰۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سکہ نامی ایک خاص قسم کی خوشبو لگاتے تھے۔

ملا علی قاریؒ نے جمع الوسائل فی شرح الشمائل میں سکہ کا مطلب یوں لکھا ہے:

هو ضرب من الطين يتخذ من مسك و رامك وهو نوع عصر.[186]

سکہ ایک قسم کی مٹی ہے جو مشک اور رامک نامی ایک تیل کی آمیزش سے بنائی جاتی ہے۔

ایک روایت میں ہے:

كان يا خذ المسك فيمسح به راسه و لحيته.[187]

آپؐ مشک کو سر اور داڑھی میں لگاتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشک کو خود بڑی رغبت سے استعمال فرمایا ہے اور دوسروں کو اس کے استعمال کی ترغیب دی ہے، چنانچہ حدیث میں ہے:

من خير طيكم المسك ،المسك أطيب الطيب.[188]

تمہاری خوشبوؤں میں سے سب سے بہتر خوشبو مشک ہے، مشک بہترین خوشبو ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشک کا ہدیہ بھی دیا ہے چنانچہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو آپؐ نے چند اواقی مشک اور غلہ کا ہدیہ روانہ فرمایا تھا، مگر نجاشی کی وفات کی وجہ سے وہ ہدیہ واپس آ گیا، اور آپؐ نے اس میں سے ایک ایک اوقیہ مشک تمام ازواج مطہرات کو دیکر باقی حضرت ام سلمہؓ کو دے دیا۔[189]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں وہی مشک استعمال کیا گیا جو آپ کے پاس موجود تھا اور جس سے آپ زندگی میں خوشبو لگاتے تھے۔

كان عند علی مسك فأوصى ان يحظ به، قال، وقال علی هو فضل حنوط رسول الله صلى الله عليه وسلم.[190]

علیؓ کے پاس مشک تھا، آپؓ نے اسی سے خوشبو لگانے کی وصیت فرمائی تھی، علیؓ کا بیان ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمال سے بچی ہوئی

[190] طبقات ابن سعد ج ا ص ۳۰۰۔

خوشبو تھی۔

عام طور سے صحابہ کرامؓ بھی مشک کا استعمال کرتے تھے، مشہور تابعی حضرت ضحاک بن مزاحم مشک کے استعمال میں توقف تھا تو ان سے لوگوں نے کہا:

ان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كانو ايتطبون به.[191]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ مشک کی خوشبو استعمال کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشک کی خوشبو پسند کرنے کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے نزدیک مرغوب ترین خوشبو بن گیا، اور وہ اسے سنت سمجھ کر استعمال کرنے لگے، چنانچہ ایک مرتبہ ایک معتزلی عالم نے نافۂ مشک کے بارے میں سنا کہ وہ خون ہوتا ہے تو کہا:

لو لا النبي صلى الله عليه وسلم قدتطيب بالمسك ماتطيبت.[192]

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشک استعمال نہ فرمایا ہوتا تو میں اسے استعمال نہ کرتا۔

عہد رسالت میں اور اس کے بعد مدینہ منورہ میں عود، مشک، کافور اور دیگر خوشبوؤں کا استعمال اس کثرت سے ہو گیا کہ دارین کے مشک اور عطر کے تاجروں کی ایک بہت بڑی جماعت مدینہ میں آباد ہو گئی جو صرف خوشبوؤں کی تجارت کرتی تھی، دارین ہندوستانی مشک کی خصوصی منڈی تھا، یہاں تک کہ اس کی نسبت سے مشک کو صرف داری کہتے تھے، مدینہ میں دارین کے مشک فروشوں کی کثرت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ واقعہ حرہ میں ۶۳ھ میں مسرف بن عقبہ مری نے شام سے مدینہ پر چڑھائی کی اور مدینہ کے مشرق میں حرہ واقم میں اترا تو اہل مدینہ کے ساتھ دارین کے چار سو مشک فروش اور عطار بھی شامی فوج کے مقابلے کے لئے نکلے۔

وأخرج جميع أهل المدينة، حتى اربع مائة رجل من اهل البحرين من اهل دارين، كانو اعطارين، فقالو امالنا وهذا، إنما نحن تجار، فابو إلا إخراجهم.

---

۲۰۲ الدرۃ الثمینہ فی تاریخ المدینۃ برحاشیہ شفاء الغرام ج ۲ ص ۳۴۷۔

تمام اہل مدینہ مقابلہ کے لئے نکالے گئے، حتی کہ بحرین کے شہر دارین کے
چار سو عطر فروش بھی مقابلہ پر لائے گئے، انھوں نے پہلے کہا کہ ہمیں اس
جنگ سے کیا نسبت، ہم تو تاجر ہیں! مگر مجبوراً ان کو بھی نکالا گیا۔

اہل مدینہ نے ان کا جھنڈا الگ بنایا تھا، یہ لوگ پہلے ہی حملہ میں نہ ٹک سکے اور میدان سے چلتے بنے، مگر انھوں نے بڑی چالاکی سے اپنا جھنڈا میدان میں نصب کر کے چاروں طرف پتھروں سے اسے روک دیا تھا، اور ان کے بعد بھی وہ اپنی جگہ لہراتا رہا جس سے شامی فوج اور مارے گئے، آخر میں مسرف بن عقبہ نے پوچھا کہ یہ جھنڈا کس جماعت کا ہے۔

فیقال للدارین العطارین فیقول مالی وللعطارین.[۱۹۳]

تو لوگوں نے کہا کہ دارین کے عطاروں کا ہے، اس نے کہا مجھے ان عطاروں
سے کیا تعلق ہے؟

مسرف بن عقبہ نے بعد میں ان عطاروں کی شکایت یزید کے پاس لکھی تو اس نے بحرین کے حاکم کو ان کے بارے میں لکھا، جس نے اہل دارین پر چار لاکھ درہم جرمانہ کیا۔[۱۹۴]

مدینہ میں دارین کے مشک فروشوں کی جمعیت اور ان کے چار لاکھ درہم تاوان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مدینہ میں مشک کی تجارت کس قدر زیادہ اور کتنی نفع بخش تھی، اور یہ کہ اس کا استعمال کس قدر عام تھا۔

عود اور کافور

عود یعنی اگر بھی جنتی خوشبو ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل جنت کے اوصاف میں فرمایا ہے۔

ومجامرهم الألوة.[۱۹۵]

ان کی انگیٹھیاں عود کی ہونگی۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عود اور کافور کا ملی جلی خوشبو بہت پسند تھی اور ان کو انگیٹھی میں سلگا کر ان کا بخور استعمال فرماتے تھے:

کان یستجمر بألوة غیر مطراة وکافور یطرحه مع الوة.[۱۹۶]

۲۰۳ نووی شرح مسلم وحاشیہ جمہرۃ انساب قریش واخبارہا ص ۹۷۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عود کا بخور استعمال کرتے تھے اور عود کے ساتھ کافور بھی ڈالتے تھے۔

نہایہ ابن اثیر میں ہے کہ الوہ وہ عود ہے جس سے استجمار کیا جائے یعنی اس کا بخور استعمال کیا جائے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب خوشبو سلگاتے تو عود کے اوپر کافور بھی ڈالتے اور فرماتے:

هكذا كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يستجمر.[۱۹۷]

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخور استعمال فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ مال غنیمت میں حضرت عمرؓ کے پاس عود آیا چونکہ بہت زیادہ نہیں تھا، اس لئے آپ نے فرمایا کہ اسے مسجد میں سلگاؤ کہ عام مسلمان اس سے فائدہ اٹھا سکیں، اس کے بعد سے مسجد نبوی میں عود کی خوشبو جلانا خلفاء کی سنت بن گئی اور کئی صدیوں تک اس کا رواج رہا۔[۱۹۸]

لونگ، مشک اور عود کا ہار

عرب میں قدیم زمانہ سے بچوں اور عورتوں کے لئے سخاب نامی خاص خوشبوؤں کا ہار بنایا جاتا تھا، جس میں قرنفل (لونگ) عود (اگر) اور مشک وغیرہ کو بڑے سلیقہ سے استعمال کیا جاتا لونگ کے دانے بھگو کر سوئی سے دھاگے میں پروئے جاتے اور عود کی لکڑی بھی گوندھی جاتی موتی یا اور کوئی پتھر وغیرہ نہیں ہوتا، عام طور سے اس ہار کی لمبائی گردن سے ناف تک ہوتی، چونکہ خشک ہونے کے بعد لونگ کے دانوں اور عود کے ٹکڑوں کی حرکت سے آواز پیدا ہوئی تھی اس لئے اس ہار کو سخاب کہتے تھے اس کا استعمال زینت سے زیادہ خوشبو کے لئے ہوا کرتا تھا[۱۹۹] حدیث میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اسے پہنائے جانے کی تصریح موجود ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوق قنیقاع سے لوٹے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ کے مکان پر جا کر حضرت حسنؓ کو دریافت فرمایا، جب حضرت حسنؓ کے باہر آنے میں دیر لگی تو ہم لوگوں نے سمجھ لیا کہ حضرت فاطمہ ان کو نہلا دھلا کر سخاب پہنا رہی ہیں۔

فظننا انه إنما تحبسه امه لان تغسله وتلبسه سخاباً.[۲۰۰]

جب دیر ہوئی تو ہم نے خیال کیا کہ ان کی والدہ نے انکو روک لیا ہے تاکہ نہلا دھلا کر سخاب پہنا دیں۔

---

۲۰۴ صحیح مسلم۔ ۲۰۵ المستدرک ج ۴ ص ۱۳۵۔

امام نووی نے لکھا ہے کہ سخاب ایک ہار ہے جو لونگ، مشک اور عود سے تسبیح کی طرح بنا کر بچوں اور بچیوں کے گلے میں پہنایا جاتا۔

زنجبیل

زنجبیل کو تر ہو تو ادرک اور خشک ہو تو سونٹھ کہتے ہیں یہ بھی جنت کی لذتوں میں سے ہے۔ المستدرک میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک ہندوستانی راجہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زنجبیل ہدیہ میں بھیجا، تو آپؐ نے صحابہؓ کو اس کا ایک ایک ٹکڑا دیا، چنانچہ مجھے بھی ایک ٹکڑا عنایت فرمایا [۲۰۱]۔ ابن قیمؒ نے بھی زاد المعاد میں ابو نعیم اصفہانی کی کتاب الطب النبوی کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے مگر اس میں ملک الہند کے بجائے ملک الروم ہے [۲۰۲]۔ بہر حال دونوں روایتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زنجبیل تناول فرمانے کی تصریح ہے۔

حاکمؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے علاوہ کسی اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زنجبیل تناول فرمانے کی تصریح نہیں ملی ہے۔

کست ہندی

ہندوستان کی مشہور دوا جو لکڑی کی قسم سے ہے، یہاں کٹھ کہلاتی ہے اور عرب میں اسے قط، قسط کست اور کشت کہتے ہیں، اسی کو بعض احادیث میں عود ہندی یعنی ہندوستانی لکڑی سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، اس کے ذریعہ علاج عہد رسالت میں نہ صرف عام تھا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خوش نصیب ہندی دوا کے استعمال کی بار بار ترغیب دی ہے، صحیح بخاری میں اسی کو عنوان بنا کر ایک مستقل باب قائم کیا گیا ہے۔ ''باب السعوط بالقسط الهندی البحری وهو الكست'' اسی باب میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام قیس بنت محصنؓ کو بچوں کے جم اور گلے کی بیماری میں قسط ہندی کے استعمال کی تائید ان الفاظ میں فرمائی ہے:

> عليكم بهذا العود الهندی، فان فيه سبعة اشفية، يستعط به من العذرة، ويلدبه من ذات الجنب [۲۰۳]۔
>
> تم لوگ اس ہندوستانی لکڑی کو خاص طور سے استعمال کرو، کیوں کہ اس میں

---

۲۰۶ زاد المعاد ج ۳ ص ۲۳۵۔ ۲۰۷ بخاری کتاب الطب، باب السعوط۔

سات بیماریوں سے شفا ہے، گلے کی بیماری میں اس کی ناس دی جاتی ہے،
اور جم کی بیماری میں پلائی جاتی ہے۔

یہی روایت صحیح مسلم میں حضرت ام قیس سے تفصیل کے ساتھ مروی ہے اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو خطاب کر کے فرمایا:

علام تزعرن اولاد کن بهذا الإعلاق، عليكن بهذا العود الهندى، فان فيه سبعة اشفية منهاذات الجنب، يسعط من العذرة، ويلدذات الجنب.[204]

تم اپنی اولاد کو اس جونک کو لگا کر کیوں ڈراتی ہو تم اس ہندی لکڑی کو استعمال کرو، کیونکہ اسمیں سات قسم کی بیماریوں سے شفا ہے جن میں جم بھی ہے، گلے کی بیماری میں اسکی ناس دیجاتی ہے اور جم میں پلائی جاتی ہے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں آئے تو دیکھا کہ ایک بچہ کی ناک کے دونوں سوراخ سے خون جاری ہے، آپ نے وجہ دریافت فرمائی تو معلوم ہوا کہ یہ حالت عذرہ (گھانٹی بڑھ جانے) یا دردسر کی وجہ سے ہے آپ نے فرمایا:

ويكن، لاتقتلن أولاد كن، أيما امرأة أصاب ولدها عذرة، اووجع فى راسه فلتاخد قسطا هنديا فلتحكه، ثم تسعطه اياه.[205]

تم عورتوں پر افسوس ہے، تم اپنی اولاد کی جان مت لو، جس عورت کے بچے کو گلے یا دردسر کی شکایت ہو، وہ قسط ہندی لے کر گھسے اور اسی کی ناس دے۔

چنانچہ آپ کی ہدایت کے مطابق جب قسط ہندی استعمال کی گئی تو بچہ کو فوراً شفا ہوگئی[206]، صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

إن افضل ماتداويتم به الحجامة والقسط البحرى، ولاتعذبوا صبيانكم بالغمز.[207]

تو لوگوں کے لئے بہترین دوا پچھنی لگانا اور قسط بحری ہے، تم اپنے بچوں کا گلا

---

۲۰۸ صحیح مسلم۔ ۲۰۹ زاد المعاد ج ۲ ص ۸۷ طبع میمنہ مصر۔

دبا کر ان کو تکلیف نہ دو۔

شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ یہاں قسط بحری سے مراد قسط ہندی ہے، عورتوں کی ماہواری بند ہو جانے کے بعد قسط ہندی کا استعمال طبی حیثیت سے مفید ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو اس کی اجازت دی ہے، حضرت ام عطیہؓ سے روایت ہے:

وقد رخص لنا عند الطهر اذا اغتسلت إحدا فامن محيضها في نبذة كست اظفار.[۲۰۸]

آپؐ نے ہمیں اجازت دی ہے کہ جب کوئی عورت حیض سے پاکی کے وقت غسل کرے تو کست اظفار تھوڑی سی استعمال کر لے۔

محدث ابن تینؒ نے اظفار کے بجائے ظفار صحیح بتایا ہے[۲۰۹]۔ جو یمن کا تجارتی شہر ہے اور کست ہندی اس کی طرف منسوب ہوتی ہے لسان العرب میں ہے کست اظفار کو کست ہندی ہی کا دوسرا نام بتایا گیا ہے۔

وفي حديث الحيض نبذة من كست اظفار، هو القسط الهندي.[۲۱۰]

حدیث میں جو تھوڑی سی کست اظفار کے استعمال کی اجازت ہے وہ قسط ہندی ہے۔

کست ہندی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات بیماریوں سے شفا کی خبر دی ہے، جن میں سے بچوں کی دو بیماریاں گھانٹی بڑھنے اور جم لگنے کی عام طور سے ہوتی ہیں، جن کی کست ہندی مجرب دوا ہے، بعض شارحین نے لکھا ہے کہ آپ کو کست ہندی کا بعض بیماریوں کے لئے شفا ہونا وحی کے ذریعہ معلوم ہوا تھا اور بعض کا علم تجربہ سے تھا[۲۱۱]۔

علماء نے لکھا ہے کہ احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طب اور دوا کی بابت جو باتیں آئی ہیں وہ تشریعی نہیں، بلکہ تجرباتی ہیں، یعنی ان کا استعمال کرنا کوئی شرعی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ یہ تجربہ کی بات ہے۔

ساگوان

۲۱۰ صحیح مسلم۔ ۲۱۱ بخاری باب الطیب للمراۃ عند غسلہا من الحیض۔

ہندوستان کے ساج یعنی ساگوان کی لکڑی کا استعمال عرب میں قدیم زمانہ سے عام تھا، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سریر مبارک یعنی آرام فرمانے کے تخت کے پائے ساج کے تھے، جسے آپؐ نے ہجرت کے بعد سے وفات تک استعمال فرمایا، بعد میں یہ سریر آثار متبرکہ میں محفوظ تھا اور اس پر مردے قبرستان لے جائے جاتے تھے، بلاذری نے انساب الاشراف میں حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ مکہ میں قریش کے یہاں چارپائی کا رواج نہیں تھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو ابوایوب انصاریؓ سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے یہاں چارپائی نہیں ہے اور انھوں نے بصد احترام نفی میں جواب دیا، حضرت اسعد بن زرارہؓ کو اس کی خبر لگی تو ایک تخت بھیجا جس کے پائے ساگوان کے تھے۔

فبلغ اسعد بن زرازه ذلک فبعث إلیٰ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بسریر له عمود، وقوائمه ساج، مرمول بخزم یغی المسد فکان ینام علیه حتی تحول إلیٰ منزلی کأن فیه لی فکان ینام علیه حتی تو فی فوضع علیه وصلی علیه وھو فوقه.[۲۱۲]

یہ بات اسعد بن زرارہؓ کو معلوم ہوئی تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پایہ دار تخت بھیجا جنکے پائے ساگوان تھے، وہ خزم کی رسیوں سے بیچ میں بنا ہوا تھا، آپ اسی پر سوتے تھے، یہاں تک کہ جب میرا حجرہ تیار ہو گیا تو اس میں تشریف لائے، اور وہ تخت بھی میرے یہاں آیا اور آپ اس پر آرام فرماتے تھے جب وفات ہوئی تو اسی پر رکھے گئے اور آپؐ کی نماز جنازہ بھی اسی پر رکھ کر پڑھی گئی۔

اس کے بعد مدینہ کے لوگ ہم سے یہ تخت لے جاتے اور اپنے مردوں کو اس پر قبرستان لے جاتے تھے، چنانچہ اسی پر حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور دوسرے لوگوں کے جنازے نکلے، اس کا مقصد حصول برکت ہوتا تھا، انساب الاشراف ہی میں ازواج مطہرات کے ذکر میں ہے کہ حضرت زینبؓ اپنی وصیت کے مطابق اسی پر قبرستان پہنچائی گئیں، جب مروان کا زمانہ آیا تو اس نے عوام کو اس سے روک کر اعیان

۲۱۲؎ فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۲۱۔ ۲۱۳؎ لسان العرب ج ۲ ص ۷۸۔

واشراف کے لئے خاص کر دیا، اور عام مردوں کے لئے چار پایاں بنوائیں [۲۱۳]، بعد میں عبداللہ بن اسحاق نے اسے حضرت معاویہؓ کے آدمیوں سے چار ہزار درہم میں خرید لیا، مشہور محدث یحیٰ بن معین ۲۳۳ھ میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے اور ان کو بھی اسی تخت پر غسل دیا گیا [۲۱۴]۔

طریحی نے مجمع البحرین میں لکھا ہے:

> فی الحدیث یصلی علی سریر من ساج، قال فی المغرب: الساج شجر عظیم جداً، ولاینبت إلا ببلاد الهند فی الحدیث المیت وتغسیله علی ساجة، وهی لوح من الخشب المخصوص. [۲۱۵]
>
> حدیث میں ہے کہ ساگوان کے تخت نماز پڑھا کرتے تھے، مغرب میں ہے کہ ساگوان بہت بڑا درخت ہوتا ہے جو صرف ہندوستان میں پیدا ہوتا ہے اور حدیث میں جو ساگوان پر میت کے غسل دینے کا تذکرہ ہے، یہ خاص لکڑی کا تخت تھا۔

اس سے بھی آپ کے ساگوان کے تخت پر نماز پڑھنے اور اس پر مردوں کے غسل دینے کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت عائشہؓ کے حجرۂ مبارک کا کواڑ ساگوان کی لکڑی کا تھا، امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں محمد بن ابوفدیک سے روایت کی ہے کہ محمد بن ہلال نے ازواج مطہرات کے حجرے دیکھے ہیں، انھوں نے بیان کیا کہ وہ کھجور کی ڈالیوں اور شاخوں سے بنائے گئے تھے، جن پر ٹاٹ اور کمبل کے پردے پڑے ہوئے تھے، میں نے حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے بارے میں دریافت کیا تو بتایا کہ اس کا دروازہ شامی رخ پر تھا، میں نے دریافت کیا کہ اس میں دو کواڑ تھا یا ایک، تو محمد بن ہلال نے بتایا کہ:

> کان باباً واحداً، قلت من أی شی کان، قال من عرعر الساج. [۲۱۶]
>
> ایک یہ کواڑ تھا، میں نے پوچھا کس چیز کا تھا؟ انھوں نے بتایا کہ ساگوان کی لکڑی کا۔

---

۲۱۴ فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۲۱۔ ۲۱۵ انساب الاشراف ج ۱ ص ۵۲۵۔

عہد رسالت کے بعد حرمین کی مسجدوں کی چھت میں ساگوان کی لکڑی استعمال کی گئی چنانچہ سب سے پہلے ولید بن عبدالملک نے مسجد حرام کی چھت رنگ روغن اور بیل بوٹے سے مزین ساگوان سے بنوائی۔

واول من نقل إليه اساطين الرخام وسقفه بالساج المزخرف الوليد بن عبدالملک.[۲۱۷]

ولید بن عبدالملک نے سب سے پہلے مسجد حرام میں پتھر کے ستون لگوائے اور اس کی چھت منقش ومزین ساگوان کی بنوائی۔

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سے بہت پہلے ۳۰ھ میں جب مسجد نبوی کی تعمیر وتوسیع فرمائی تو اس کی چھت ساگوان بنوائی تھی۔

وجعل عمده من حجارة منقوشة، وسقفه بالساج.[۲۱۸]

آپؓ نے اس کے ستون منقش پتھروں کے بنوائے اور ساگوان کی چھت بنوائی۔

پھر جب ولید نے ۹۶ھ میں مسجد نبوی کی توسیع کی تو اس نے بھی اس کی چھت ساگوان ہی کی بنوائی اور اس پر سونے کا پانی چڑھایا۔

وعمل سقفه بالساج ومرهه بالذهب.[۲۱۹]

ولید نے مسجد نبوی کی چھت ساگوان کی بنوا کر اس پر سونے کا پانی پھیرا۔

الغرض ساگوان عام مکانوں سے لے کر مسجدوں تک میں عام طور سے استعمال ہوتی تھی۔

ہندی نیزے

ہندی تلوار کی طرح خطی نیزے بھی قدیم زمانہ سے عرب میں مشہور مستعمل ہیں، ان کے بارے میں لسان العرب میں تصریح ہے کہ:

وليست الخط بنبت للرماح ولكنهامر فاالسفن التى تحمل التصنامن الهند.[۲۲۰]

---

۲۱۶ انساب الاشراف ج ۱ ص ۴۳۶۔ ۲۱۷ العبر فی خبر من غبر، ذہبی ج ۱ ص ۱۱۵، طبع کویت۔

مقام خط میں نیزے اگتے نہیں، بلکہ وہ ان کشتیوں کے لئے بندرگاہ ہے جو
ہندوستان سے بانس وغیرہ لاد کر وہاں جاتی ہیں۔

امام لغت جوہری کا قول ہے کہ خط یمامہ میں ایک مقام کا نام ہے جس کی طرف خطی نیزے منسوب ہیں، اس نسبت کی وجہ یہ ہے کہ وہ بلاد ہند سے یہاں لاکر سیدھے اور درست کئے جاتے ہیں۔ اس نیزے کا تذکرہ بھی احادیث میں آیا ہے، چنانچہ مشہور حدیث ام زرع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

ونكحت بعده رجلا سريا، ركب شريا، واخذ خطيا، واراح
على نعما ثريا.[۲۲۱]

ام زرع نے ابوزرع کے بعد ایک بہادر سے نکاح کیا جو تیز رفتار گھوڑے پر
سوار ہوا، اور ہاتھ میں خطی نیزہ لیکر نکلا، اور بڑی نعمت کا مالک ہوا۔

نیز عہد رسالت کے غزوات میں ہندوستان کے خطی نیزوں کا استعمال بالکل قرین قیاس ہے۔

ہندی تلوار

ہندوستانی لوہے کی اور ہندوستان کی بنی ہوئی تلوار عرب میں قدیم زمانہ سے مشہور و مستعمل تھی، اس کے لئے عربی زبان میں متعدد نام وصفات ہیں عہد رسالت کے اشعار وواقعات اور احادیث میں ہندی تلوار کے تذکرے بہت زیادہ آئے ہیں، جن سے اس زمانہ میں ان کا عام استعمال معلوم ہوتا ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کلہ کے عمدہ لوہے کی یا کلہ کی بنی ہوئی تلوار تھی، یہ تلوار شوال ۲ھ میں غزوۂ بنی قینقاع میں حاصل ہوئی تھی، طبقات ابن سعد اور انساب الاشراف میں ہے:

أصاب رسول الله صلى الله عليه وسلم من سلاح بني قينقاع
ثلاث أسياف سيفا قلعيا وسيفا يدعى بتارا، وسيفا يدعى
الحتف.[۲۲۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنی قینقاع کے اسلحہ تین تلواریں تھیں
ایک کلعی تلوار تھی، ایک کا نام بتار تھا، اور ایک کو حتف کہتے تھے۔

مجمع البحرین مادہ سوج طبع ایرانی۔ ۲۱۹ الادب المفرد ص باب النساء۔

سندھی کپڑے

سندھ اور ہندوستان سے نباتاتی جاے اور روئی کے مخملی کپڑے عرب میں جاتے تھے، نیز سندھ سے لنگی اور تہبند کے لئے چادریں وہاں مستعمل تھیں، غالباً مسندہ اور مسندیہ ان ہی کپڑوں کو کہتے تھے جو یمن جا کر بکتے تھے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے سندھی کپڑے استعمال فرمائے ہیں، لسان العرب میں ہے۔

وفی حدیث عائشة رضی الله عنها انه رأی علیها اربعة اثواب سند، قیل هو نوع من البرود الیمانیة.[۲۲۳]

اور حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے کہ دیکھنے والے نے ان کے جسم پر چار سندھی، کپڑے دیکھے، خیال ہے کہ یہ یمنی چادریں تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے کچھ ایسے کپڑے بھی استعمال کئے ہیں جو ہندوستان اور دوسرے مقامات سے عرب میں جاتے تھے، یا دونوں جگہ تیار کئے جاتے تھے، اس لئے ان کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ خالص ہندوستانی تھے، یا نہیں، البتہ ان کے ہندوستانی ہونے کا شبہ ضرور ہے۔

مثلاً عام استعمال کے کپڑے یمن، صحار، اور نجران وغیرہ میں تیار ہوتے تھے جن کو برود یمانیہ، (یمنی چادریں) حلہ سحولیہ (سحولی جوڑے) اور اثواب نجرانیہ (نجرانی کپڑے) کے ناموں سے یاد کیا جاتا تھا، اور ان ہی مقامات پر ہندوستان کے بنے ہوئے کپڑے بھی جایا کرتے تھے بلکہ بسا اوقات ان ہی مقامات کی نسبت سے مشہور ہوتے تھے، اور جس طرح جنوبی عرب کے ان ساحلی مقامات میں کپڑے کے بہت سے کارخانے تھے، جن میں کپڑے تیار ہوتے تھے اسی طرح یہ مقامات ہندوستان اور سندھ کے کپڑوں کی منڈی بھی تھے، جہاں سے یہ کپڑے اندرون عرب کے علاوہ یورپ تک جاتے تھے، اس لئے احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس کے سلسلے میں جو یمنی، نجرانی اور سحولی وصحاری چادروں اور کپڑوں کے تذکرے ہیں، ان کے ہندوستانی ہونے کا قوی شبہ ہو سکتا ہے، اسی طرح طبقات ابن سعد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنگھی ہاتھی دانت کی تھی[۲۲۴] نہیں کہا جا سکتا کہ یہ عاج ہندی یا عاج زنجی کی تھی، کیوں کہ عرب میں ہندوستان اور زنج دونوں ملکوں سے ہاتھی

---

۲۲۰ القریٰ لقاصد ام القریٰ ص ۶۰۷۔

دانت جاتے تھے۔

کرتہ

کرتہ خاص ہندوستانی لباس ہے، اس کی تعریب قرطق ہے، اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام کے اس کے استعمال کرنے کی تصریح نہیں ملتی ہے مگر بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں یا اس کے قریبی دور میں کرتے کا استعمال تھا، لسان العرب میں لفظ قرطق میں ہے:

فی حدیث منصور جاء الغلام وعلیہ قرطق ابیض، ای قباء وھو تعریب کرتہ، وقدتضم الطاء وفی حدیث الخوارج کانی انظر الیہ، حبشی علیہ تریطق، ھو تصغیر قرطق.[۲۲۵]

منصور کی حدیث میں ہے کہ لڑکا آیا جس کے جسم پر سفید کرتہ تھا، قرطق کرتہ کی تعریب ہے اور خوارج کے بیان میں ہے کہ گویا میں اس آدمی کو دیکھ رہا ہوں کہ ایک حبشی ہے جس کے بدن پر ایک چھوٹا سا کرتہ ہے۔

سندھی مرغ

ابن خرداذبہ، ابن فقیہ، ہمدانی اور جاحظ وغیرہ نے دجاجہ سندیہ (سندھی مرغی) اور دیک ہندی (ہندوستانی مرغ) کا تذکرہ کیا ہے، دجاج سندھی عرب میں ہندوستان کی مخصوص چیز سمجھی جاتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے مرغی کھانے کا ذکر احادیث میں صراحت کے ساتھ موجود ہے مگر ان میں سندھی مرغی کی تصریح نہیں ہے، چنانچہ صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکل لحم الدجاج[۲۲۶]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرغی کا گوشت تناول فرمایا ہے۔

البتہ بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں دجاج سندھی کا گوشت استعمال ہوتا تھا، طریحی نے مجمع البحرین میں لکھا ہے:

وفی الحدیث دجاج سندی.[۲۲۷]

---

۲۲۱ الدرۃ الثمینہ فی اخبار المدینہ لابن نجار برحاشیہ شفاء الغرام ج ۲ ص ۳۷۱۔

حدیث میں سندھی مرغی کا ذکر ہے۔

ہندی طرز کی موتراشی

عرب میں ہندوستانی قومیں کثرت سے آباد تھیں اور ان کے بعض عادات واطوار وہاں رائج ہو گئے تھے، چنانچہ عہد رسالت میں جاٹوں کے طرز کی موتراشی اور حجامت کا تذکرہ ملتا ہے، مگر یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس طرح کس نے سر کے بال بنوائے۔

وفي بعض الأخبار زفحلق رأسه زطية. قيل هو مثل الصليب كأنه فعل الزط[۲۲۸]

اور بعض اخبار میں ہے کہ انھوں نے جاٹوں کی طرح سر منڈوائے ایک قول کے مطابق یہ حجامت صلیب کی طرح تھی، گویا وہ جاٹوں کا فعل ہے۔

اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے جاٹوں کی طرح کسی نے اس زمانہ میں سر کے بال ترشوائے تھے۔

لفظ بابو

عرب میں بابوس اونٹنی کے بچے کو کہتے ہیں، نیز اس کا استعمال گہوارے میں دودھ پیتے انسان کے بچے کے لئے ہوتا تھا، تقریباً اسی دوسرے معنی میں ہندوستان میں چھوٹے بچے کے لئے بابو کا لفظ بولا جاتا ہے، بابو اور بابوس میں صرف آخر میں سین کا اضافہ ہے، نیز عرب میں بچہ باپ کو اور باپ بچہ کو بابا کہتا ہے، لسان العرب میں ہے۔

وقالوا بأبأ الصبي ابوه اذا قال له بابا. وبأبأه الصبي اذا قال له بابا.[۲۲۹]

علمائے لغت نے کہا ہے کہ جب باپ اپنے بچے کو بابا کہتا ہے یا بچہ اپنے باپ کو بابا کہتا ہے تو بأبأ کا استعمال ہوتا ہے۔

ہندوستان اور عرب میں یہ مشترک لفظ تھوڑے سے معنوی اثر و فرق کے ساتھ حدیث میں آیا ہے

[۲۲۲] الدرة الثمینة فی اخبار المدینة لابن نجار برحاشیہ شفاء الغرام ج ۲ ص ۳۷۲۔

چنانچہ بخاری میں حدیث جریج راہب میں ہے کہ:

فمسح راس الصبی وقال له یابابوس من ابوک، فقال راعی الغنم.[۲۳۰]

جریج راہب نے بچہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا کہ اے بابو! تیرا باپ کون ہے؟ اس نے کہا کہ بکری کا چرواہا۔

مولانا فضل اللہ گیلانی شرح الادب المفرد میں لکھتے ہیں۔

البابوس الصغیر، والرضیع وھو بابو فی الھندیة.[۲۳۱]

بابوس کے معنی چھوٹے بچے یا دودھ پیتے بچے کے ہیں، اور ہندی زبان میں بھی بابو ہے۔

ہندوستان کی جن چیزوں سے ممانعت کی گئی ہے

عہد رسالتؐ میں ہندوستان کی بہت سی چیزیں عرب میں رائج تھیں جن میں کئی چیزوں کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرما کر خود استعمال کیا ہے، اور صحابہ کو ان کی ترغیب دی ہے، اسی طرح یہاں کی بہت سی چیزوں اور دونوں ملکوں کی مشترک باتوں سے منع فرمایا ہے، کیونکہ ان کی وجہ سے اسلامی عقائد اور اعمال میں کمزوری آنے کا ڈر تھا، یا وہ سرے سے اسلامی تعلیمات کے خلاف تھیں۔

نرد یعنی چوسر

اس کو نردشیر اور کوبہ بھی کہتے تھے، اسے مسعودی نے ہندوستان کے راجہ ناہود کے زمانے کی ایجاد بتایا ہے، یہ ہندوستانی کھیل غالباً ایرانیوں کے ذریعہ عرب پہنچا ہے، چونکہ چوسر اسلام کے عقیدۂ توحید و تقدیر کی رو سے سراسر لغو ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی شدت سے اس کھیل سے روکا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

من لعب بالنردشیر فکانما غمس یدہ فی لحم الخنزیر و دمه.[۲۳۲]

جس نے چوسر کھیلا اس نے گویا اپنا ہاتھ خنزیر کے خون اور گوشت میں ڈالا۔

---

۲۲۳ لسان العرب ج ۷ ص ۲۹۰ لفظ خط۔ ۲۲۴ شمائل ترمذی۔

دوسری حدیث میں ہے:

من لعب بالنرد فقد عصى الله ورسوله

جس نے چوسر کھیلا اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ جو لوگ نرد کے ذریعہ قمار اور جوا کھیلتے ہیں وہ گویا خنزیر کا گوشت کھانے والے ہیں اور جو بغیر قمار کے نرد کھیلتے ہیں وہ گویا خنزیر کے خون میں ہاتھ ڈالتے والے ہیں، اور اسے دیکھنے والے گویا خنزیر کا گوشت دیکھ رہے ہیں [۲۳۳]۔

شطرنج

یہ بھی ہندوستانی کھیل ہے جو عرب میں رواج پا چکا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے، ایک حدیث میں ہے:

ملعون من لعب بالشطرنج

شطرنج کھیلنے والا ملعون ہے۔

اور دوسری حدیث میں ہے:

اذا مررتم هولاء الذين يلعبون هذالا زلام، والشطرنج اولنرد، وما كان من هذه فلا تسلموا عليهم، وان سلموا عليكم فلا تردوا عليهم. [۲۳۴]

جب تم ان جو جوا، شطرنج اور چوسر وغیرہ کھیلنے والوں کے پاس سے گذرو تو ان کو سلام نہ کرو، اور اگر وہ تم کو سلام کریں تو ان کے سلام کا جواب نہ دو۔

حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ میں نرد اور شطرنج کو بڑی شدت سے روکا، ایک مرتبہ آپ شطرنج کھیلنے والی ایک جماعت کے پاس سے گذرے تو اس پر جھپٹ پڑے اور فرمایا کہ خدا کی قسم یہ کھیل تمہارے اخلاق و عادات کو بدل دے گا، اگر آئندہ کے لئے حجت بننے کا ڈر نہ ہوتا تو میں اسی کھیل سے تمہارے چہروں کو مارتا، نیز حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کسی کا ہاتھ میں چنگاری لئے رہنا یہاں تک کہ وہ بجھ جائے اس سے بہتر ہے کہ وہ شطرنج کا کھیل کھیلے [۲۳۵]۔

---

۲۳۵ طبقات ابن سعد ج ا ص ۲۸۶، وج ۲ ص ۲۹ وانساب الاشراف ج ا ص ۵۲۲۔

گودھنا

وشم یعنی ہاتھ اور جسم کے مختلف اعضاء کو گودھنا ہندوستان اور عرب دونوں ملکوں میں عام تھا بلکہ دنیا کی اکثر وحشی اور متمدن قوموں میں اس کا رواج کیا پایا جاتا تھا، جاہلیت کے اشعار میں گودھنے کا ذکر کثرت سے آیا ہے زہیر بن ابی سلمٰی کا قول ہے:

ودار لها بالرقمتين كانها

مراجع وشم في نواشر معصم

(مقام رقمتین میں محبوبہ کے گھر آثار یوں ظاہر ہیں جیسے کلائی کی ابھری ہوئی رگوں میں گودھنے کے نشان ہوتے ہیں)

لبید بن ربیعہ کا قول ہے:

لخولة أطلال ببرقة ثهمد

تلوح كباقي الوشم في ظاهر اليد

(خولہ کے گھر کے نشان مقام برقہ ثہمد میں یوں ظاہر ہوتے ہیں جیسے ہاتھ کی پشت پر گودھنے کے نشان ہوتے ہیں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی شدت سے منع فرمایا ہے، حدیث میں ہے۔

لعن الله الواشمة والموشمة

گودھنا گودھنے والی اور گودھانے والی دونوں پر اللہ کی لعنت ہو۔

پچھتر

انواء یعنی پچھتروں سے بارش کا عقیدہ ہندوستان اور عرب میں تھا، اور دونوں مقام کے لوگ عقیدہ رکھتے تھے کہ فلاں فلاں پچھتر سے بارش ہوتی ہے، یہ ایمان بالکواکب اور ستارہ پرستی ہے جو عقیدہ خداپرستی کے بالکل خلاف ہے، اس لئے احادیث میں اس عقیدہ وخیال کی شدت سے ممانعت آئی ہے، ایک حدیث میں ہے:

من قال مطرنا بنوء كذا فقد كفر أنزل على محمدٌ (مسلم)

۲۲۶ لسان العرب ج ۳ ص ۲۲۳۔ ۲۲۷ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۸۲۔

جو شخص یہ کہتے ہیں کہ ہم پر فلاں پچھتر کی وجہ سے بارش ہوتی ہے تو وہ محمدؐ کے
لائے ہوئے دین کا منکر ہے۔

اس باب میں یہ چند چیزیں مثال کے طور پر بیان کر دی گئی ہیں، اگر اس سلسلہ میں احادیث و سیر کی چھان بین کی جائے تو اس موضوع پر اچھا خاصا دفتر تیار ہو جائے۔

اسلام اور مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں کسی صحابی کے باقاعدہ دعوت لے کر ہندوستان آنے کی صحیح اور مستند روایت نہیں ملتی، البتہ آپ کی وفات کے چار پانچ سال بعد عہد فاروقی میں اس کی

۲۲۸ لسان العرب ج ۱۰ ص ۲۲۳۔ ۲۲۹ زاد المعاد ج ص

روایت موجود ہے۔

عہد رسالت میں بحری اسفار

مگر اس بحث سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں صحابہ کرامؓ کے بحری اسفار پر مختصری بحث کی جائے، اور بتایا جائے کہ اس زمانہ میں عام طور سے بحری سفر کا رواج تھا، کیونکہ یورپ کے مستشرقین جو اسلام کے ہر مجد و شرف کے منکر ہیں اس حقیقت کا بھی انکار کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ عرب کا ملک تین طرف سے سمندروں سے گھرا ہوا ہے، اور قدیم زمانہ سے عربوں میں غیر ممالک کا سلسلہ بحری راستوں سے جاری تھا، اور ان کے تجارتی اور بحری اسفار مشرق میں چین تک اور مغرب میں روم تک جاری تھے، اسی طرح عہد رسالت میں صحابہ کرام کے بحری اسفار کا تجارتی سلسلہ قائم رہا، امام حسن بصری نے حضرت سمرہؓ سے روایت کی ہے:

کان اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یتجرون فی البحر.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بحری تجارت کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ شکاریوں کی ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا:

انا نرکب البحر، ونحمل امعنا القلیل من الماء.[۲۳۶]

ہم لوگ سمندری سفر کرتے ہیں اور تھوڑا سا پانی اپنے ساتھ لے لیتے ہیں۔

صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید و فروخت حرام قرار دے دی ہے۔

فقیل یا رسول اللّٰہ أرایت شحوم المیتة فانه یطلی بها السفن، دید هن بها الجلود، ویستصبح بها الناس، فقال لا، هو حرام.[۲۳۷]

تو اس وقت لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مردار کی چربی کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ کیوں کہ اس کو کشتیوں، چمڑوں اور چراغ میں استعمال کیا

---

۲۳۰ مجمع البحرین لفظ سند۔ ۲۳۱ لسان العرب ج ۷ ص ۳۰۸ و مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۶۲۔

جاتا ہے، آپؐ نے فرمایا نہیں، وہ بھی حرام ہے۔

خطیب بغدادیؒ نے موضع اوہام الجمع والتفریق میں مسلم بن ابی عمران اسدی کے تذکرے میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے:

إن امرأة ركبت البحر، فنذرت ان تصوم شهراً فماتت قبل أن تصوم فأتت أختها النبي صلى الله عليه وسلم فقال صومي عنها.[۲۳۸]

ایک عورت نے سمندری سفر کیا اور ایک مہینہ روزہ رکھنے کی منت مانی، لیکن اس کو پورا کرنے سے پہلے ہی وہ مرگئی، اسکی بہن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر مسئلہ دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تم اسکی طرف سے روزہ رکھو۔

ان چند احادیث اور عہد رسالت کے واقعات سے اس دور کے بحری سفر کا اندازہ ہو جاتا ہے، نیز احادیث وسیر کی کتابوں میں عہد رسالت کے بحری اسفار کے تذکرے موجود ہیں، چنانچہ نبوت کے پانچویں سال صحابہ کی ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم ومشورہ سے بحری راستہ سے حبشہ ہجرت کی، ٦ھ تا ٧ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمریؓ کو نامہ مبارک دیکر حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس بھیجا، یمن کے قبیلہ اشعر کے تقریباً باون مسلمان مدینہ کے ارادہ سے بحری راستہ روانہ ہوئے، اس زمانہ میں مدینہ کی بندرگاہ جار تھی، مگر ہوا کا رخ بدل جانے سے یہ لوگ حبشہ پہنچ گئے، یہاں کے مسلمان مہاجرین نے ان کا استقبال کیا اور غزوۂ خیبر کے موقع پر ٧ھ میں ساتھ لے کر مدینہ پہنچے ، اور ان حضرات کو اہل السفینہ کا لقب ملا [۲۳۹]۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ یہ لوگ مرد، عورت سمیت پچاس آدمی تھے یمن سے سوار ہوکر جدہ اترے:

وقد مرافي سفن، في البحر، وخرجوا بجدة.[۲۴۰]

سمندری راہ سے کشتیوں میں چلے اور جدہ میں اترے۔

اسی طرح لخم اور جذام کے تیس آدمیوں کے ہمراہ حضرت تمیم داریؓ بحر روم کے سفر پر روانہ ہوئے مگر باد مخالف کی وجہ سے چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں سوار ہوکر ایک جزیرہ میں پہنچ گئے۔[۲۴۱]

---

۲۳۲ لسان العرب ج ۱ص ۲۵۔ ۲۳۳ بخاری باب الصلوٰۃ۔

اسلامی تاریخ میں صحابہ کرام کے بحری اسفار کے اور بھی تذکرے موجود ہیں، نیز قرآن حکیم نے جگہ جگہ سمندروں میں جہاز رانی کے پر ہول مناظر بیان کر کے عربوں کو مشرکانہ عقائد پر جھنجھوڑا ہے، اور دعوت توحید دی ہے، عہد رسالت کے اشعار میں بھی بحری اسفار اور جہاز رانی کا ذکر موجود ہے، ان شواہد و دلائل کے بعد ہندستان میں صحابہ کرام کا آنا اس لئے مستبعد قرار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ بحری سفر نہیں کرتے تھے، اور نہ وہ جزیرۃ العرب کے ریگستانوں اور پہاڑوں کی حدود سے باہر نکلے تھے، اس موضوع پر تفصیلی معلومات کے لئے علامہ سید سلیمان ندویؒ کی کتاب ''عربوں کی جہاز رانی'' کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

عہد رسالت میں دعوت اسلام کی دو روایات

۶ھ کے آخر یا ۷ھ کے شروع میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب اور دوسرے علاقوں کے بادشاہوں اور حکمرانوں کے نام تبلیغ اسلام کے دعوت نامے صحابہ کرام کے ذریعہ بھیجے، تو عرب کے مشرقی علاقوں کے حکمرانوں کے نام بھی دعوت اسلام کے خطوط روانہ کئے، عمرو بن عاص سہمیؓ کو عمان میں جیفر اور عیاذ کے پاس، سلیط بن عمروؓ کو یمامہ میں ثمامہ بن اثال کے پاس، اور سلیط بن عمروؓ کو ہوزہ کے پاس، اور علاء بن حضرمی کو بحرین میں منذر بن ساوی عبدی کے پاس روانہ فرمایا، یہ سب مقامات ہندوستان کے سامنے واقع ہیں، اور قدیم زمانہ سے ہندوستان اور چین تک عرب تاجروں کی گزرگاہ رہے ہیں، لیکن ان کے آگے سمندر پار عہد رسالت میں کسی صحابی کے آنے کی مستند روایت نہیں ہے، اور جو دو ایک روایتیں ہیں بھی وہ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ رہی ہیں، حالانکہ ان ہی دنوں میں عمرو بن امیہ ضمریؓ کے حبشہ نامہ مبارک لے کر جانے کی روایت احادیث و سیر کی کتابوں میں موجود ہے، پھر بھی ان غیر معتبر روایات کا ذکر کر دینا بے محل نہ ہوگا۔

اس سلسلے میں ہمیں اب تک صرف دو روایتیں مل سکی ہیں، پہلی روایت قنوج کے راجہ سرباتک کے پاس صحابہ کے دعوت اسلام لے کر آنے اور راجہ کے مسلمان ہونے کی ہے، جسے حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں غیر مستند قرار دیا ہے۔

وزعم أن النبي صلى الله عليه وسلم أنفذ إليه حذيفة، وأسامة، وصهيباً يدعونه إلى الإسلام فأجاب وأسلم،

۲۳۴ـ فضل اللہ الصمد ج ۱ ص ۱۰۸۔

وقبل كتاب النبى صلى الله عليه وسلم.[۲۴۲]

سرباتک نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاس حذیفہ، اسامہ اور صہیب کو دعوت اسلام دیکر بھیجا، چنانچہ اس نے اسلام قبول کیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کو بوسہ دیا۔

اس روایت کو نقل کر کے حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ ذہبیؒ نے تجرید اسماء الصحابہ میں کہا ہے کہ یہ کذب واضح اور کھلا ہوا جھوٹ ہے۔

دوسری روایت سندھ میں پانچ صحابہ کرام کے آنے اور ان میں دو حضرات واپس جانے اور تین کے سندھ ہی میں انتقال فرمانے کی ہے، یہ روایت ایک قلمی مجموعہ میں جمع الجوامع کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے۔

روى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أرسل كتابه إلى أهل السند على يد خمسة نفر من أصحابه، فلما جاء وافى السند فى قلعة يقال نيرون اسلم بعض اهله، ثم رجع من اصحابه اثنان مع الوافد عليه من السند، وبقى ثلاثة منهم فى السند، واظهر اهل السند الاسلام، وبيتو الاهل السند الاحكام، وماتو افيه وقبورهم فيه الآن موجودة وجدت.[۲۴۳]

روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سندھ کے باشندوں کے یہاں اپنے پانچ صحابہ کے ذریعہ اپنا نامہ مبارک بھیجا، جب یہ لوگ سندھ کے مقام نیرن کوٹ میں آئے تو وہاں کے بعض لوگوں نے اسلام قبول کیا، پھر ان پانچ میں سے دو واپس چلے گئے، اور باقی تین سندھ میں رہ گئے، سندھ کے لوگوں نے ان کی وجہ سے اسلام قبول کیا ور انھوں نے ان کو اسلامی احکام سکھائے، بعد میں یہ لوگ سندھ میں انتقال کر گئے اور انکی قبریں ابھی تک وہاں موجود ہیں۔

جس قلمی مجموعہ یادداشت سے یہ روایت نقل کی گئی ہے نہ وہ معتبر ہے اور نہ یہ معلوم کہ جمع الجوامع

۲۳۵ صحیح مسلم، والادب المفرد عن ابی بریدۃ عن ابیہ ص ۱۸۶۔

کون سی کتاب ہے، علامہ سیوطیؒ کی جمع الجوامع میں اس قسم کی روایت مستبعد معلوم ہوتی ہے۔

الغرض ۶ھ یا ۷ھ میں یا اس سے پہلے ہندوستان میں کسی صحابی کے دعوت اسلام لے کر آنے کی کوئی صحیح روایت نہیں ہے، البتہ اس کے آٹھ نو سال بعد خلافت فاروقی کے ابتدائی دور میں عرب سے مسلمانوں کے ہندوستان آنے کی مستند روایت موجود ہے، اور اسی زمانہ میں باب الہند بحرین سے مسلمانوں کی رضا کارانہ فوج تھانہ (بمبئی) بھڑوچ (گجرات) اور دیبل (سندھ) آئی اور جنوبی ہند کے بعض ساحلی مقامات پر کسی صحابی کے آنے کی جو روایت مشہور ہے وہ بھی تاریخی اعتبار سے غیر مستند ہے۔

وصال نبویؐ کے چوتھے سال ہندوستان میں صحابہ کرامؓ کی تشریف آوری

عرب کا مشرقی ساحلی علاقہ بحرین ہمیشہ سے چین اور ہندوستان کی تجارت کا مرکز تھا، اس کے تمام علاقوں میں ہندوستان کے لوگ پھیلے ہوئے تھے، اس کی مرکزیت واہمیت کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں اپنے دو حکام مقرر فرمائے، ایک حضرت علاء حضرمیؓ اور دوسرے حضرت ابان بن سعید بن عاصیؓ ایک روایت میں ہے کہ علاء حضرمیؓ علاقہ قطیف کے حاکم تھے، اور ابانؓ علاقہ خط میں تھے، حضرت ابو بکرؓ نے اپنے دور خلافت میں علاء حضرمی کو دوبارہ وہاں کا حاکم مقرر کیا مگر حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں ان کی جگہ حضرت ابو ہریرہؓ کو بحرین کی حکومت دی، ایک روایت میں ہے کہ حضرت علاء کے زمانہ ہی میں حضرت ابو ہریرہؓ کو یہ عہدہ دے کر ان کے ذمہ قضاء اور نماز کی امامت کے ساتھ زکوٰۃ وخراج کی وصولی بھی کر دی گئی تھی۔

بحرین کی مرکزیت، یہاں ہندوستانیوں کی کثرت اور ہندوستان سے تجارتی جہازوں کی آمدورفت دیکھ کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو تعجب نہیں کہ یہیں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت یاد آ گئی ہو اور ان ہی ایام میں آپ نے ہندوستان میں جہاد کرنے کی تمنا فرمائی ہو، جیسا کہ پہلے بھی گذر چکا ہے:

عن ابی هريرة قال وعدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم غزوة الهند فان ادركتها انفق فيها نفسی ومالی فان اقتل كنت افضل الشهداء وان ارجع فانا ابو هريرة المحرّر.[۲۴۴]

---

[۲۳۶] الادب المفرد ص ۱۸۶۔ [۲۳۷] کنز العمال باب اللہو واللعب ج ۷ ص ۳۳۱۔ [۲۳۸] ایضاً ص ۳۳۵۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ ہند کا وعدہ فرمایا ہے اگر میں اس میں شریک ہوسکا تو اپنا جان و مال قربان کردوں گا، اگر اس میں کام آ گیا تو بہترین شہید ہوگا اور اگر واپس لوٹا تو نار جہنم سے آزاد ابو ہریرہ ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ تمنا دل ہی میں تھی کہ حضرت عمرؓ نے ۱۵ھ میں ان کی جگہ حضرت عثمان بن ابی العاصی ثقفیؓ کو بحرین کا حاکم مقرر فرمایا، جنھوں نے ہندوستان پر فدائیان اسلام کے ذریعے تین طرف سے فوج کشی کرائی۔

۱۵ھ میں تھانہ، بھڑوچ اور دیبل پر حملہ

عثمان بن ابی العاصی ثقفیؓ ۹ھ میں طائف کے وفد ثقیف کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر مشرف بہ اسلام ہوئے، آپ نے ان کی صلاحیت کے پیش نظر ان کو طائف کا حاکم مقرر فرمایا، اس وقت سے خلافت صدیقی اور خلافت فاروقی کی ابتداء تک آپ طائف کے حاکم رہے، مگر حضرت عمرؓ نے ۱۵ھ میں انکو طائف کے بجائے بحرین اور عمان کا حاکم مقرر کیا، یہ کئی بھائی تھے (۱) عثمان بن ابی العاصیؓ (۲) حکم بن العاصیؓ (۳) مغیرہ بن ابی العاصیؓ (۴) اور حفص بن ابی العاصیؓ، عثمان نے بحرین اور عمان کی تولیت کے ابتدائی دور ہی میں اپنے بھائی حکم کو طائف سے بلا کر بحرین بھیج دیا اور خود عمان پہنچ کر متطوعین اور فدائیان اسلام کی فوج تیار کی اور اس کی قیادت اپنے بھائی حکم کو دیکر ہندوستان روانہ کیا، اس مہم میں تھانہ (بمبئی) اور بڑوچ (گجرات) دونوں ساحلی مقامات پر حکم بن ابی العاصی نے اپنی فوج کو لے کر حملہ کیا اور فتح پائی، نیز عثمان نے اپنے دوسرے بھائی مغیرہ بن ابی العاصی کی زیر قیادت ایک رضاکارانہ بحری فوج دیبل (ٹھٹھہ، سندھ) کی طرف روانہ کی جہاں سے اسلامی لشکر مظفر و منصور واپس ہوا۔

جب اسلامی لشکر ہندوستان واپس گیا تو حضرت عثمان ثقفیؓ نے امیر المومنین حضرت عمرؓ کو اس کی پوری تفصیل لکھی، چونکہ حضرت عمرؓ اس فوج کشی سے بے خبر تھے اور اس سے پہلے بحری راستہ سے اسلامی فوج ادھر نہیں آئی تھی اس لئے آپ نے عثمانؓ کے اس اقدام کو ناپسند فرمایا اور تہدید آمیز خط لکھا کہ اگر اس خطرناک اور غیر منظم مہم میں مسلمانوں کا جانی نقصان ہوا تو تمہارے قبیلہ ثقیف سے ایک ایک کا بدلہ

۲۳۹ صحیح مسلم۔ ۲۴۰ رحلۃ الصدیق، نواب صدیق حسن خاں ص ۷۴ طبع بمبئی۔

لوں گا، الغرض وصال نبوی کے چار سال بعد صحابہ کرام اسلام کی دولت لے کر ہندوستان تشریف لائے اور اس سرزمین نے بڑھ کر ان کا استقبال کیا، ان مہمات کا تذکرہ مشہور مورخ بلاذری نے فتوح البلدان کے باب فتوح السند میں یوں کیا ہے۔

ولی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ عثمان بن ابی العاصی الثقفی البحرین وعمان سنۃ خمس عشرۃ، فوجہ اخاہ الحکم الی البحرین، ومضی الی عمان فاقطع جیشا الی تانہ فلما رجع الجیش کتب الی عمر یعلمہ ذلک، فکتب الیہ عمر یا اخا ثقیف حملت وودا علی عود، وانی احلف باللہ ان لو اصیبوا لاخذت من قومک مثلھم ووجہ الحکم ایضا الی بروص، ووجہ اخاہ المغیرۃ بن ابی العاصی الی خور الدیبل فلقی العدو فظفر۔ [۲۴۵]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۵ھ میں عثمان بن ابوالعاصی ثقفی کو بحرین اور عمان کا حاکم بنایا، عثمان نے اپنے بھائی حکم کو بحرین روانہ کیا اور خود عمان پہنچ کر تھانہ کی طرف ایک فوجی مہم روانہ کی اور جب لشکر واپس آیا تو حضرت عمرؓ نے ان کو لکھا کہ اے ثقفی! تو نے گویا کیڑے کو لکڑی پر سوار کر کے سمندر کے حوالے کر دیا ہے خدا کی قسم اگر مسلمانوں پر کوئی آفت آئی تو تمہاری قوم سے اس کا بدلہ لوں گا، نیز عثمان نے اپنے بھائی حکم کو بھڑوچ روانہ کیا اور ایک اور بھائی مغیرہ کو دیبل کی کھاڑی کی طرف روانہ کیا جہاں انھوں نے دشمن سے مقابلہ کر کے فتح پائی۔

عام تاریخوں میں ان حملوں کے بیان نہ کرنے کی وجہ

تعجب ہے کہ عام مورخوں نے ہندستان میں مسلمانوں کی اس ابتدائی آمد اور یہاں کے تین مقامات پر ان کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے، البتہ یاقوت حمویؒ نے معجم البلدان میں خور دیبل پر حضرت حکم ثقفیؒ کے حملہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

---

۲۴۱ موضح اوہام الجمع والتفریق طبع حیدرآباد ج ۲ ص ۲۹۷۔ ۲۴۲ صحیح مسلم، باب فضائل اشعریین۔

والديبل من ناحية السند مدينة على ساحل بحر الهند، ووجه اليه عثمان بن ابى العاص اخاه الحكم ففتحه.[۲۴۶]

دیبل سندھ کا ایک شہر بحر ہند کے ساحل پر ہے اور عثمان بن ابی العاص نے اپنے بھائی حکم کو یہاں بھیجا جنھوں نے اسے فتح کیا۔

اس سے اتنا تو ثابت ہی ہو گیا کہ علامہ بلاذری اپنے بیان میں تنہا نہیں ہیں بلکہ یاقوت حموی بھی ان کے ساتھ ہیں، البتہ حموی نے اس سلسلے میں صرف دیبل کا نام لیا ہے اور تھانہ اور بھڑوچ کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے۔

بہت سے مورخوں نے بلاذری ہی کے حوالے سے عثمان ثقفیؓ کی پانچ چھ سال بعد کی مجاہدانہ سرگرمیوں اور فتوحات کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے بلکہ خود بلاذری نے اسی فتوح البلدان میں کور فارس وکور رمان کی فتوحات کے باب میں عثمان کی بحرین وعمان میں تقرری کو بیان کرتے ہوئے تھانہ، بھڑوچ اور دیبل پر حکم کے فوج کشی کرنے کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے، حالانکہ بحری رستہ سے فارس کی مہم کا تذکرہ کیا ہے۔

ثم لما ولى عمر عثمان بن ابى العاصى الثقفى البحرين وعمان فدوخهما واتسقت له طاعة أهلهما، وجه اخاه الحكم بن ابى العاصى البحر إلى فارس.[۲۴۷]

جب حضرت عمرؓ نے عثمان بن ابی العاصی ثقفی کو بحرین اور عمان کا حاکم بنایا تو انھوں نے ان دونوں مقامات کو زیر کر کے مقامی باشندوں کو مطیع کر لیا اور اپنے بھائی حکم کو براہ سمندر فارس کی مہم پر روانہ کیا۔

حموی اور دوسرے مورخوں کے ان حملوں کے تذکرہ نہ کرنے کی وجہ یہی ہے کہ یہ بالکل متطوعانہ اور غیر منظم جھڑپ تھی، کوئی مستقل فوج کشی اور جنگ نہیں تھی، جسے حضرت عمرؓ نے بھی ناپسند کرتے ہوئے کوئی اہمیت نہیں دی بلکہ شدت سے منع فرمایا، اسی طرح امام ابن عبدالبر نے بھی استیعاب میں عثمان بن ابی العاصی کے ۱۵ھ بحرین اور عمان کے حاکم بنائے جانے کا تذکرہ کر کے لکھا ہے کہ عثمان خود تو عمان چلے گئے اور اپنے بھائی حکم کو بحرین بھیجا، اس کے بعد حکم کے بارے میں کچھ نہیں لکھا، بلکہ

---

۲۴۳ طبقات ابن اسعد طبع بیروت ج ۱ ص ۳۴۸۔ ۲۴۴ صحیح مسلم، ذکر دال۔ ۲۴۵ الاصابہ ج ۲ ص ۱۲۱ طبع جدید

عثمان کے ۲۱ھ میں فارس کے شہر توج پر حملہ کرنے کا ذکر کیا ہے:

وسار هو الى توج ففتحها ومصرها وقتل ملكها شهرك وذلك سنة احدى وعشرين۔[۲۴۸]

اور خود عثمان توج گئے اور اسے فتح کر کے آباد کیا، اور وہاں کے ایرانی حاکم شہرک کو قتل کیا، یہ واقعہ ۲۱ھ کا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ۱۵ھ سے ۲۰ھ تک خود عثمان نے کوئی جنگی سرگرمی نہیں دکھائی بلکہ ۲۱ھ میں پہلا حملہ انھوں نے توج پر کیا اور اس میں اپنے بھائی حکم سے مدد لی، چنانچہ حموی نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ عثمان نے اپنے بھائی حکم کو عمان سے بحری مہم پر روانہ کیا اور انھوں نے فارس کے شہر برکان کو فتح کر کے توج کا رخ کیا۔[۲۴۹]

عثمان ثقفیؓ کی طرف سے ان کے بھائی حکم اور مغیرہ کی زیر قیادت ہندوستان کے تین ساحلی مقامات پر جو ہنگامی حملہ ۱۵ھ میں ہوا تھا، اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے خلافت صدیقی کے ابتدائی دور میں حضرت مثنیٰ بن حارثہ شیبانیؓ حدود فارس پر حیرہ کی طرف سے اور حضرت سوید بن قطبہ عجلیؓ ابلہ کی راہ سے حملہ آور ہوتے تھے، اور پھر صحراؤں میں چلے جاتے تھے[۲۵۰]، اور جس طرح ان دونوں حضرات کی ان ہنگامی یلغاروں اور وقتی حملوں کا مفصل حال اسلامی تاریخوں میں نہیں ملتا، اسی طرح حکم اور مغیرہ کے ہندوستان پر ان بحری حملوں کا ذکر بھی نہیں ملتا۔

ہندوستان طائف اور اس کے قبیلہ بنو ثقیف کا یہ احسان کبھی نہیں بھول سکتا ہے کہ نس نے ہندوستان کو اپنی دینی اور روحانی توجہ کا مرکز بنا کر، جب بھی اسے اقتدار ملا، اسکی طرف رخ کیا، عہد فاروقی میں حضرت عثمان ثقفی نے بحرین وعمان کی گورنری پاتے ہی اپنے دو بھائیوں حکم اور مغیرہ کو یہاں اسلام کی برکت دیکر روانہ کیا اور اموی دور خلافت میں حجاج بن یوسف ثقفی نے عراق کی گورنری پا کر اپنے جواں سال بھتیجے محمد بن قاسم کو خلافت کے زیر اہتمام باقاعدہ اسلامی فوج کے ساتھ ہندوستان روانہ کیا۔

حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی

یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس نانوادۂ ثقیف کا مختصر تذکرہ کر دیا جائے جس کا تقریباً ہر فرد

۲۴۶ مجموعہ کلمات ورسائل مولوی بخاری قلمی ورق ۱۹۰، یہ نسخہ میرے پاس محفوظ ہے۔

ہندوستان کا محسن ہے، حضرت ابو عبداللہ عثمان بن ابی العاص بن بشر بن عبد دہمان بن عبداللہ طائف کے مشہور قبیلہ بنو ثقیف سے تعلق رکھتے ہیں ۹ ھ میں طائف کے وفد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ارکان وفد میں سب سے چھوٹے تھے، اس لئے لوگوں نے انھیں ڈیرے پر سامان کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا جب وہ لوگ دوپہر میں آکر سوئے تو آپ چپکے سے خدمت نبوی میں حاضر ہوکر مشرف بہ اسلام ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین اور قرآن کی تعلیم حاصل کرتے رہے اگر رسول اللہ کو آرام فرماتے دیکھتے تو حضرت ابوبکر اور حضرت ابی بن کعب سے قرآن پڑھتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس بات سے بہت خوش ہوئے اور جب تمام ارکان وفد کھل کر اسلام لائے تو عثمان نے بھی اپنا اسلام ظاہر کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی طرف سے طائف کا حاکم بنایا، خلافت صدیقی تک آپ اپنے منصب پر رہے، پھر حضرت عمرؓ نے ان کو بحرین اور عمان کی گورنری کے لئے طلب کیا پہلے تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے حاکم بنایا ہے میں اسے ہٹا نہیں سکتا مگر جب لوگوں نے مشورہ دیا کہ آپ ان سے کہیں کہ اپنی طرف سے کسی کو طائف کا حاکم مقرر کرلیں، چنانچہ اسی طرح حضرت عمرؓ نے ان کو ہٹایا کہ انھوں نے اپنے بھائی حکم کو اپنا نائب مقرر کیا اور بحرین وعمان کی گورنری سنبھالی، پھر جلد ہی حکم کو اپنے پاس بلا کر ہندوستان اور ایران کی مہمات پر روانہ کیا اور خود ایران میں اپنی بہادری کے جوہر دکھا کر بہت سے مقامات فتح کیے آخر میں جس جگہ آپ رہتے تھے اسے شط عثمان کہا جاتا تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی دینی خدمات پر بارہ ہزار جریب کا ایک ٹکڑا جاگیر میں دیا صحاح اور سنن میں آپ کی احادیث وروایات، موجود ہیں، حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں بصرہ میں انتقال ہوا۔

حضرت حکم بن ابی العاص ثقفی

حضرت حکم بن ابی العاص بن بشر رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عثمان یا ابو عبدالملک ہے، صحابی رسول ہیں، بڑے بہادر اور شان کے آدمی تھے، اپنے بھائی عثمان ثقفیؓ کی طرف سے بحرین کی گورنری سنبھالی اور ایران وعراق میں اسلامی فتوحات کیں، اپنی قیادت میں فدائیان اسلام کی ایک جماعت لے کر ۱۵ ھ میں تھانہ اور بھڑوچ آئے تھے، آپ بھی اپنے بھائی عثمان کے ساتھ بصرہ میں آباد ہو گئے تھے۔

---

۲۴۷ مسند احمد، وسنن نسائی، باب غزوۃ الہند۔ ۲۴۸ فتوح البلدان ص ۴۲۰ طبع مصر۔

حضرت مغیرہ بن ابی العاصؓ

حضرت عثمان ثقفی کے حقیقی بھائی اور ان کی دینی اور اسلامی سرگرمیوں میں شریک ہیں، آپ نے اپنے بھائی عثمان کی طرف سے دیبل (کراچی) پر فدائیان اسلام کو لے کر کامیاب فوج کشی کی ایک روایت ہے کہ آپ سندھ میں فوت ہوئے اور یہیں دفن ہوئے مگر یہ روایت معتبر نہیں ہے۔

خلافت راشدہ میں ہندوستان سے تعلقات

۱۵ھ میں ہندوستان پر غیر منظم بحری حملہ کے بعد عہد فاروقی میں پھر کسی مہم کا پتہ نہیں چلتا، چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس مہم کے سخت خلاف تھے، اور بغیر مکمل تیاری اور پوری معلومات کے ہندوستان کے طول طویل بحری سفر کو مصلحت کے خلاف سمجھتے تھے، اس لئے حضرت عثمان ثقفیؓ نے پہلے حملہ کے بعد اس کی طرف کوئی توجہ نہیں بلکہ پانچ چھ سال بعد ایران کے علاقوں میں مجاہدانہ سرگرمی تیز کی اور اپنے بھائی حکم کو بھی اس طرف متوجہ کیا۔

عہد فاروقی میں سندھ اور مکران کی حدود تک براہ خشکی مجاہدین اسلام کے قدم آئے مگر آگے نہ بڑھے، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو آپ نے ہندوستان کی طرف توجہ فرمائی اور حضرت عمرؓ کی محتاط روش کی روشنی میں عراق کے حاکم عبداللہ بن عامر کریز کے ذریعہ حضرت حکیم بن جبلہ عبدی کو ہندوستان کے سرحدی مقامات کے سیاسی اور ملکی حالات اور جہاد کے امکانات معلوم کرنے کے لئے یہاں بھیجا، مگر یہاں کے حالات جہاد کے لئے مناسب نہ تھے، اس لئے مزید کوئی کاروائی نہیں کی، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو آپ نے ۳۰ھ کے ابتداء میں حارث بن مرہ عبدی کو اجازت دی کہ وہ متطوعین کی ایک جماعت لے کر ہندوستان کا رخ کریں، چنانچہ حارث بن مرہ عبدی نے ہندوستان کی شمالی مغربی سرحد پر حملہ کیا اور مال غنیمت پایا، مگر بعد میں قیقان (کیگان، قلات) کے ایک معرکہ میں حارث بن مرہ اور بہت سے مسلمان شہید ہوئے، یہ ۴۲ھ کا واقعہ ہے۔

حضرت معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں ۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفرہ نے ہندوستان کا رخ کیا اور بنوں پر فوج کشی کی، اس کے بعد عبداللہ بن سوار عبدی نے قیقان پر حملہ کر کے گزشتہ شکست کا بدلہ لیا

۴۹ معجم البلدان ج ۲ ص ۴۲۷ ذکر توج۔ ۵۰ الاخبار الطوال دینوری ص ۱۱۰ طبع مصر۔

اور فتح پائی، نیز حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں زیاد بن ابی سفیان نے سنان بن سلمہ بن محبق ہذلی کو مکران کی طرف روانہ کیا، جہاں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی، اسی دوران میں زیاد نے راشد بن عمرو ازدی کو مکران بھیجا اور راشد نے قیقان کو فتح کر کے بحری ڈاکوؤں کا قلع قمع کیا[۲۵۱]۔

الغرض عہد فاروقی کی ابتداء سے حضرت معاویہؓ کے زمانہ تک ہندوستان اور عرب کے تعلقات کی نوعیت وقتی معرکہ آرائی اور غالب و مغلوب کی رہی جن میں خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ کرام اور تابعین عظام نے حصہ لیا، ظاہر ہے کہ ان مہمات میں بزم نبوت کے حلقہ نشینوں کے مبارک قدم اس ملک میں آئے ہوں گے، جن کے انفاس گرم کی تاثیر سے آج تک ہندوستان میں اسلام اور مسلمان زندہ و تابندہ ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک زندہ و تابندہ رہیں گے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

---

۲۵۱ تفصیلات کیلئے فتوح البلدان، باب فتوح السند ملاحظہ ہو۔

حصہ دوم

خلافت راشدہ اور ہندوستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰه رب العالمین، والصلوٰة والسلام علیٰ خیر خلقه سیدنا و نبینا و مولانا محمد صلی اللّٰه علیه وعلیٰ آله واصحابه واتباعه اجمعین

راقم کی کتاب، "العِقدُ الثمینُ فِی فُتُوحِ الهند و مَن وَرَدِفیها مِن الصَّحابة والتابعین" شائع ہوئی، اور اسی وقت خیال ہوا کہ اس کا ترجمہ ہو جانا چاہیے تا کہ ہر طبقے کے لوگوں کو فائدہ پہنچے۔

خیال ہوا کہ اسی کتاب کو مآخذ قرار دے کر ہندوستان کے خالص اسلامی عہد کی مستقل تاریخ مرتب کردی جائے تا کہ اسلامی ہند کی واضح اور مکمل تاریخ کا نقشہ سامنے آ جائے، چنانچہ جب "العقد الثمین" کو اصل قرار دے کر مزید معلومات ومباحث کی مدد سے مستقل تصنیف کا کام شروع کیا تو اندازہ ہوا کہ اس ایک کتاب سے حسب ذیل تین مستقل کتابیں مرتب ہوں گی، (۱) خلافت راشدہ اور ہندوستان (۲) خلافت امویہ اور ہندوستان، (۳) خلافت عباسیہ اور ہندوستان۔

ان کتابوں میں معروضی مطالعہ یا تقابلی مطالعہ کے عبث نظریہ کو بالکل درخور اعتناء نہیں سمجھا گیا بلکہ ہندوستان کی خالص اسلامی اور عربی تاریخ کو اصل مقصد قرار دے کر یہ سلسلۂ تالیف وتصنیف جاری کیا گیا ہے۔ البتہ پوری کوشش کی گئی ہے کہ واقعہ نگاری میں فرق نہ آئے اور چونکہ قدیم عربی تاریخوں ہی میں یہاں کے اسلامی عہد کے واقعات ملتے ہیں اس لئے ان ہی کو ماخذ قرار دیا ہے۔

چند ضروری باتیں

مسلمانوں کے محاسن ومفاخر میں ان کے تاریخ ورجال کا فن بہت ممتاز ہے، انہوں نے اپنی ملی و قومی تاریخ نہایت مستند ومعتبر طریقہ پر بہت ہی شرح وبسط کے ساتھ مدون کی ہے، اور ان کی چند صدیوں کی تاریخ پر جو لکھا گیا ہے، دوسری قوموں کی ہزاروں سال کی تاریخ پر اس کا عشر عشیر بھی نہیں لکھا جاسکا ہے۔

متقدمین اور متاخرین کی تاریخ نویسی میں فرق

پھر مسلمانوں نے اپنی تاریخ کے اسلامی، دینی، ملی، سیاسی، تمدنی، علمی، فکری، ادبی، لسانی، اجتماعی

اور انفرادی پہلوؤں میں سے ہر ایک پر الگ الگ تصانیف کے انبار لگائے ہیں اور اپنی ملی وقومی زندگی کے ہر شعبہ کو مستقل عنوان اور موضوع قرار دے کر اس پر بے شمار کتابیں لکھی ہیں، وہ بھی اس طرح کہ اس کے دائرے میں رہتے ہوئے تاریخ نویسی اور سوانح نگاری کا فرض نہایت مستوعب و مکمل طور پر بوجوہِ احسن انجام دیا ہے۔ مثلاً غزوات وفتوحات کے موضوع پر صرف رزم کی داستانیں مرتب کیں، اس میں علمی وفکری تاریخ کو نہیں ملایا اور تہذیب وتمدن کے مباحث پر جو کتابیں تصنیف کیں ان میں صرف تہذیبی وتمدنی حالات درج کئے، اس طرح مسلمانوں نے تاریخ کے ہر موضوع پر مستقل تصانیف کا دائرۃ المعارف تیار کر دیا۔

قدماء کے اس عام طرز تاریخ نویسی کی وجہ سے بعض لوگوں کی طرف سے شکوہ ہونے لگا کہ ہماری تاریخوں میں غزوات وفتوحات اور حکومت وامارت کی تفصیلات تو نہایت شرح وبسط سے پائی جاتی ہیں مگر تمدنی، فکری، علمی، معاشی، معاشرتی باتیں اور مقامی ووقتی احوال نہیں ملتے ہیں، حالانکہ اس شکوہ کی وجہ ان موضوعات کی مستقل تصانیف سے کوتاہ نظری اور صرف سیر ومغازی کی کتابوں ہی میں سب کچھ تلاش کرنے کی سعی ناکام اور ذوق خام ہے۔

نیز اس زمانہ میں کسی ملک یا قوم کی تاریخ نویسی میں اس کے تمام شعبہ ہائے حیات سے بحث کا ذوق عام ہو گیا ہے اور اس کی افادیت بھی ظاہر ہے، مگر ہمارے قدیم مورخوں کا ذوق اس سے جداگانہ تھا، انہوں نے تمام باتوں کو یکجا بیان کرنے کے بجائے ایک ایک موضوع پر کتب خانے جمع کر دیئے، اگر ہمت وحوصلہ ہو تو ان کتابوں سے تحقیق وتلاش اور اخذ واقتباس سے کام لے کر موجودہ ذوق کے مطابق جامع تاریخ مرتب کی جا سکتی ہے، اور آج جب کہ دنیا کی دوسری قومیں اپنے ماضی کے اندھیرے سے غاروں اور سیاہ خانوں میں بیٹھ کر اپنی تاریخ بناتی ہیں مسلمان اپنے قدماء کی کتابوں سے تابناک ماضی کے مختلف گوشوں سے روشنی حاصل کر کے دنیا کے سامنے اپنی شاندار روایات کا مینارۂ نور نصب کر سکتے ہیں، چنانچہ ہندوستان کی خالص اسلامی تاریخ پر اس طرح کی یہ پہلی تحقیقی کاوش اس حقیقت کی مثال ہے۔

ہندوستان کی خالص اسلامی اور عربی تاریخ کی ضرورت

مشرقی عالم اسلام میں ہندوستان وہ خوش نصیب ملک ہے جو عہد رسالت ہی میں بڑی حد تک اسلام سے روشناس و مانوس ہو گیا تھا، اور خلافت راشدہ میں اس کا ایک معتدبہ حصہ اس طرح

دارالاسلام بن چکا تھا کہ آج بھی اس ملک میں اسلام اور مسلمان اپنے تمام ملی و دینی اور علمی و فکری امتیازات و خصوصیات کے ساتھ زندہ و پائندہ ہیں اور علمائے اسلام نے پہلے ہی دن سے اسے دارالاسلام کا ایک قابل قدر حصہ قرار دے کر یہاں کی فتوحات و غزوات اور کوائف و احوال کو اپنی کتابوں میں ثبت کیا، اور فتوحات و مغازی کی کتابوں میں فارس کے سجستان اور خراسان و کرمان وغیرہ کے ساتھ ہندوستان کے ببرح، بلوچستان، قصدار، مکران، سندھ، قندابیل اور قیقان وغیرہ کے غزوات و فتوحات کی تفصیلات درج کیں اور اس زمانہ کے ذوق و معیار کے مطابق ان میں حرب و ضرب، سبایا و غنائم، اور ولایات و امارات کو بیان کیا، ساتھ ہی مسلمانوں کے عام علمی و فکری اور تمدنی موضوعات پر الگ سے کتابیں لکھ کر ان میں پورے عالم اسلام کے علوم و آداب اور تہذیب و تمدن کی معلومات جمع کیں، جن میں ہندوستان کے بارے میں بھی بہت سی باتیں آ گئیں، مثلاً اموال و خراج پر جو کتابیں لکھی گئیں ان میں اسلام کے مالیاتی نظام، ارضیاتی نظام اور سرکاری نظام کے مباحث درج کئے گئے جو خلافت راشدہ اور اس کے بعد اموی اور عباسی ادوار میں عام طور سے رائج تھے، ان میں کسی خاص ملک یا علاقہ کی تخصیص نہیں تھی، اسی طرح شرعی قوانین، تعزیرات اور حدود کو مدون کر کے بتایا گیا کہ پورے عالم اسلام میں ان ہی پر عمل ہوتا تھا، نیز طبقات و رجال اور تذکرہ کی کتابوں میں علوم و فنون اور ان سے متعلق علماء کے حالات قلمبند کئے گئے۔

اگر کوئی مؤرخ چاہے تو کسی ایک ملک یا علاقے کی اسلامی تاریخ کے ہر پہلو کو ان کتابوں سے چھان بین کر کے نمایاں کرے، غزوات و فتوحات کیلئے سیر و مغازی کا مطالعہ کرے، دینی و علمی رجال کے لئے طبقات و تذکرہ کی کتابیں پڑھے۔ نظام حکومت کے لئے خراج و اموال اور قوانین کا کتب خانہ کھنگالے، عام حالات کے لئے ادب و محاضرات اور متعلقہ کتابوں کی ورق گردانی کرے اور ان سے اخذ و اقتباس کر کے جامع اور مستوعب تاریخ مرتب کرے۔

بہت سے علمائے اسلام نے اس صورت سے اپنے اپنے ملکوں اور شہروں کی اسلامی تاریخ مرتب کی، جس میں غزوات و فتوحات، امارات، صحابہ و تابعین کی آمد، مساجد و مشاہد، اسلامی آثار و علائم، تہذیبی و تمدنی زندگی اور علمی و دینی سرگرمی، الغرض وہ سب کچھ جمع کر دیا جو اس زمانہ کے ذوق کے مطابق ایک جامع تاریخ کے لئے ضروری تھا۔ چنانچہ تاریخ جرجان، تاریخ اصفہان، تاریخ بغداد، تاریخ دمشق وغیرہ اسی انداز پر لکھی گئیں، اور ان میں مختلف موضوعات سے متعلق معلومات درج کر دیئے

گئے۔

خلافت راشدہ کے اسلامی قلمرو کا تقریباً نصف حصہ مشرقی ممالک پر مشتمل تھا، جس کے شمال میں ماوراء النہر کے آگے سمرقند و بخارا اور جنوب میں ہندوستان کے علاقے بلوچستان، مکران اور سندھ وغیرہ واقع تھے، اور ان کے وسط میں بلاد فارس یعنی خراسان، سجستان اور کرمان وغیرہ تھے، یہ تمام مشرقی ممالک خلافت راشدہ ہی میں اسلام کے زیر نگین آ چکے تھے۔ اور ان سب میں فتوحات و امارات اور انتظامات کی نوعیت ایک ہی تھی، البتہ بعض خطوں میں خاص حالات کی وجہ سے معمولی تبدیلیاں تھیں، مگر مجموعی طور سے سب ایک ہی قسم کے نظام سے مربوط و متعلق تھے، اور یہاں کے ایک خطہ کے حالات پورے مشرقی ممالک سے اس طرح مربوط تھے کہ جب تک پورے حالات پر نظر نہ ہو کسی ایک جگہ کا حال معلوم کرنا مشکل تھا، مثلاً اگر کوئی مورخ اس دور کے اسلامی ہند کی تاریخ مرتب کرنی چاہے تو اسے جنوب مشرق کے تمام ممالک کی تاریخ پر نظر رکھنی چاہئے، خاص طور سے جو ممالک اور علاقے موجودہ ایران و افغانستان اور پاکستان پر مشتمل ہیں اور جن کو قدیم ہندوستان سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، ان کی تاریخ سے اخذ و اقتباس ضروری ہوگا، اس لئے اسلامی ہند کی تاریخ میں ان قدیم علاقوں کی اسلامی تاریخ سے مدد لینی ضروری ہے، اور یہاں کی تاریخ جنوبی فارس کی تاریخ کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔

یہ بات قابل افسوس اور ساتھ ہی باعث تعجب بھی ہے کہ آج تک اسلامی ہند کی تاریخ میں کسی زبان میں کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی جس کو پڑھ کر عہد رسالت، خلافتِ راشدہ، خلافتِ امویہ اور خلافتِ عباسیہ کے ہندوستان کا کوئی واضح نقشہ اور مرتب خاکہ ہمارے سامنے آجائے اور جسے دیکھ کر ہمیں معلوم ہو کہ ان ادوار میں اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کے واقعی حالات کس قسم کے تھے؟ فتوحات و مغازی کی کتابوں میں جو کچھ ہندوستان سے متعلق بیشتر واقعات ہیں اگر ان کو یکجا کیا جائے تو صرف دس بیس صفحات میں آجائیں گے، جن سے ہم کوئی اطمینان بخش نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے اور نہ یہاں کی اسلامی تاریخ کا کوئی واضح نقشہ پیش کر سکتے ہیں، اس کمی کو پورا کرنے کے لئے میں نے ۱۳۸۸ھ میں قدماء کے طرز پر ایک کتاب "العقد الثمین فی فتوح الھند ومن ورد فیھا من الصحابۃ والتابعین" کے نام سے لکھی، یہ کام اگرچہ مختصر طور پر ہوا مگر کسی نہ کسی حد تک، ہندوستان کی خالص اسلامی تاریخ کا خلا پر ہوا مگر جس ملک کی یہ اسلامی تاریخ مرتب کی گئی تھی بڑی حد تک اس کے تمام مسلمان اب بھی اپنے

شاندار ماضی سے ناواقف تھے، اسی شدت احساس کے ماتحت پیش نظر سلسلہ شروع کیا جاتا ہے۔

ہندوستان کی مفصل اسلامی تاریخ میں اگر عام نظام حکومت، شہری قوانین اور تمدن و حضارت کی سرگرمیوں کو بیان کیا جائے تو کتاب اپنے دائرے سے نکل کر پورے عالم اسلام کی تاریخ بن جائے، اور اگر صرف ان ہی واقعات واحوال پر اکتفا کیا جائے جو تاریخوں میں مصرح طور سے یہاں سے متعلق درج ہیں تو کوئی واضح شکل سامنے نہ آئے۔ اس لئے ان دونوں کی درمیانی راہ اختیار کر کے جن باتوں کا تذکرہ یا اشارہ تاریخوں میں موجود ہے۔ ان سے متعلقہ مباحث کو نسبتاً تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور جن امور کے بارے میں کوئی تذکرہ یا اشارہ نہ مل سکا ان کا تذکرہ اجمالی طور سے کر کے بتا دیا گیا ہے کہ پورے عالم اسلام کی طرح یہاں بھی ان کا رواج تھا۔

عالم اسلام میں اسلامی ہند کی حیثیت

اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ خلافت عباسیہ تک پورے عالم اسلام میں وہی نظام حکومت رائج تھا جسے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں کتاب وسنت اور شوریٰ کی روشنی میں جاری فرمایا تھا، البتہ بعض مقامات اور بعض حالات میں مقامی و ہنگامی مصالح کی وجہ سے امراء کی صوابدید سے اس میں کوئی تبدیلی ہو جاتی تھی وہ بھی اس طرح کہ اصل قوانین واصول کی روح بحال رہے، نیز ان ادوار میں اسلامی ہند میں علوم وفنون کی ترویج معاش ومعیشت کی سرگرمی، تہذیب و تمدن کی ترقی اور ذہنی وفکری نشو ونما کی رفتار وغیرہ کا وہی حال تھا جو فارس، خراسان، بجستان اور عرب و عجم کے تمام اسلامی ممالک میں پایا جاتا تھا، اس زمانے میں فارس، مکران اور سندھ وغیرہ کے تمام مشرقی ممالک فتوحات اور انتظامات کے اعتبار سے سوادِ عراق یا ارض عراق میں شمار کئے جاتے تھے، یہی وجہ ہے کہ یہاں کی فتوحات؛ غیرہ عربی تاریخوں میں عراق کی فتوحات کے ضمن میں بیان کی گئی ہیں۔

اور جو نظام سواد عراق سے متعلق ممالک میں رائج تھا وہی یہاں بھی رائج تھا، جس کے باعث فارس کے جنوبی مشرقی حصے اور ہندوستان کے شمال مغربی حصے ایک دوسرے سے یوں مربوط و متعلق تھے کہ ایک کی تاریخ دوسرے کی تاریخ کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی، چنانچہ ہمارے لئے بھی ایسا کرنا ناگزیر تھا۔ البتہ کوشش کی گئی ہے کہ ہندوستان سے متصل علاقہ فارس کے حالات بقدرِ ضرورت آئیں جن سے یہاں کی تاریخ میں مدد مل سکے۔

خلافت راشدہ کے فیوض و برکات

جاننا چاہئے کہ خلافتِ راشدہ کا دور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت سے حضرت علیؓ کی شہادت تک سراسر خیر و برکت اور یمن و سعادت کا دور ہے۔ یہ خلافت و حکومت دنیا سے زیادہ آخرت سے قریب تھی، اس کا مزاج انبیاء کا، ہیئت اولیاء کی، اور فتوحات سلاطین کی تھیں، خلیفۃ المسلمین بازاروں میں اس حال میں پیدل چلتا تھا کہ پاؤں میں پرانے جوتے، بدن پر پیوند لگا ہوا پرانا کپڑا اور ہاتھ میں درہ ہوتا تھا، مگر رعب و ہیبت کا یہ عالم تھا کہ اس کی شکل سے دنیا کانپتی تھی۔ خلفائے راشدین کی یہ ظاہری ہیئت ان کے فقر و محتاجی کی وجہ سے نہیں تھی، ان کے پاس ذاتی دولت تھی وہ بڑے بڑے صدقات و خیرات کیا کرتے تھے، بلکہ وہ اپنے کو امت مسلمہ کے طبقہ فقراء و مساکین میں رکھ کر ان کی غمخواری و ہمدردی کا عملی ثبوت پیش کرتے تھے، خلافت راشدہ کے خلفاء فقراء و مساکین کے طبقہ سے معلوم ہوتے تھے، خلافت امویہ کے خلفاء قبائل کے شیوخ و سردار کے انداز میں زندگی بسر کرتے تھے، اور خلافت عباسیہ کے خلفاء ملوک و سلاطین کا جاہ و جلال رکھتے تھے، خلافتِ راشدہ کی عظیم الشان مشرقی فتوحات میں خراسان کے آگے دریائے جیحون کے اس پار سمرقند تک کا علاقہ شامل تھا اور افریقہ کے وسطی علاقے میں بلکہ اس سے بھی آگے مجاہدین اسلام پہنچ گئے تھے، مشرقی فتوحات کے ضمن میں ہندوستان کا ایک حصہ خلافت راشدہ کے زیر نگیں آ گیا تھا، جو یمن و سعادت اور خیر و برکت میں اس دور کے عالم اسلام کی ہمسری کر رہا تھا، اور اس میں خلافت راشدہ کے برکات و فیوض ہر طرف عام تھے۔ ہندوستان میں فتوحات کا سلسلہ عہد فاروقی میں حدود ۲۰ھ سے شروع ہوا اور حضرت علی کی شہادت ۴۰ھ پر ختم ہو گیا، اس درمیان میں حضرت عثمان کا دور خلافت (۲۳ھ تا ۳۵ھ) یہاں کے لئے اسلامی فتوحات و امارات کا عہد زریں ہے، اسی دور میں یہ علاقہ حقیقی طور سے دارالاسلام بنا، یہاں متعدد امراء و عمال مقرر کیے گئے، محکمہ قضاء کا قیام ہوا، مسلمانوں کی پہلی آبادی ہوئی اور نہایت پائیدار حکومت و امارت کا قیام عمل میں آیا، اس دور میں یہاں غزوات و فتوحات کی دو صورتیں تھیں، ایک یہ کہ خراسان و سجستان اور کرمان وغیرہ کی جنگی مہمات کے ضمن میں یہاں بھی مہمات روانہ کی جاتی تھیں، اور دوسری یہ کہ عراق سے براہ راست اور مستقل طور سے مکران، سندھ اور قندابیل وغیرہ پر فوج کشی کے نتیجہ میں فتوحات ہوئی تھیں، اس وجہ سے اس دور میں ہندوستان کی فتوحات کی صحیح تعداد کا علم نہیں ہو سکا البتہ اتنا معلوم ہے کہ

کم از کم یہاں پر پندرہ فتوحات ہوئی ہیں۔

صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی آمد

اسی طرح اس دور میں یہاں تشریف لانے والے صحابہ اور تابعین و تبع تابعین کے نام اور ان کی تعداد کا معلوم کرنا مشکل ہے، خلافت راشدہ کا دور اجلہ صحابہ و تابعین اور اسلامی رجال کی برکتوں سے مالا مال تھا، غزوات وفتوحات میں ان کی بڑی تعداد شریک ہوتی تھی، اور وہ اسلامی تعلیم کے لئے مفتوحہ بلاد وامصار میں خلافت کی طرف سے بھیجے جاتے تھے، چنانچہ فارس و ہند اور دوسرے مشرقی ممالک میں بھی ان کی آمد ہوئی، جن میں سے بعض حضرات کے نام کتابوں میں موجود ہیں، اور ان کے بارے میں ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنے انوار و برکات سے اس ظلمت کدہ کو بقعۂ نور بنایا مگر افسوس کہ ایسے حضرات صحابہ و تابعین کے نام بہت کم مل سکے، تاہنوز صرف سترہ صحابہ اور نو تابعین کے بارے میں یقین کے ساتھ معلوم ہو سکا ہے کہ ان کے مبارک قدم خلافت راشدہ میں یہاں آچکے ہیں جن میں دو صحابہ ابتدائی اموی دور میں آئے ہیں، ظاہر ہے کہ اسلامی فوج میں آنے والے صحابہ و تابعین کے مقابلے میں یہ تعداد صفر کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ اس دور میں عام طور سے اسلامی فوج اور مجاہدین اسلام میں غالب عنصر حضرات صحابہ و تابعین کا ہوتا تھا۔

عہد فاروقی سے عباسی دور کی ابتداء تک اس ملک میں صحابہ، تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم کی آمد جاری رہی ہے، علامہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ محمد بن قاسم کی فتوحات سے پہلے ہی حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے دور میں حضرات صحابہ ان علاقوں میں فاتحانہ انداز میں داخل ہو چکے تھے اور شام، مصر، عراق، یمن، اوائل بلاد ترک، ماوراء النہر، اوائل بلاد مغرب اور اوائل بلاد ہند وغیرہ میں ان کا عمل دخل ہو چکا تھا، دولت امویہ کے خاتمہ تک پوری صدی میں جہاد کی گرم بازاری رہی حتیٰ کہ عباسی خلافت میں ابوجعفر منصور، ہارون رشید اور ان کی اولاد کے دور میں بھی بلاد روم، ترک اور ہندوستان میں فتوحات کا سلسلہ جاری رہا[1] نیز انہوں نے لکھا ہے کہ اموی دور میں اسلامی لشکروں میں کبار تابعین کے ساتھ صلحاء و اولیاء اور علماء کی بڑی جماعت شریک رہا کرتی تھی جس سے اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد فرماتا تھا۔[2] امام ابن ابی حاتم رازیؒ نے کتاب الجرح والتعدیل کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم فتوحات و مغازی اور امارات و قضاء کے سلسلے میں دنیا کے اطراف و

ا۔ البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۸۸۔

امصار اور ثغور میں پھیلے، اوران میں سے ہر ایک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی روایت کی، اللہ تعالیٰ کے احکام جاری کئے، سنت کی روشنی میں مسلمانوں کے معاملات و مسائل حل کئے، ان کے بعد حضرات تابعین کا دور آیا جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کے حدود و فرائض، اوامر و نواہی اور احکام و سنن کی تعلیم و تبلیغ کی توفیق سے نوازا تھا اور انہوں نے حضرات صحابہ سے کتاب و سنت کے علوم حاصل کر کے دنیا میں عام کئے۔[1] صحابہ اور تابعین کے بعد حضرات تبع تابعین ان ممالک میں آئے اور اسلامی علوم اور اسلامی تعلیمات کی ترویج فرمائی، ان تینوں مقدس گروہوں میں سے ہر ایک نے ہندوستان میں بھی اسلامی و دینی خدمات انجام دیں۔

خلافت راشدہ میں ہندوستان میں صغار صحابہ اور کبار تابعین تشریف لائے، اصاغر و احداث صحابہ سے مراد وہ حضرات ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں پیدا ہوئے، اوران کے والدین ان کو خدمت نبوی میں لائے، اور آپ نے ان کے حق میں دعا فرمائی، یا کسی اور طریقہ سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا شرف پایا۔

بلاد سندھ و ہند

قدیم جغرافیہ نویسوں کے قول کے مطابق سندھ اور ہند دو الگ الگ ملک تھے، اور بسا اوقات دونوں پر ہند کا اطلاق کرتے تھے۔ یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ بوقیر بن یقطن بن حام بن نوح کی اولاد میں سندھ اور ہند دو بھائی تھے، جن کے نام سے یہ دونوں ملک مشہور ہوئے۔ بعض جغرافیہ نویس مکران کو سندھ میں شامل کر کے ہندوستان کے پانچ علاقے مانتے ہیں، سندھ اور ہند کے درمیان قامہل کا علاقہ حد فاصل ہے، چیمور (بمبئی) سے قامہل تک ہندوستان کا علاقہ ہے، اور قامہل کے آگے مکران، بدھ (طوران) ملتان تک سندھ کا علاقہ ہے۔

قدیم زمانہ میں مشترک ہندوستان کی شمالی حدود میں بادجستان، بست رخج، داور، بامیان اور کابل وغیرہ واقع تھے، یہاں کے راجہ کو اتبیل کہتے تھے، اور یہ سارا علاقہ ہندوستان میں شمار ہوتا تھا، اسی طرح جنوب میں (جزیرۃ الیاقوت) سرندیپ اور (ذمیبۃ المھل) جزائر مخلد یپ وغیرہ ہندوستان میں واقع تھے، بحر ہند اپنی وسعت، جزائر کی کثرت اور شہروں کی زیادتی کے اعتبار سے دنیا کا سب سے بڑا سمندر مانا جاتا تھا، بحر فارس کے علاقے تیز (مکران) سے بحر ہند کی ابتداء ہوتی ہے اور اس کا جنوبی

۱۔ تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۸ وص ۹۔ ۲۔ ایضاً ج ۹ ص ۸۷۔

سلسلہ بلاد زنج تک چلا گیا ہے، تیز مکران سے اس کا ساحل مشرقی سمت کی طرف مڑ گیا ہے، جس پر دیبل (سندھ) کچھ، (سوراشٹر)، سومنات، اور کھمبات (گجرات) واقع ہیں، پھر ایک کھاڑی خشکی میں چلی گئی ہے، جس سے بھڑوچ کا بحری راستہ ہے، اس کے بعد بحر ہند میں بہت موڑ ہو گیا ہے اور یہ موڑ بلاد مالا بار تک چلا گیا ہے، اس ساحل کے مشہور شہروں میں منجرور (منگلور، میسور) اور فاکنور ہیں، اس کے بعد فوفل کی کھاڑی آتی ہے، پھر معبر کا مقام آتا ہے جو ہندوستان کا آخری شہر ہے۔[4]

ہندوستان کے یہی بلاد و امصار اور بحر ہند کے سواحل تھے جو خلافت راشدہ میں مجاہدین اسلام کی سرگرمیوں کے جولانگاہ تھے، اور جہاں تک امارت و حکومت کا تعلق ہے اس کی حدود کابل و بحستان کے بعد مکران اور سندھ کے شہر قیقان و قندابیل تک تھیں اور کم و بیش بیس سال تک یہ علاقہ خلافت راشدہ کے فیوض و برکات کا مرکز رہا ہے، اور ان ہی حدود میں اسلام کا پہلا قافلہ اترا ہے۔

۴۔ معجم البلدان ج ۵ ص ۲۵۱ و ج ۷ ص ۱۸۔

عہدِ رسالت اور ہندوستان

عرب اور ہندوستان کے درمیان قدیم زمانہ سے مختلف قسم کے تجارتی، معاشی اور مذہبی تعلقات و روابط پائے جاتے تھے، اہل عرب ہندوستان کے سواحل پر آتے جاتے تھے، اور ہندوستان کے باشندے عرب سے آمد و رفت رکھتے تھے، اور ہندوستانیوں کی مختلف قومیں اور جماعتیں وہاں مستقل طور سے آباد بھی ہوگئی تھیں جن کو اہل عرب زط (جاٹ) سیابجہ، مید (بحری ڈاکو) احامرہ، اساورہ اور سندو ہند کے ناموں سے یاد کرتے تھے۔ یہ لوگ اپنے دور کے ہندی تمدن اور طور طریقہ کے یوں حامل تھے کہ شکل وصورت، لباس ومعیشت اور ہیئت سے ان کی شناخت ہو جاتی تھی، دور رسالت میں یہ لوگ سواحل عرب اور مرکزی مقامات میں کثرت سے پائے جاتے تھے، ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم جانتے پہچانتے تھے، اور بعض احادیث وسیر کی کتابوں میں ان کے تذکرے بھی پائے جاتے ہیں۔

سرندیپ اور اطراف وجوانب کے باشندوں کو آنے جانے والوں کے ذریعہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نبوت کی خبر معلوم ہوئی تو انہوں نے تحقیق حال کی غرض سے اپنا ایک مذہبی وفد مدینہ منورہ روانہ کیا جو آپ کی حیات طیبہ کے بعد وہاں پہنچ سکا، یہاں کے بعض راجوں نے ازراہ عقیدت اپنے آدمی کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زنجبیل (سونٹھ، ادرک) کا ہدیہ بھیجا جسے آپ نے خود تناول فرمایا اور صحابہ کرام میں تقسیم کیا، نیز یہاں کی متعدد چیزیں عرب میں استعمال ہوتی تھیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے استعمال کیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ہندوستان میں جہاد کی پیشین گوئی فرماتے ہوئے اس میں شریک ہونے والوں کے حق میں نار جہنم سے براءت اور آزادی کی بشارت دی۔

ان تمام باتوں کی تفصیلات ہماری کتاب ''عرب و ہند عہد رسالت'' کے اندر موجود ہیں، ہم نہایت اختصار کے ساتھ دور رسالت میں عرب و ہند کے تعلقات کا خاکہ پیش کرتے ہیں۔

کیونکہ یہی تعلقات اسلامی ہند کی تاریخ کے قصر معلّٰی کے بنیادی پتھر ہیں اور ان ہی سے ہندوستان میں اسلامی تاریخ کی بسم اللہ ہوتی ہے۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وصحابہ اور اہل ہند

یوں تو عہدِ رسالت میں ہندوستان کی مختلف قومیں دیارِ عرب میں موجود تھیں مگر ان میں سے زط اور سیابجہ بڑی تعداد میں عرب کے مشرقی سواحل اور ان سے متصل آبادیوں میں رہتے تھے اور پورے عرب کے لوگ ان سے اچھی طرح واقف تھے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ان کو جانتے اور پہچانتے تھے، چنانچہ جامع ترمذی کے ابواب الامثال میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بطحائے مکہ کی طرف لے گئے، اور ایک جگہ خط کھینچ کر مجھے اس کے اندر بٹھا دیا اور فرمایا کہ تم اسی دائرے کے اندر رہنا، کچھ لوگ تمہارے قریب آئیں گے ان سے بات چیت نہ کرنا، یہ کہہ کر آپ کہیں تشریف لے گئے اور میں اسی دائرے کے اندر بیٹھا رہا، اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود کے الفاظ یہ ہیں۔

> اذا اتانی رجال کانھم الزط اشعارھم و اجسامھم لا اری عورۃً ولا اری قشراً، ویتنھون الی ولا یجاوزون الخط، ثم یصدرون الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [۵]
>
> کچھ لوگ میرے قریب آئے وہ اپنے جسم اور بال میں جاٹوں کے مشابہ تھے، میں ان کی شرمگاہ اور چمڑا نہ دیکھ سکا، وہ میری سمت آتے تھے مگر خط کے اندر نہیں آتے تھے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف واپس چلے جاتے تھے۔

اس روایت میں حضرت ابن مسعود نے اپنے پاس آنے والے جنات کو ہندوستان کے جاٹوں سے تشبیہ دی ہے اور ان کی جسمانیت اور بالوں کو جاٹوں کو جسمانیت اور بالوں کے مانند بتایا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مکہ اور عرب کے لوگ یہاں کی اس قوم سے اچھی طرح واقف تھے، ظاہر ہے کہ مخاطب و متکلم کے نزدیک مشبہ سے زیادہ مشبہ بہ معلوم و متعارف ہوتا ہے۔

صحیح بخاری میں معراج کے بیان میں یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

موسیٰ علیہ السلام کو رنگ اور جسم و جثہ میں جاٹ سے تشبیہ دی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم رأیت عیسیٰ و موسیٰ و ابراھیم فاما عیسیٰ فاحمر عریض الصدر و اما موسیٰ فادم جسیم کانہ من رجال الزط [4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں نے عیسیٰ، موسیٰ اور ابراہیم کو دیکھا ہے، عیسیٰ سرخ رنگ اور کشادہ سینہ کے تھے اور موسیٰ گندمی رنگ کے خوش قامت و بدن تھے۔ جیسے وہ جاٹوں میں سے ہیں۔

طبقات ابن سعد سیرت ابن ہشام اور تاریخ طبری وغیرہ میں ہے کہ ۱۰ھ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نجران سے بنو حارث کا ایک وفد لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جس میں قیس بن حصین ذی الغصہ، یزید بن عبدالمدان، یزید بن محجل، عبداللہ بن قراد، شداد بن عبداللہ قنانی، اور عمر بن عبداللہ ضبابی شریک تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارکان وفد کو دیکھ کر فرمایا۔

من ھولاء القوم الذین کانھم رجال الھند

یہ کون لوگ ہیں جو گویا ہندوستان کے آدمی ہیں؟

اس کے جواب میں عرض کیا گیا۔

یا رسول اللّٰہ ھولاء رجال بنی الحارث بن کعب [6]

یارسول اللہ! یہ لوگ بنی حارث کے افراد ہیں۔

اور اصابہ میں ابن الکلبی کے حوالے سے ہے کہ جب بنو حارث کی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے ان کو دیکھ کر دریافت فرمایا۔

من ھولاء کانھم من الھند [8]

یہ کون لوگ ہیں؟ جیسے کہ ہندوستان سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان تینوں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں ہندوستان کے آدمی عرب میں عام طور سے مشہور و متعارف تھے، اور اپنی وضع قطع، شکل و صورت اور جسم و لباس کی وجہ سے ہر جگہ اور ہر طبقہ کے لوگ ان سے بخوبی واقف تھے، خاص طور سے مشرقی سواحل کے شہروں میں ان کی آبادیاں تھیں اور

۵۔ جامع ترمذی، ابواب الامثال۔

بحرین، خط، ہجر، دارین، ہسحار، قطیف میں ان کی شوکت و طاقت تھی، چنانچہ عہد صدیقی کے فتنۂ ارتداد میں ان علاقوں کے ہندوستانیوں نے مرتدوں کا پورا پورا ساتھ دے کر اسلامی فوج سے اپنے آدمیوں اور اسلحہ کے ساتھ مقابلہ کیا اور شکست کے بعد ہندوستان بھاگ آئے جیسا کہ اس کا تفصیلی تذکرہ آئے گا۔

سرندیپ کا وفد مدینہ کی طرف

ہندوستان کے ساحلی مقامات اور ان کے قرب و جوار کے دیار و جزائر قدیم زمانہ سے عرب تاجروں کی گزرگاہ تھے اور خود ہندوستان کے لوگ عرب کے بازاروں اور شہروں میں معاش و معیشت کے سلسلے میں آتے جاتے تھے جس کا لازمی نتیجہ دونوں ملکوں کے درمیان تعلق وتعارف تھا، اس دور میں اسی قسم کے تعلقات باہمی تعارف کا ذریعہ تھے، چنانچہ ان ہی آنے جانے والے عرب یا ہندی تاجروں کے ذریعہ ہندوستان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ونبوت کی خبر سنی گئی، خاص طور سے جنوبی ہند اور اس کے جزائر سرندیپ وغیرہ میں اس خبر کو مذہبی طبقہ کے لوگوں نے بڑی اہمیت سے سنا اور سرندیپ کے سادھوؤں سنتوں نے ایک وفد مدینہ منورہ کی طرف بحری راستے سے روانہ کیا تاکہ براہ راست اس کے بارے میں تفصیلات معلوم ہوں اور اسلام کے عقائد واحکام سے کما حقہ واقفیت ہو، چوتھی صدی کے ایک مشہور سیاح و جہاز راں بزرگ بن شہریار ناخدا رامہرمزی نے اپنی ذاتی تحقیق کی بناء پر لکھا ہے کہ:

> كان اهل سرنديب وما والاهالما بلغهم خروج النبي صلى الله عليه وسلم فارسلوا رجلاً فهيماً منهم وامروه ان يسير اليه فيعرف امره وما يدعو اليه فعاقت الرجل عوائق و وصل الى المدينة بعد ان قبض رسول صلى الله عليه وسلم وتوفى ابوبكر و وجد القائم بالامر عمر بن الخطاب رضى الله عنه[9]
>
> جب سرندیپ اور آس پاس کے لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی خبر ملی تو انہوں نے اپنی جماعت سے ایک سمجھدار آدمی کو آپ کی خدمت میں روانہ کیا، اور اسے حکم دیا کہ وہ جا کر آپ اور آپ کی دعوت کے بارے میں معلومات حاصل کرے، مگر چند رکاوٹوں کی وجہ سے وہ آدمی اس

٦۔ صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ عزوجل، واذکر فی الکتاب مریم۔

وقت مدینہ پہنچا جبکہ آپ کا وصال ہو چکا تھا اور حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمر خلیفہ ہو چکے تھے۔

اس شخص کے ہمراہ ایک ہندوستانی غلام اور ملازم بھی تھا، واپسی پر یہ شخص مکران کے قریب انتقال کر گیا اور اس کا غلام سرندیپ پہنچا اس روایت کا باقی حصہ حضرت عمر کے دور خلافت کے بیان میں آئے گا اگر یہ وفد حیات نبوی میں مدینہ منورہ پہنچ گیا، ہوتا تو غیر ممالک میں صرف ہندوستان کو یہ شرف حاصل ہوتا کہ عربوں کے وفود کی طرح یہاں سے بھی اسلام فہمی کیلئے وفد بارگاہ نبوی میں پہنچا، اور حیات طیبہ ہی میں یہاں اسلام کی ابتدا ہو گئی ہوتی۔

ایک راجہ کا تحفہ وہدیہ

سرندیپ کے عُبّاد و زُہّاد اور سادھوؤں کا وفد خدمت نبویؐ میں حاضر نہیں ہو سکا۔ مگر ہندوستان کے ایک راجہ کو کم از کم اتنی توفیق و سعادت نصیب ہو گئی کہ اس نے از راہِ عقیدت و محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زنجبیل کا ہدیہ روانہ کیا اور آپ نے اسے یوں شرف قبولیت بخشا کہ خود بھی استعمال فرمایا اور صحابہ کرام کو بھی دیا۔ امام ابوعبداللہ حاکم نے مستدرک میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

اھدیٰ ملک الھند الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جرۃ فیھا زنجبیل، فاطعم اصحابۃ قطعۃ قطعۃ واطعمنی منھا قطعۃ [ا]

ہندوستان کے راجہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مٹی کے گھڑے میں زنجبیل کا ہدیہ بھیجا، جسے آپ نے ٹکڑے ٹکڑے کر کے صحابہ کو کھلایا اور ان میں سے ایک ٹکڑا مجھے بھی کھلایا۔

حاکم نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زنجبیل تناول فرماتے کا ثبوت ملتا ہے اسی وجہ سے میں نے علی بن زید بن جدعان کی سند سے اسے بیان کیا ہے، اس کے علاوہ مستدرک میں ان سے اور کوئی روایت نہیں بیان کی ہے، زنجبیل کا استعمال کھانے کی چیزوں میں عام تھا اور اس کی خوشبو عربوں کے نزدیک بہت ہی مرغوب تھی، تازہ زنجبیل کو ادرک کہتے ہیں اور سوکھی ہو تو وہ سونٹھ ہے۔

۷۔ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۳۹، سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۵۹۳ و ص ۳۹۴، تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۶۵۔

یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ہندوستان کے کس راجہ نے یہ ہدیہ بھیجا تھا، اس زمانہ میں بنگال کے راجگان رہمی اطراف و جوانب کے بادشاہوں کے یہاں بیش بہا ہدایا و تحائف بھیجا کرتے تھے جن میں یہاں کی زنجبیل خاص طور سے ہوا کرتی تھی، قاضی رشید بن زبیر نے "کتاب الذخائر والتحف" میں ان ہدایا کو تفصیل سے بیان کیا ہے، ہوسکتا ہے کہ اسی رہمی خاندان کے کسی راجہ نے بارگاہِ نبوت میں نذرانہ عقیدت پیش کرنے کی توفیق پائی ہو۔

ہندی اشیاء کا استعمال

ہندوستان کی چیزوں میں مشک، کافور، زنجبیل، قرنفل (لونگ) فلفل (مرچ) عود ہندی، قسط ہندی، ساج (ساگوان کی لکڑی) ہندی تلوار اور یہاں کے کپڑے عرب میں عام طور سے استعمال کئے جاتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ بھی استعمال فرماتے تھے۔

مشک، کافور اور قسط ہندی کے استعمال کا ذکر سنن و صحاح کی متعدد احادیث میں موجود ہے۔ امام بخاریؒ نے "الادب المفرد" میں روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کا دروازہ شمالی رخ کا تھا جس میں ساگوان کا صرف ایک کواڑ تھا[11]۔ بلاذری نے انساب الاشراف میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان میں جس چارپائی پر آرام فرماتے تھے، اسے حضرت اسعد بن زرارہ نے خدمتِ نبوی میں پیش کیا تھا، اور اس کے پائے ساگوان کے تھے، حضرت ابو ایوب کے مکان سے منتقل ہونے کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی پر آرام فرماتے تھے، حتی کہ اسی پر آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی[12]۔ ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں لکھا ہے کہ یہ چارپائی ساگوان کی لکڑی سے بنی اور چھال سے بنی ہوئی تھی، اور بعد میں حضرت عائشہ کے پاس رہی، پھر ان کی میراث فروخت کی گئی، اور حضرت معاویہ کے ایک آدمی نے اسے چار ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا اور اس پر مردے قبرستان لے جائے جاتے تھے[13]۔ ساج یعنی ساگوان ہندوستان کی خاص عمارتی لکڑی ہے جو قدیم زمانے سے عرب میں استعمال ہوتی تھی۔

ابن سعد نے طبقات اور بلاذری نے انساب الاشراف میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو قینقاع کے اسلحہ سے تین تلواریں ملی تھیں جن میں سے ایک ہندوستان کے شہر کلہ کی (سیف قلعی) دوسری بتار اور تیسری حتف نامی تھی[14]۔

۸۔ اصابہ ج ۷ ص ۲۶۳۔ ۹۔ عجائب الہند ص ۱۵۷۔ ۱۰۔ مستدرک ج ۴ ص ۳۵۔

عرب سیاح ابو دلف مسعر بن مہلہل نے جنوبی ہند کے شہر کلہ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس شہر میں ایک بہت بڑا قلعہ ہے جس میں رصاص قلعی (کلئی رانگا) کی کان ہے اور اسی قلعہ میں سیوف قلعیہ بنائی جاتی ہیں جو بہترین ہندی تلوار ہوتی ہیں [15]۔

عرب میں ہندوستان کی تلواریں خاص شہرت رکھتی تھی، اور بہادران عرب ان کو بڑے فخر و ذوق کے ساتھ استعمال کرتے تھے اور ان کو مہند، ہندی، ہندوانی، سیف ہندی کے مختلف ناموں سے یاد کرتے تھے، ان کا استعمال عہد رسالت میں عام تھا، اور ان کی چمک دمک اور جوہریت یوں مسلم تھی کہ اس کی تشبیہ اور مثال دی جاتی تھی۔ چنانچہ حضرت کعب بن زبیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نور کے ساتھ مہند سے تشبیہ دے کر ہندی تلوار کا مرتبہ کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہے اور ہندوستان کی پیشانی کو فخر و ناز کی چمک دمک بخش دی ہے، اپنے مشہور نعتیہ قصیدہ "بانت سعاد" میں فرماتے ہیں۔

ان الرسول لنورٌ یستضاء به
مهندٌ من سیوف الله مسلول

غزوۂ ہند کی پیشین گوئی اور بشارت

ہند اور اہل ہند کی بڑی سعادت مندی اور خوش بختی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے یہاں پر غزوہ اور جہاد کی پیشین گوئی فرما کر اس میں شریک ہونے والی جماعت کو نار جہنم سے آزادی کی خوش خبری دی ہے، چنانچہ امام نسائی نے سنن میں "باب غزوۃ الہند" کے ماتحت اور امام طبرانی نے معجم میں "سند جید" کے ساتھ حضرت ثوبان مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عصابتان من امتی احرزهما اللّٰه من النار، عصابة تغزو الهند و عصابة تکون مع عیسی بن مریم علیهما السلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت کے دو گروہوں کو اللہ تعالیٰ نے نار جہنم سے محفوظ رکھا ہے، ایک وہ گروہ جو ہندوستان میں جہاد کرے گا اور دوسرا وہ گروہ جو حضرت عیسیٰ کے ساتھ رہے گا۔

۱۱۔ الادب المفرد۔ ص ۱۲۔ انساب الاشراف ج ۱ ص ۵۲۵۔ ۱۳۔ کتاب المعارف ص ۷۴۔

حضرات صحابہ اس بشارت نبوی کی وجہ سے ہندوستان کے جہاد میں شریک ہونے کی حسین تمنا رکھتے تھے اور اس میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار تھے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی اس راہ میں جان و مال قربان کرنے کی تمنا کرتے تھے۔ سنن نسائی اور مسند امام احمد میں ہے۔

عن ابی هریره رضی الله عنه انه قال: وعدنا رسول الله صلی الله علیه وسلم غزوة الهند فان ادرکتها انفق فیها نفسی ومالی، فان اقتل کنت افضل الشهداء و ان ارجع فانا ابو هریرة المحرر [16]

حضرت ابوہریرہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ہندوستان میں غزوہ کا وعدہ فرمایا ہے اگر میں اس میں شریک ہوا تو اس میں اپنا جان و مال خرچ کردوں گا، اگر مارا گیا تو بہترین شہید ہوں گا، اور اگر زندہ واپس ہوا تو جہنم سے آزاد ابوہریرہ رہوں گا۔

امام ابن عساکر اور امام ابن کثیر نے بھی غزوہ ہند کی حدیث کی روایت کی ہے۔ چنانچہ البدایہ والنہایہ میں ہے۔

قد ورد فی غزوه الهند حدیث رواه الحافظ ابن عساکر وغیره [17]

غزوۂ ہند میں حدیث وارد ہوئی ہے جسے حافظ ابن عساکر وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

غلام علی آزاد نے مذکورہ بالا دونوں روایتوں کو مزید تفصیل کے ساتھ سبحۃ المرجان میں درج کیا ہے۔ [18]

یہ پیشین گوئی اور بشارت پہلی بار عہد فاروقی میں عثمان، حکم اور مغیرہ بنو ابی العاصی ثقفی رضی اللہ عنہم کی زیر قیادت و امارت یوں ظاہر اور پوری ہوئی کہ یہاں تین غزوات ہوئے جیسا کہ معلوم ہوگا۔

ہندی مسلمان

جیسا کہ معلوم ہوا، ہندوستان ان خوش نصیب ملکوں میں سے ہے جن کے باشندوں نے عہد

۱۴۔ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۸۶ و ج ۲ ص ۱۲۹ انساب الاشراف ج ۱ ص ۵۲۲۔

رسالت ہی میں اسلام سے اپنی گہری محبت وعقیدت کا مظاہرہ کیا، اور ان میں سے بعض نے کسی نہ کسی طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق پیدا کیا، مگر کتابوں میں واضح طور سے کسی ہندی باشندے کا عہدِ رسالت میں اسلام قبول کرنا نہیں پایا جاتا ہے ورنہ کم از کم بلال حبشیؓ، صہیب رومیؓ اور سلمان فارسیؓ کی طرح فلاں ہندی کا نام بھی ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا سرنامہ ہوتا۔ البتہ چند ہندی حضرات کے بارے میں غالب گمان ہے کہ وہ عہدِ رسالت میں مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں، اور وہ یہ ہیں۔

حضرت بیر زطن ہندی یمنی

حضرت بیر زطن ہندیؓ یمنی کا تذکرہ حافظ ابن حجرؒ نے ''مدرکین'' میں کیا ہے یعنی انہوں نے جاہلیت کے زمانے کے بعد اسلام کا زمانہ بھی پایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں وہ موجود تھے۔ ان کا حال اصابہ میں یوں درج ہے۔

بیر زطن الهندی، شیخ کان فی زمن اکاسرة له خبر مشهور فی حشیشة القنب، و انه اول من اظهرها بتلک البلاد، و اشتهر امرها عنه فی الیمن ثم ادرک الاسلام فاسلم [19]

بیر زطن ہندی شاہان ایران کے زمانے میں یمن میں ایک بزرگ تھے، بھنگ سے علاج ومعالجہ اور اس کے استعمال کے بارے میں ان کا واقعہ مشہور ہے، اپنے علاقوں میں سب سے پہلے انہوں نے ہی بھنگ کا رواج عام کیا اور ان ہی سے یمن میں اس کی شہرت ہوئی، پھر اس بزرگ نے اسلام کا زمانہ پایا اور اسلام قبول کیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یمن پر کسریٰ کی حکومت کے زمانے میں ایرانی ابناء و اساورہ کے ساتھ یہ ہندی بزرگ بھی یمن میں مستقل سکونت رکھتے تھے اور جڑی بوٹیوں کے ذریعے ہندی علاج ومعالجہ کا کاروبار کرتے تھے، اس سلسلے میں حشیشۃ القنب یعنی بھنگ کے علاج واستعمال کو انہوں نے عام کیا اور ۷ھ میں جب یمن کے کسرائی حاکم باذان اور ان کے ایرانی رفقاء و اساورہ اسلام لائے تو حضرت بیر زطن ہندی بھی مسلمان ہوئے۔

۱۵۔ معجم البلدان ج ۵ ص ۴۱۵، تانبے کے برتنوں پر قلعی کرنے کا محاصرہ غالباً اسی رصاص قلعی سے ماخوذ ہے۔

حضرت باذان ملک الہند

حافظ ذہبی نے "تجرید اسماء الصحابہ" میں علی الترتیب باذان الفارسی، باذان ملک الہند، اور باذان ملک الیمن کا تذکرہ کیا ہے، درمیانی باذان کے حال میں لکھا ہے۔

باذان ملک الهند، ذكر ابن مفرز قال: لما قتل كسرىٰ بعث باذان باسلامه واسلام من معه الى رسول الله صلى الله عليه وسلم، حكاه ابن هشام [۲۰]

ابن مفرز نے بیان کیا ہے کہ کسریٰ بادشاہ کے قتل ہونے کے بعد باذان ملک الہند نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے مسلمان ہونے کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دی۔

شاہ ایران کسریٰ نے اپنے حاکم یمن باذان کو لکھا کہ عرب میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، تم اسے قتل کر دو، اور باذان کا آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے پیشین گوئی فرمائی کہ فلاں تاریخ کو کسریٰ قتل کر دیا جائے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور باذان اور ان کے تمام ساتھی اس معجزے کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے اور اس کی اطلاع بھی بارگاہِ نبوت میں کرا دی، فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے کسریٰ کے قتل کی تاریخ شب دوشنبہ ۱۰ جمادی الاخریٰ ۷ھ لکھی ہے اور اسی کے بعد باذان مسلمان ہوئے، ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ ذہبیؒ کے اس قول میں "ملک الہند" کے بجائے "ملک الیمن" ہونا چاہیے۔

حضرت باذان رضی اللہ عنہ شاہ ایران کسریٰ کی طرف سے یمن کے حاکم تھے، ان کے ساتھ شہسواروں کی ایک جمعیت بھی تھی، جس میں ایران اور ہندی شہسوار اور فوجی امراء شامل تھے ان کو اساورہ کہتے تھے، باذان ملک الہند، باذان ملک الیمن، اور باذان الفارسی تینوں ایک ہی شخصیت کے اسماء وصفات معلوم ہوتے ہیں، باذان ایران کے رہنے والے تھے اور یمن کے حاکم تھے اس لئے ان کا فارسی اور ملک الیمن ہونا ظاہر ہے، باقی رہا ملک الہند ہونا تو یہ یوں ممکن ہے کہ باذان اگرچہ ایران میں رہتے تھے اور یہیں سے یمن کی حکومت پر مقرر کیے گئے مگر ہو سکتا ہے کہ وہ نسلاً ہندوستان سے تعلق رکھتے رہے ہوں اور جس طرح ایران کے اساورہ میں ہندوستان کے بہت سے شہسوار اور حکمران شامل تھے،

۱۶۔ سنن نسائی باب غزوۃ الہند۔ ۱۷۔ البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۱۵۔ ۱۸۔ سبح المرجان ص ۲۱۔

حضرت باذان بھی ان میں شامل رہے ہوں، اور اس مناسبت سے ان کو ملک الہند کہا جا سکتا ہے کہ ان کا خاندان ہندوستان میں حکمران تھا۔

اگر حضرت باذان کا ہندی ہونا متعین ہو جائے تو وہ بھی حضرت بیرزطن ہندی کی طرح مدرک ہوں گے، یعنی یہ کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور آپ کی حیات طیبہ میں دولت اسلام سے حصہ پایا۔

بعض منکر روایات

اسلامی ہند کی ابتدائی تاریخ کے سلسلے میں کئی منکر روایات اور غلط دعاوی پائے جاتے ہیں جن کے بارے میں کوئی علمی ثبوت نہیں ہے بلکہ علماء نے ان کے بے اصل ہونے کی تصریح کی ہے، عہد رسالت سے متعلق اس قسم کی کئی باتیں کتابوں میں موجود ہیں، ہم ان کو یہاں درج کرتے ہیں تا کہ ان کا ضعف و نکارت معلوم ہو جائے۔

حضرت آدم کے ہندوستان میں اترنے کی روایت

حضرت آدم علیہ السلام کے ہندوستان کے جزیرہ سرندیپ یا سرزمین دجنا میں اترنے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو اقوال منسوب کیے گئے ہیں، اصول حدیث کی رو سے ان کی صحت غیر مسلم ہے، البتہ حضرت ابن عباس وغیرہ کے آثار و اقوال کا ثبوت ملتا ہے، چنانچہ علماء نے اس روایت کو بھی منکر قرار دیا ہے۔

ان آدم هبط بالهند، ومعه السندان، والمطرقة والكبتان واهبطت حواء بجدة.

حضرت آدم ہندوستان میں اتارے گئے، ان کے ساتھ گھن، ہتھوڑا اور دو چمٹے بھی تھے، اور حوا جدہ میں اتاری گئیں۔

حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں لکھا ہے کہ ابراہیم بن سالم کے پاس منکر احادیث ہیں اور من جملہ ان کے مذکورہ بالا حدیث کو ان میں شمار کیا ہے۔[۲۱]

ان ہی منکرات میں وہ باتیں بھی ہیں جنہیں عام طور سے مفسرین بیان کرتے ہیں کہ جب آدم

۱۹۔ اصابہ ج ۱ ص ۱۷۸۔ ۲۰۔ تجرید اسماء الصحابہ ج ۱ ص ۴۵۔

علیہ السلام جنت سے ہندوستان میں اتارے گئے تو ان کے جسم پر جنت کے پتوں کا لباس تھا، بعد میں وہ پتے خشک ہو کر ادھر ادھر اڑے اور زمین پر گرے جس کی وجہ سے ہندوستان کے درخت خوشبودار ہو گئے، مثلاً عود، صندل، مشک، عنبر، کافور وغیرہ میں ان ہی پتوں کی وجہ سے خوشبو آئی، علامہ محمد طاہر گجراتی نے تذکرۃ الموضوعات میں نقل کر کے لکھا ہے کہ اس کا راوی امام سفیان ثوری کا بھانجہ سیف کذاب ہے اور یہ خبر منکر ہے۔[22]

تاڑی کے متعلق روایت

لسان المیزان ہی میں ابی بن عمرو بن معدیکرب کے ذکر میں ہے کہ ان کی ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا:

حب یحمل من الهند، یقال له الداری، من شرب منه لم تقبل له صلوة اربعین سنة فان تاب تاب الله علیه[23]

ایک پھل ہندوستان سے لایا جاتا ہے جس کے درخت کے پانی کو تازی کہتے ہیں جو شخص اس کو پئے گا اس کی چالیس سال کی نماز قبول نہیں ہو گی اور توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لے گا۔

خطیب نے کہا ہے کہ اس کی سند کے تمام رجال سوائے ابن عدی کے غیر معروف ہیں، اس میں داری کے بجائے دازی ہونا چاہئے، دارین ایک ساحلی مقام تھا جہاں کا مشک داری مشہور ہے اور تاڑی کا معرب دازی ہے۔

اہل ہند سے ہوشیار رہنے کی روایت

علامہ محمد طاہر بن علی گجراتی نے تذکرۃ الموضوعات میں ہندوستان سے متعلق ایک موضوع حدیث کا تذکرہ کیا ہے جس میں کسی کذاب و مجہول راوی نے اس قول کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی ہے۔

اتقوا الیهود والهنود، ولو بسبعین بطناً

یہود اور ہنود سے ستر نسل تک بچتے رہو۔

مگر علامہ حسین بن محمد صغانی لاہوریؒ نے اس کو موضوع بتایا ہے۔[24]

۲۱۔ لسان المیزان ج اص ۶۳۔ ۲۲۔ تذکرۃ الموضوعات ص ۶۱ و ۱۶۲۔ ۲۳۔ لسان المیزان ج اص ۳۴۹۔

ہندوستان کے بارے میں اسی قسم کی بعض اور روایات ہیں جن کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے۔ مگر روایت کے اصول کی رو سے ان کی کوئی اصل نہیں ہے، سبحۃ المرجان فی آثار الہندوستان میں غلام علی آزادؔ نے اس سلسلے کے تمام غث وثمین کو جمع کر دیا ہے۔

عرب وہند کے درمیان آمدورفت کی روایات

عہد رسالت میں کسی شخص کے ہندوستان سے عرب جانے یا عرب سے ہندوستان آنے کی صحیح و مستند روایت نہیں ملتی ہے، اور جو روایتیں ملتی ہیں ان میں اکثر روایت اور درایت کے اصول کے خلاف ہونے کی وجہ سے ساقط الاعتبار ہیں اور علمائے اسلام نے ان کا انکار کیا ہے، ہندوستان اس سلسلے میں یوں معذور قرار دیا جا سکتا ہے کہ اس ملک کے باشندے تاریخ کے قدیم دور سے مقامی افسانوی روایات کے علاوہ نہ کچھ جانتے تھے اور نہ جاننا چاہتے تھے، اس لئے اس قدیم ترین ملک کی مستند تاریخ مرتب نہ ہو سکی اور مسلمانوں کی آمد سے پہلے کی تاریخ راجوں مہاراجوں کی کہانیوں اور داستانوں کی دیو مالائی روایات کے سوا کچھ نہیں ہے۔

البتہ مسلمان اس بارے میں ذمہ دار ہیں، جنہوں نے تاریخ ورجال نویسی میں دنیا کی تمام اگلی پچھلی قوموں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے، اگر عہد رسالت میں عرب وہند کے درمیان آمدورفت کی مستند روایات ملتیں تو مسلمان مورخ اور تذکرہ نویس ان کو اپنی کتابوں میں جگہ دیتے اس سلسلے میں ان کو اپنی ذمہ داری کا اس قدر احساس رہا کہ غیر مستند واقعات کو بھی اپنی کتابوں میں درج کر کے ان کے صحت و سقم کی توضیح کر دی، اور ان ہی کی طرح ہم بھی ایسے واقعات کو اسی انداز میں یہاں درج کر کے اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہیں، اس سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ یہ واقعات علمی اور تاریخی اصول و قواعد کی رو سے پایۂ تحقیق کو نہیں پہنچتے، اور ان کا ثبوت نہیں مل سکا ہے، اسی لئے ان کا انکار کیا گیا ہے، مگر ہو سکتا ہے ان میں سے کچھ واقعات عالم وجود میں آئے ہوں اور نفس الامر میں ان کا وقوع ہوا ہو، اس احتمال سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

رفاعہ بنت عبد صالح جنیہ کی روایت

اس سلسلے میں رفاعہ جنیہ کا واقعہ اقرب الی الصحۃ کہا جا سکتا ہے، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

۲۴۔ تذکرۃ الموضوعات ۱۱۴۔

وسلم سے ہندوستان جانے کا حال بیان کیا ہے، امام ابوالقاسم حمزہ بن یوسف سہمی جرجانی ؒ نے تاریخ جرجان میں ابوعمرو عبدالمومن بن احمد عطار جرجانی ؒ کے تذکرے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رفاعہ بنت العبد الصالح نامی ایک جنیہ قوم جنات کی عورتوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا کرتی تھیں، ایک مرتبہ وہ بہت دیر کے بعد آئی، آپ نے تاخیر کی وجہ دریافت فرمائی تو اس نے عرض کیا۔

مات لنا میت بارض الھند فذھبت فی تعزیتھم

ہمارا ایک شخص ہندوستان میں مرگیا تھا میں اہل میت کی تعزیت کو گئی تھی

اس کے بعد اس نے ایک نہایت دلچسپ واقعہ بیان کیا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوب ہنسے۔[25]

حافظ ابن حجر نے اصابہ میں رفاعہ بنت العبد الصالح کا تذکرہ کرکے معمولی تغیر کے ساتھ امام سہمی کی پوری عبارت نقل کردی ہے اور آخر میں لکھاہ کہ اس کی سند کے بعض رواۃ غیر معروف ہیں اور امام ابن جوزی نے اس واقعہ کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔[26]

جمہور محدثین کے نزدیک اگر جنات نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت وصحبت پائی ہے تو وہ صحابہ میں شمار ہوں گے۔ سہمی نے اس واقعہ کو بلاکسی انکار وتضعیف کے بیان کیا ہے، اور ابن حجر نے اس کی سند کے بعض رجال میں کلام کیا ہے، البتہ ابن جوزی نے اسے موضوعات میں شمار کیا ہے اس لئے اس واقعہ کو بالکل ہی بے اصل نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔

پانچ صحابہ کے سندھ آنے کی روایت

مجموع الرسائل نام کی قلمی کتاب میں جمع الجوامع کے حوالے سے درج ہے۔

روی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارسل کتابہ الی اھل السند علی یدخمسة نفر من الصحابة فلما جاء وا فی السند فی قلعة یقال نیرون اسلم بعض اھلہ ثم رجع من الصحابة اثنان مع الوافد منھم فی السند، واظھر اھل السند الاسلام وبینو لاھل السند الاحکام وما توافیہ و قبورھم فیہ الان

۲۵۔ تاریخ جرجان ص ۲۰۳ وص ۲۰۴۔ ۲۶۔ اصابہ ج ۸ ص ۱۵۶ و ۱۵۷۔

موجودۃ وجدت
روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ صحابہ کے ہاتھوں اہل سندھ کے پاس اپنا نامہ مبارک روانہ فرمایا، جب یہ حضرات سندھ میں نیرون کوٹ (حیدرآباد سندھ) میں آئے تو وہاں کے کچھ لوگ مسلمان ہوگئے، پھر ان میں سے دو صحابہ واپس چلے گئے اور اہل سندھ نے کھل کر اسلام قبول کیا اور باقی تین حضرات نے سندھیوں کو تفصیل سے اسلام کے احکام سکھائے اور یہیں انتقال کیا، ان کی قبریں آج تک موجود ہیں اور پائی گئی ہیں۔

اور کتابوں میں اس قسم کی کوئی روایت نہیں ملی اور نہ کسی دوسرے ذریعے سے اس کی تصدیق و تائید ہوتی ہے، اور بظاہر یہ روایت بھی بے اصل معلوم ہوتی ہے، پھر اس روایت کے الفاظ عربیت کے قواعد کے اعتبار سے نہایت رکیک ہیں۔

قنوج کے راجہ سرباتک کی روایت

ہندوستان میں دو ایسے پراسرار شخص پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے کئی صدیوں کے بعد صحابی رسول ہونے کا دعویٰ کیا ہے ایک قنوج کا راجہ سرباتک، اور دوسرا رتن ہندی ہے، سرباتک کی روایت سب سے پہلے ابن اثیر نے اسد الغابہ میں نقل کی ہے، پھر ابن حجر نے اصابہ میں اور ذہبی نے تجرید اسماء الصحابہ میں اسے نقل کیا اور تینوں نے اس کی تکذیب کی ہے، اصل روایت اسحاق بن ابراہیم طوسی نے یوں بیان کی ہے۔

رایت سرباتک ملک الهند فی بلدة تسمی قنوج فقلت له کم اتی علیک من السنین فقال سبعمائه و خمس و عشرون سنة، وزعم ان النبی صلی الله علیه وسلم انقذ الیه حذیفه و اسامه و صهیباً یدعونه الی الاسلام فاجاب و اسلم و قبل کتاب النبی صلی الله علیه وسلم [۲۷]

ہندوستان کے راجہ سرباتک کو میں نے قنوج میں دیکھا اور اس سے پوچھا کہ

۲۷۔ اسد الغابہ ج ص، اصابہ ج ۲ ص ۱۳۱۔ تجرید اسماء الصحابہ ج ا ص ۲۱۰۔

تمہاری عمر اس وقت کتنی ہے، اس نے بتایا کہ سات سو پچیس سال کی، اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاس حذیفہؓ، اسامہؓ اور صہیبؓ کو دعوتِ اسلام کے لئے بھیجا اور اس نے ان کی دعوت پر اسلام قبول کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کو بوسہ دیا۔

بلکہ بعضوں نے اس کے عرب میں جانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد بار ملاقات کرنے کا بھی تذکرہ کیا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر نے ابوسعید مظفر بن اسد حنفی طبیب سے نقل کیا ہے۔

سمعت سرباتک الهند يقول رايت محمداً صلى الله عليه وسلم مرتين بمكة و بالمدينة مرة و كان من احسن الناس وجهاً ربعة من الرجال۔

میں نے سرباتک ہندی کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو مرتبہ مکہ میں اور ایک مرتبہ مدینہ میں دیکھا ہے آپ نہایت حسین وشکیل اور خوش قامت انسان تھے۔

ان ہی ذرائع خبر سے معلوم ہوتا ہے کہ سرباتک کا انتقال ۳۳۳ھ میں ہوا، اس وقت اس کی عمر آٹھ سو چورانوے سال کی تھی، ابن اثیر نے اس کا واقعہ درج کر کے لکھا ہے کہ ہم نے التزام کیا ہے کہ صحابہ کے سلسلے میں جو کچھ کہا گیا ہے ہم سب کو نقل کریں گے، اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہم اس قسم کی باتیں اپنی کتاب میں درج نہ کرتے، ان کا ترک ان کے اثبات سے بہتر ہے، اور ابن حجر نے اس کا ذکر ان لوگوں میں کیا جن کو غلطی سے صحابہ میں شمار کیا گیا ہے، اور ذہبی نے اسے کذب واضح قرار دیا ہے، راجہ سرباتک کے دعویٰ صحابیت کے بطلان کی سب سے بڑی اور واضح دلیل یہ ہے کہ ۱۱۰ھ کے بعد دنیا میں کوئی صحابی رسول باقی نہیں رہ گیا تھا، آخری صحابی حضرت ابوطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ ہیں جن کا وصال ۱۱۰ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوا، بخاری کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال سے کچھ دنوں پہلے فرمایا تھا کہ سو سال کے بعد تم لوگوں میں سے کوئی شخص دنیا میں باقی نہیں رہے گا، پھر چوتھی صدی میں ہندوستان میں صحابیت کا دعویٰ کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ درحقیقت یہ ایک قسم کا سیاسی کھیل تھا جسے قنوج کے راجہ نے ملتان کی سامی حکومت اور یہاں کے مسلمانوں کو خوش کرنے کے لئے ان کے

جذبات سے کھیلا تھا۔

بات یہ ہوئی کہ سن ۳۰۰ھ میں قنوج (پنجاب) کی قدیم ہندو سلطنت ملتان کی عرب سامی حکومت سے جنگ ومقابلہ کے بعد اس کے ماتحت آ گئی تھی اور اس نئی صورت حال میں پرانی ناگواری ختم کرنے کے لئے قنوج کے راجہ نے یہ دعویٰ کیا تھا، اور راجوں مہاراجوں کے بارے میں ہندوستان کے باشندوں کا قدیم ذہن اس قسم کی باتوں کو ماننے پر تیار ہو گیا۔ بہت ممکن ہے کہ قنوج کا راجہ سرباتک، دعویٰ صحابیت و درازیٔ عمر کے بارے میں جھوٹا ہونے کے باوجود مسلمان ہو گیا ہو، اور مالابار کے راجہ سامری اور الور کے راجہ کی طرح اس نے بھی اپنا اسلام مسلمانوں سے ظاہر کر کے اپنے عوام سے چھپایا ہو، اس کی تفصیل ہماری کتاب ''ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں'' میں موجود ہے۔

بابا رتن ہندی کی روایت

اس سلسلے کی دوسری شخصیت بابا رتن ہندی کی اور بھی پراسرار ہے، جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ سو سال کے بعد صحابیت کا دعویٰ کیا تھا، وہ بھی پنجاب کے شہر بھٹنڈہ کا رہنے والا تھا، ابن حجر نے رتن ہندی کا ذکر ان لوگوں میں کیا ہے جنہیں غلطی سے بعضوں نے صحابی مانا اور لکھا ہے کہ رتن ہندی ایک معمر آدمی تھا جس کا معاملہ اس کے قول کے مطابق مدت مدید تک پوشیدہ رہا اور اس نے چھٹی صدی میں دعویٰ صحابیت کیا۔ علمائے متقدمین کی کسی کتاب میں رتن ہندی کا ذکر نہیں ہے۔[۲۸]

ذہبی نے تجرید اسماء الصحابہ میں لکھا ہے کہ رتن ہندی ایک معمر شخص تھا جس نے چھٹی صدی میں بلاد مشرق میں ظاہر ہو کر دعویٰ صحابیت کیا۔ اور جاہلوں نے اس سے روایت کی، بظاہر اس کا کوئی وجود نہیں ہے اور بعض افترا پردازوں نے اس کا نام گڑھ لیا ہے۔[۲۹]

نیز ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس کا شدت سے انکار کر کے دجال بلاریب بتایا ہے، علامہ رضی الدین حسن بن محمد صنعانی لاہوری متوفی ۶۵۰ھ رتن ہندی کے معاصر اور ہم وطن تھے، انہوں نے بھی اپنی کتاب موضوعات میں اس کا انکار کیا ہے، اس کے باوجود شیخ صلاح الدین صفدی اور شیخ مجد الدین شیرازی مصنف قاموس نے عقلی طور سے رتن ہندی کے وجود کو تسلیم کیا ہے، اسی طرح ہندوستان کے بعض صوفیاء نے اس کو تسلیم کر کے اس کی روایات کے مجموعہ رتنیات کو رواج دیا ہے، اور ہمارے دور میں بعض لکھے پڑھے لوگ ہندوستان کے مناقب وفضائل کے سلسلے میں رتن ہندی اور اس

۲۸۔ اصابہ ج ا ص ۵۱۵۔ ۲۹۔ تجرید اسماء الصحابہ ج ا ص

کی صحابیت کے بارے میں زور قلم صرف کر رہے ہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ رتن ہندی نام کے ایک شخص کے ہونے کے باوجود اس کا دعوی صحابیت کے سراسر باطل بے بنیاد ہے اس کے بارے میں ابن حجر نے اصحابہ میں سات صفحات میں تفصیلات درج کی ہیں۔

حضرت تمیم داریؓ کی روایت

شمالی ہند کے علاقے پنجاب کے دو شخصوں کے بارے میں دعوی صحابیت کے مقابلے میں جنوبی ہند کے علاقے مالابار کے بارے میں بھی اسی قسم کی روایات پائی جاتی ہیں اور یہاں بھی عہد رسالت سے مذہبی و دینی تعلقات جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے، اس سلسلے میں حضرت تمیم داری اور راجہ سامری کی داستانیں راجہ سرباتک اور رتن ہندی سے بڑی حد تک میل کھاتی ہیں۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کے متعلق چلتی ہوئی روایت ہے کہ وہ جنوبی ہند میں تبلیغ اسلام کیلئے تشریف لائے اور یہیں انتقال فرمایا اور نواحی مدراس میں ان کی قبر موجود ہے، حالانکہ اس کا ذکر انکار کے انداز میں بھی کسی کتاب میں نہیں ملا اور نہ ہی حضرت تمیم داریؓ کے ملک عرب سے باہر جانے کی کوئی صریح روایت ہے، البتہ صحیح مسلم وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے کہ حضرت تمیم داری لخم اور جذام کے تیس افراد کو ایک چھوٹی سی کشتی میں لے کر بحر روم کے سفر میں گئے اور ایک جزیرہ میں دجال کو دیکھا، حضرت تمیم داری ۹ھ میں مسلمان ہوئے، ان کا وطن خاص مدینہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تحریر کے مطابق ان کو ملک شام میں جاگیر دی گئی جہاں انہوں نے عینون نامی بستی میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی، یہ مقام بیت المقدس کے قریب تھا، ان کا بحر روم کا سفر زمانہ رسالت میں ہوا تھا، بعد میں عینون ان کا مستقل مقر و مستقر تھا۔

راجہ ملیبار سامری کی روایت

جنوبی ہند میں اس سلسلے کی دوسری روایت راجہ ملیبار سامری کے معجزہ شق القمر کو دیکھ کر مسلمان ہونے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی ہے، علامہ زین الدین معبری ملیباری نے تحفۃ المجاہدین میں راجہ سامری کے مسلمان ہونے کا دلچسپ واقعہ تفصیل سے درج کیا ہے، یہ کتاب انہوں نے ۹۹۳ھ میں لکھی، اس کے بعد اسی ماخذ سے تاریخ فرشتہ وغیرہ میں علاقہ مالابار کے

اسلام کے بارے میں تفصیل بیان کی گئی ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ علامہ معبری نے راجہ سامری کے بارے میں جس قدیم خیال کا رد کیا ہے اسی کو اب تک نمایاں طور پر بیان کیا جا رہا ہے، وہ لکھتے ہیں۔

واما تاريخه فلم يتحقق عندنا و غالب الظن انه انما كان بعد الماتين من الهجرة النبوية على صاحبها افضل الصلوٰة والتحية واما ماشتهر عند مسلمي مليبار ان اسلام ملك المذكور كان فى زمن النبى صلى الله عليه وسلم برؤية انشقاق القمر ليلة و انه سافر الى النبى صلى الله عليه وسلم وتشرف بلقائه و رجع الى شعر قاصداً مليبار مع الجماعة المذكورة وتوفى فيها فلا يكاد يصح شى منها۔ [30]

راجہ سامری کی صحیح تاریخ ہمارے نزدیک محقق نہیں ہے، غالب گمان ہے کہ وہ دوسری صدی ہجری کے بعد تھے اور مالابار کے مسلمانوں میں جو یہ مشہور ہے کہ وہ راجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں معجزۂ شق القمر دیکھ کر مسلمان ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہاں سے مالابار کے اراد سے چلا مگر مقام شحر میں اس کا انتقال ہو گیا، ان باتوں میں کوئی بات بھی صحیح نہیں ہے۔

سامری کے بارے میں ان باتوں کے بے اصل ہونے کے باوجود، دوسری صدی میں اس کے مسلمان ہونے سے مالابار، کوچین، اور کیرالا وغیرہ میں اشاعت اسلام میں بڑی مدد ملی اور راجہ سامری کی شخصیت جنوبی ہند میں اسلام کے بارے میں بہت پرکشش ہے اس وقت بمبئی سے متصل سندان میں آل ماہانہ کی حکومت کا دور شباب تھا، اگر راجہ سامری دوران سفر میں انتقال نہ کئے ہوتا تو جنوبی ہند میں اسلام کو بڑا فروغ حاصل ہوتا۔

خلافت راشدہ اور ہندوستان

خلافت راشدہ کی کل مدت (ربیع الاول ۱۱ھ سے رمضان ۴۰ھ تک) تیس سال ہے، جس کے

۳۰۔ تحفۃ المجاہدین ص۔۔

آخری بیس سالوں میں ہندوستان سے اس کا تعلق رہا ہے، عام روایت کی رو سے ۲۳ھ میں مکران فتح ہوا مگر بعض روایات میں ہے کہ ۱۲ھ میں فارس پر متعدد مہمات روانہ کی گئیں اور اسی سال مکران پر بھی فوج کشی ہوئی، نیز اس سے پہلے یہاں کے تین چار مقامات میں مجاہدین اسلام اور فوجی مبصر و مخبر آئے اور ہندوستان سے تعلقات کی ابتداء ہوئی، اس لئے تقریباً بیس سال تک یہ ملک خلافت راشدہ کا جز بن کر رہا، اور اس کے مغربی شمالی علاقوں میں اسلام اور مسلمانوں کی آمد و رفت اور بود و باش کا سلسلہ جاری ہوا۔ ویسے تو ہندوستان سے مسلمانوں کا باقاعدہ رشتہ خلافت فاروقی میں قائم ہو کر حضرت علیؓ کی شہادت ۴۰ھ تک برابر قائم رہا مگر کسی نہ کسی حیثیت سے اس کی ابتداء عہد صدیقی ہی میں ہو چکی تھی۔ خلفائے اربعہ کے ادوار میں ہندوستان سے تعلقات کی تفصیلات آگے آرہی ہیں، اس سے پہلے ہر خلیفہ کے دور کا سرسری جائزہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ربیع الاول ۱۱ھ میں خلیفہ ہوئے اور جمادی الاخریٰ ۱۳ھ میں فوت ہوئے، آپ کی مدت خلافت دو سال تین ماہ اور نو دن ہے، عہد صدیقی کی ابتداء فتنہ ارتداد کی شدید بحرانی حالت میں ہوئی، جس میں بہت سے عرب خصوصاً مشرقی سواحل اور صحراؤں کے قبائل اسلام سے منحرف ہو گئے تھے اور حضرت ابوبکر نے نہایت جرات اور بہادری سے کام لیتے ہوئے مرتدوں پر فوج کشی کرائی اور اس فتنہ عظیم کا کلیۃً استیصال فرمایا، خلافت صدیقی کا بیشتر زمانہ قتال مرتدین میں صرف ہوا۔ اور ہندوستان و فارس کی طرف توجہ کی فرصت نہیں ملی، البتہ ان ممالک میں غزوات و فتوحات کی سلسلہ جنبانی کی ابتداء یوں ہوئی کہ ابتدائے خلافت ہی میں ہندوستان کے جاٹ اور سیابجہ نے مشرقی عرب کے ارتداد و انحراف میں مرتدوں کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے مقابلہ کیا اور اپنے آدمیوں کی طرح اپنے اسلحہ سے بھی ان کی مدد کی، اور جب اسلامی فوج فتح یاب ہوئی تو یہ جاٹ اور سیابجہ بھاگ کر اپنے ملک چلے آئے، اس واقعہ نے عرب و ہند کے ہزاروں سال کے خوش گوار و استوار تعلقات میں ایک گونہ تلخی پیدا کر دی، اور مسلمان فطری طور سے ہندوستان کے بارے میں دوسرے انداز سے سوچنے لگے، اس ناگوار واقعہ کا اور اس سے پیدا ہونے والے نتیجہ کا تعلق براہ راست اہل ہند سے تھا۔

دوسری اہم بات جو عہد صدیقی کے آخر میں ہوئی یہ کہ عربوں میں فارس کی حکومت سے ٹکر لینے کا حوصلہ پیدا ہونا شروع ہوا اور جو لوگ اس حکومت کے خلاف ہزاروں سال سے کچھ نہیں کرسکتے تھے اس دور میں وہ اس کے خلاف معمولی معمولی جمعیت کے ساتھ اقدام کرنے لگے، اور خلافت کی سطح سے دور رہ کر رضا کارانہ اور فدائیانہ طور پر شمالی عرب سے متصل ایرانی سرحدوں پر حضرت مثنیٰ بن حارثہ شیبانیؒ حرہ کی سمت سے اور حضرت سوید بن قطبہ عجلی اُبلّہ کی طرف سے اپنی جماعت کے ساتھ حملہ آور ہوتے اور ایرانیوں سے چھیڑ چھاڑ کر کے عرب کے صحراؤں اور ریگستانوں میں چلے آتے تھے، بعد میں حضرت ابوبکرؓ نے مثنیٰ بن حارثہ اور ان کی جمعیت کو خالد بن ولیدؓ کی ماتحتی میں ایران کے جہاد پر روانہ کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد مثنیٰ بن حارثہ نے حضرت عمرؓ کو لکھ کر ایران کے اندرونی حالات کی خبر دی اور حملہ کرنے کی خواہش ظاہر کی، جس کے نتیجہ میں ۱۶ھ میں قادسیہ فتح ہوا، بالفاظ دیگر عربوں پر "باب مملکۃ الفرس" کھل گیا، بعد میں ایران کا یہی دروازہ مشرقی ممالک میں انکے اثر و نفوذ کا ذریعہ بنا، اور وہ اسی راہ سے ایک طرف جنوب مشرق میں مکران اور سندھ تک پہنچے اور دوسری طرف شمال مشرق میں بلاد ماوراء النہر میں سمرقند و بخارا کو اپنے زیر تصرف لائے، اس طرح عہد فاروقی میں ہندوستان کی فتوحات کے ابتدائی اسباب عہد صدیقی ہی سے پیدا ہو رہے تھے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ میں خلیفہ ہوئے اور ذوالحجہ ۲۳ھ میں شہید کئے گئے، آپ کی مدت خلافت دس سال، چھ ماہ اور پانچ دن ہے۔

خلافت فاروقی میں ہندوستان سے اسلام اور مسلمانوں کے گوناگوں تعلقات و روابط قائم ہوئے۔ عرب کے ہندوستانی جاٹ اور سیابجہ برضا و رغبت مسلمان ہو کر اسلامی فوج میں عطایا و وظائف کے مجد و شرف کے ساتھ داخل ہوئے اور انہوں نے عجم کی فتوحات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ سرندیپ کا مذہبی وفد مدینہ منورہ پہنچا اور آپ سے ملاقات کر کے اسلامی عقائد و اعمال کے بارے میں بنیادی معلومات حاصل کیں، واپسی پر اہل سرندیپ کے سامنے حضرت عمرؓ کے سیدھے سادھے حالات و واقعات پیش کئے جس سے یہاں کے لوگوں میں اسلام اور مسلمانوں کے متعلق نہایت اچھے اور عقیدت مندانہ خیالات پیدا ہوئے اور کئی صدیوں تک اس کے نیک اثرات کام کرتے رہے۔ سب سے پہلے

حضرت عمرؓ ہی نے ہندوستان میں جہاد کے امکانات پر غور فرمایا اور ایک مبصر سے سندھ کے مرکزی شہر قندابیل کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ اس درمیان میں اسلامی فوجوں نے مطوعانہ وفدائیانہ طور سے ہندوستان کے تین ساحلی مقامات میں چھیڑ چھاڑ شروع کردی۔ ۱۴ھ میں بصرہ آباد کر کے اس کو مشرقی ممالک کی فتوحات کا حربی مرکز قرار دیا گیا اور یہاں سے مشرق وشمال وجنوب میں فتوحات ہوئیں جن میں حدود ہندوستان کی فتوحات بھی شامل ہیں، چنانچہ عہد فاروقی میں اسلامی فوج فارس کے شمال میں بحر خزر (بحر قزوین) تک اور جنوب امیں اصفہان خراسان، کرمان، بجستان، مکران اور سندھ تک پہنچ گئیں، فارس کے شمالی ممالک کو عرب ماوراء النہر کہتے تھے، اور دونوں کے درمیان حد فاصل دریائے مرغاب تھا، جو دریائے سیحون سے دوسومیل کی دوری پر جنوب مغرب میں دریائے جیحون سے ملا ہوا تھا، قدیم زمانہ میں شمال میں جیحون تک ایرانیوں کی حکومت تھی، مگر بعد میں مرغاب تک ہی رہ گئی تھی، بلاد ماوراء النہر وسط ایشیا میں ایرانیوں اور ترک کے اکھاڑے تھے اور چین و فارس کے درمیان تجارتی راستہ ہونے کی وجہ سے یہ علاقے نہایت خوش حال اور مالدار تھے۔

اس علاقے میں سمرقند و بخارا اور بیکند بہت اہم شہر تھے، اور جنوب مشرق کے بلاد میں کابل، بجستان، کرمان، بامیان، مکران، قیقان، قندابیل اور سندھ قدیم ہندوستان میں شمار ہوتے تھے، جن پر شاہان ایران کے مندوب حکومت کرتے تھے، عہد فاروقی میں جب ۲۱ھ یا ۲۳ھ میں جنوبی فارس کے ساتھ مرکزی مقامات پر مجاہدین اسلام آئے تو اسی سلسلے میں مکران، بلوچستان اور بجستان سے متصل بعض ہندوستانی علاقے بھی فتح ہوئے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ محرم ۲۴ھ میں خلیفہ ہوئے اور ذوالحجہ ۳۵ھ میں شہید کردیے گئے۔ مدت خلافت بارہ دن کم بارہ سال ہے، عہد عثمانی کی ابتداء میں فارس کے اکثر ممالک اور بلاد و امصار میں سرکشی اور بدعہدی کی ہوا چل پڑی اور مشرقی حصہ کے کئی علاقوں نے خروج وبغاوت کی راہ اختیار کی جن میں مکران اور سندھ بھی شامل تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ازسرنو یہاں کے حالات معلوم کرنے کیلئے ایک فوجی مبصرومخبر کو روانہ فرمایا، جس نے بہت گہری نظر سے ہندوستان کے ہر قسم کے حالات کا مطالعہ کر کے دربار خلافت کو ان سے آگاہ کیا اور اسی کے مطابق حضرت عثمانؓ نے کرمان، خراسان،

بجستان اور مکران میں سخت تادیبی کارروائی کی اور ان ملکوں کی بغاوت کو طاقت کے ذریعے ختم کر کے مکران میں مستقل طور سے ایسے امراء و عمال رکھے جنہوں نے حالات کی بحالی کیلئے پوری کوشش کی۔

اس زمانہ میں عربوں نے بلوچستان میں اپنی آبادیاں قائم کیں، مکانات بنائے، کنویں کھودے، کاشت کاری کی اور یہاں سے دربار خلافت کو عشر کی رقم روانہ کی اور یہاں پر باقاعدہ محکمہ قضا قائم ہوا اور قندابیل میں فوجی طاقت رکھی گئی۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ہندوستان کے مفتوحہ علاقے دارالاسلام بن گئے تھے، اور ان میں اسلام اور مسلمانوں کا بول بالا ہوا۔ اسی لئے امام زہریؒ نے سندھ کی فتح کو عہد عثمانی کی خصوصیات میں بتایا ہے۔ نیز فارس کے شمال میں مجاہدین اسلام ماوراء النہر کے شہر سمرقند و بخارا تک پہنچ گئے تھے، ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں خلاف راشدہ کا یہ دور ''عہد زریں'' کی حیثیت رکھتا ہے۔ خاص طور سے ۲۹ھ سے ۳۵ھ تک کا زمانہ خلاصہ در خلاصہ ہے۔

حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ علیہ

حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ ذوالحجہ ۳۵ھ میں خلیفہ ہوئے اور ۱۷ رمضان ۴۰ھ میں شہید کر دیئے گئے۔ مدت خلافت تین ماہ کم ۵ سال ہے۔

آپؓ کی خلافت کا بیشتر زمانہ داخلی فتنوں اور خوارج کی شورشوں کے فرو کرنے میں گزرا، جنگ جمل، جنگ صفین اور جنگ نہروان اس دور کے اہم ترین السیات ہیں۔ اس صورتحال سے فارس اور مشرق کے ممالک نے فائدہ اٹھاتے ہوئے شورش و بغاوت برپا کی اور خود بعض عرب ناعاقبت اندیشوں نے بجستان میں باغیانہ روش اختیار کی، جسے آپ نے پہلی فرصت میں ختم کیا اس کے بعد مکران، قندابیل، قیقان اور سندھ میں آپ کی مرضی و اجازت سے زبردست فتوحات ہوئیں اور بہت سے قیدی اور مال غنیمت ہاتھ آئے، آپ کے دور خلافت میں مکران کے آگے سندھ میں مسلمانوں کو خصوصی اقتدار حاصل ہوا اور یہاں کے کئی مقامات مثلاً قیقان وغیرہ پہلی بار خلافت کے زیر تصرف آ گئے۔

ہندوستان کے مسلمان جاٹ، اور سیابجہ کو حضرت علیؓ اور ان کے خاندان سے خاص تعلق تھا، کئی سندھی باندیاں آپ کے خاندان میں تھیں، جن سے اولاد کا سلسلہ چلا، اس دور میں فوجی ملازمت کے

علاوہ شہری ملازمت میں بھی یہ لوگ لئے گئے۔

خلافت علوی میں ۳۸ھ سے ۴۰ھ تک کا زمانہ ہندوستان میں اسلامی فتوحات کا بڑا شاندار اور کامیاب دور ہے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ

حضرت علیؓ کے بعد حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ ہوئے اور ربیع الآخر یا جمادی الاولی ۴۱ھ میں بحق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مستعفی ہو گئے، آپ چھ ماہ چند دن تک اس منصب پر رہے، اس مدت میں حضرت حارث بن مرہ عبدیؒ اپنی فوجوں کے ساتھ مکران، قندابیل اور قیقان وغیرہ میں مصروف غزوات وفتوحات رہ کران علاقوں میں اسلامی شان وشوکت کا جھنڈا لہرا رہے تھے۔ اور اس کے دوسرے سال ۴۲ھ میں بعہد معاویہ اسلامی فوج کو اس ملک میں شدید جانی و مالی نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔

مشرقی ممالک اور ہندوستان

خلافت راشدہ میں غزوات وفتوحات کے یہ چند رخ نمایاں تھے، مشرقی ممالک کے شمال میں سمرقند و بخارا تک، اور جنوب میں مکران وسندھ تک اور مغربی ممالک میں شمال میں رومی حدود تک اور جنوب میں افریقہ تک اسلامی فتوحات عام تھیں، شمال مشرق اور جنوب مشرق کے درمیان دریائے سیحون حد فاصل کی حیثیت رکھتا تھا، اس کے شمالی ممالک اور علاقہ جات کو ماوراء النہر کہتے ہیں، جس کے بیشتر علاقے کو ہم ترکستان غربی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یہاں ترک حکمران تھے اور جنوبی ممالک، اور بلاد و امصار میں خراسان، سجستان، کرمان، کابل، قفص (بلوچستان)، مکران اور سندھ کے علاقے قندابیل، قیقان فہرج اور جبال پایہ وغیرہ شامل تھے، یہاں شاہان فارس کی حکومت تھی، کابل اور سجستان سے لے کر مکران وسندھ کا درمیانی علاقے جو مختلف بلاد وامصار پر مشتمل تھا اس زمانہ میں ہندوستان کی شمالی حدود میں شامل تھا، اور اس اعتبار سے ہم اسے قدیم ہندوستان کا علاقہ کہہ سکتے ہیں، ان جنوبی مشرقی ممالک پر ایران کے اکاسرہ قدیم زمانے سے قابض و دخیل تھے، اور جس طرح شاہان ایران کی زیردستی اور ماتحتی میں عرب میں آل غسان و مناذرہ وغیرہ حکومت کرتے تھے اسی طرح ہندوستان میں مکران سے

لے کر سرندیپ تک ان کے باج گزار اور مطیع راجے مہاراجے حکمران تھے، اور مکران شاہ قیقان شاہ، کشمیران شاہ، قفص شاہ، ریحان شاہ کے کسرائی القاب سے خوش وخرم ہو کر ان کی اطاعت کرتے تھے۔

جب مشرقی ممالک میں اسلامی فتوحات کا وقت آیا تو سجستان و کابل کی فتوحات میں مکران و سندھ وغیرہ بھی شامل ہو گئے، یعنی فارس کا یہ ہندوستانی علاقہ بھی فتح ہوا، اسی لئے بعض مورخوں نے اور علمائے رجال نے کابل وغیرہ کی فتح کو ہندوستان کی فتح کا نام دیا ہے اور کابلی علماء ومجاہدین کو ہندی کی نسبت دی ہے، سجستان و کابل اور سندھ و مکران فتوحات کے سلسلے میں ایک دوسرے سے یوں ملے ہوئے ہیں کہ ان میں باقاعدہ تفریق بہت مشکل ہے، خاص طور سے خلافت راشدہ میں ہندوستان کے ان قدیم علاقوں کے ملکی سیاسی، تمدنی اور حربی امور و معاملات میں جغرافیائی تقسیم آسان نہیں ہے۔ اس لئے یہ فیصلہ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ خراسان، سجستان اور کرمان کے امراء و مجاہدین میں سے کون کون حضرات مکران، قندابیل اور سندھ کے علاقوں میں آئے، البتہ جن لوگوں کے نام تاریخوں میں ملتے ہیں اور ان کے فاتحانہ کارناموں کا تذکرہ یہاں کی مہمات میں موجود ہے ان کا آنا یقینی ہے۔

مشرقی فتوحات کے دو مرکز بصرہ اور کوفہ

شاہان فارس کے مشرقی علاقوں پر فوج کشی کے لئے ضروری تھا کہ پہلے ان کے ایسے فوجی اور جنگی مرکزوں پر قبضہ کیا جائے جہاں سے وہ اپنے مقبوضہ علاقوں پر قابض و دخیل تھے۔ چنانچہ جب خلافت راشدہ میں اس کی باری آئی تو سب سے پہلے ان ہی فوجی و حربی مرکزوں پر توجہ دی گئی، ایسے مرکزی مقام دو تھے، ایک قدیم ہندوستان کے علاقے میں قندابیل تھے اور دوسرا اس کے سامنے عراق میں اُبلّہ تھا، شاہان ایران قندابیل سے سجستان، کرمان، مکران اور سندھ وغیرہ میں کام لیتے تھے اور یہاں بھاری تعداد میں فوج اور سامان جنگ رکھتے تھے اور اُبلّہ کی فوجی و حربی اہمیت اس سے کہیں بڑھ کر تھی، وہاں ہزاروں ایرانی شہ سوار رہا کرتے تھے اور شاہان ایران اس مرکز سے ایک طرف عرب میں اور دوسری طرف ہندوستان میں سرندیپ تک بوقت ضرورت طاقت کا استعمال کرتے تھے۔

جیسا کہ معلوم ہوا کہ عراق کا ساحلی شہر اُبلّہ اکاسرہ کا سب سے بڑا فوجی و حربی مرکز تھا اور ایرانی فوج اور اسلحہ کی بھاری تعداد ہر وقت یہاں رہا کرتی تھی، ساتھ ہی قدیم زمانہ سے ہندوستان سے تعلقات کی وجہ سے یہ مقام ارض الهند اور فرج الهند والسند کے نام سے پکارا جاتا تھا، طبری کا بیان ہے:

۳۱۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۵۰ ۳۲۔ کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۴۷۔

وبالابلة خمسمائة من الاساورة يحمونها و كانت مرفا السفن من الصين ومادونها۔ [۳۱]

ابلہ میں پانچ سو ایرانی شہسوار رہا کرتے تھے جو اس کی نگرانی کرتے تھے، اور یہ مقام چین اور اس کے سامنے سے آنے والے جہازوں کی بندرگاہ تھا۔

پھر لکھا ہے:

وكان فرج الهند اعظم خروج فارس شاناً، واشدها شوكة وكان صاحبه يحارب العرب في البر و الهند في البحر [۳۲]

فرج الہند یعنی ابلہ فارس کے مہتم بالشان مرکزوں میں سے تھا، یہاں کا حاکم خشکی میں عرب سے جنگ کرتا تھا اور سمندری راہ سے ہندوستان میں لڑتا تھا۔

ابن اثیر نے بھی لکھا ہے کہ ابلہ کا اسوار (ایرانی حاکم) ہرمز براہ خشکی عربوں سے جنگ کرتا تھا اور بحری راستہ سے ہندوستان میں لڑتا تھا۔ [۳۳] آگے چل کر لکھا ہے کہ حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے جب ابلہ کا رخ کیا تو ایک ماہ تک فوج لئے پڑے رہے کیونکہ پانچ سو ایرانی شہسوار اس کی حفاظت کرتے تھے، ایک مرتبہ کسریٰ انوشیروان نے ابلہ کی فوجوں کے ذریعے سرندیپ پر حملہ کرایا تھا اور اس کی فوجوں نے وہاں کے راجہ کو قتل کر کے بہت سامال کسریٰ کے پاس بھیجا تھا۔ [۳۴]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب ایرانیوں سے باقاعدہ جنگ کا خیال پیدا ہوا تو سب سے پہلے ان کے اسی عراقی دروازہ یعنی ابلہ پر قبضہ کیا گیا اور وہاں سے ان کی طاقت ختم کر کے اسی کے قریب بصرہ پھر کوفہ آباد کیا گیا اور یہ دونوں مقام اسلام اور مسلمانوں کے فوجی وحربی مرکز قرار دیئے گئے۔ طبقات ابن سعد میں ہے۔

كان عتبة بن غزوان قد حضر مع سعد بن ابى وقاص حين هزم الاعاجم، فكتب عمر بن الخطاب الى سعد بن ابى وقاص ان يضرب قيروانه بالكوفة و ان يبعث عتبه بن غزوان الى ارض الهند، فان له من الاسلام مكاناً شهدا بدراً، و

۳۳۔ تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۱۷۷۔ ۳۴۔ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۶۔

قد رجوت جزاء ہ عن المسلمین و البصرۃ یومئذ ارض الھند، فینزلھا و یتخذبھا للمسلمین قیروانا[35]

جس وقت ایرانیوں کو شکست ہوگئی عتبہ بن غزوانؓ، سعد بن ابی وقاصؓ کے ساتھ مل گئے اور حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاصؓ کو لکھا کہ وہ اپنے فوجی کاررواں کو مقام کوفہ میں روک لیں اور عتبہ بن غزوانؓ کو ارض الہند روانہ کردیں، ان کا اسلام میں بڑا مقام و مرتبہ ہے وہ غزوہ بدر کے شرکاء میں سے ہیں اور مسلمانوں کی طرف سے ان کو ظاہری جزاء دینا چاہتا ہوں۔ اس زمانہ میں بصرہ کو ارض الہند کہتے تھے، عتبہ اس جگہ پڑاؤ ڈالیں اور اسے مسلمانوں کے لئے قیام گاہ و مسکن بنائیں۔

اور بلاذری نے لکھا ہے کہ عتبہ بن غزوان نے ابلہ فتح کرکے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ یہ مقام بحرین، عمان، ہندوستان اور چین کی بندرگاہ ہے،[36] اور ابوحنیفہ دینوریؒ کا بیان ہے کہ عتبہ بن غزوانؓ نے ابلہ فتح کرکے حضرت عمرؓ کو مطلع کیا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ابلہ پر فتح دی، یہ مقام عمان، بحرین، فارس، ہندوستان اور چین کے جہازوں کی بندرگاہ ہے،[37] امام قاضی ابویوسف نے بھی کتاب الخراج میں ابلہ کو فرج ارض الہند یعنی ہندوستان کی دہلیز بتایا ہے۔[38]

فارس کی فتوحات کی ابتداء میں حضرت عتبہ بن غزوان نے ابلہ کے آس پاس کے علاقے کو ایرانیوں سے لڑکر حاصل کیا اور اسی جگہ اسلامی فوج کا ایک مرکز بنانا چاہا چنانچہ انہوں نے حضرت عمر کو لکھا کہ اسلامی فوج کیلئے ایک ایسے مرکز کی ضرورت ہے جہاں موسم سرما گزارا جائے اور فارس کی مہمات سے واپسی پر آرام کیا جائے، حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں لکھا کہ تم اپنی فوج کو ایسی جگہ رکھو جو پانی اور چراگاہ سے قریب ہو۔ عتبہ نے حضرت عمر کو موجودہ بصرہ کے موقع محل کی اطلاع دی، پھر اسی مقام پر لوگوں نے مکانات بنائے اور عتبہ نے مسجد کی بنیاد ڈالی، یہ عراق میں مسلمانوں کا پہلا فوجی اور حربی مرکز تھا، جو ہندوستان اور ایران کی یلغار سے بچنے اور ان پر حملہ کیلئے ضروری تھا۔ اس کے بعد عراق میں دوسرا فوجی و حربی مرکز کوفہ کے نام سے قائم کیا گیا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاص کو لکھا کہ تم مسلمانوں کیلئے ایک ایسی منزل بناؤ کہ میرے اور اس کے درمیان سمندر

۳۵۔ فتوح البلدان ص ۳۴۷۔ ۳۶۔ الاخبار الطوال ص ۱۱۷۔

حائل نہ ہو۔ چنانچہ حضرت سعد نے کوفہ میں اسلامی فوج اور مسلمانوں کو آباد کیا۔ مختلف قبائل کے الگ الگ منطقے اور علاقے قائم کئے اور مسجد کی بنیاد رکھی۔ اس زمانے تک حضرت سعد، قادسیہ، مدائن اور جلولاء وغیرہ ایرانی علاقہ جات فتح کر چکے تھے، کوفہ عراق میں مشرقی ممالک کی مہمات کا دوسرا حربی مرکز بنا، اور ۱۴ھ کے بعد ان دونوں مرکزوں سے جنوب مشرق میں خراسان، سجستان، کرمان، مکران اور سندھ وغیرہ پر شمال مشرق میں ماوراء النہر کاشغر، ثمرقند، بخارا ممالک پر حملہ کیا جانے لگا۔ [۳۹]

عراق کے دو سواد

عراق کے دو سواد اور منطقے تھے، ایک سواد بصرہ اور دوسرا سواد کوفہ، بصرہ کے سواد میں اہواز، دست بیسان اور فارس شامل تھے، اور کوفہ کے سواد میں کسکر، زاب، حلوان، قادسیہ، اعمال عراق، سندھ، ہند، رے، خراسان، دیلم، جبال تھے۔ اور اصفہان گویا عملداری عراق کی ناف تھا [۳۷]۔ عہد فاروقی ہی سے عراق کا امیر اور گورنر تمام مشرقی ممالک اور بلاد و امصار کا حاکم ہوتا تھا۔ ان ممالک میں امراء و عمال کا عزل و نصب، فوجی مہمات کی روانگی، شہری انتظامات اور خراج و جزیہ کی وصولی، غرض تمام سرکاری امور عراق ہی کے امیر کی طرف سے اور اسی کی صوابدید اور ذمہ داری میں انجام پاتے تھے، البتہ حسب ضرورت خلفاء بھی ان میں دخیل ہوا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ خراسان، سجستان، کرمان، مکران اور سندھ وغیرہ کی فتوحات کو عراق کی فتوحات میں شمار کیا جاتا تھا۔ اور مورخوں نے عام طور سے یہاں کی غزوات و فتوحات کا ذکر عراق کی غزوات و فتوحات کے ضمن میں کیا ہے پھر اموی دور میں عراق کی مرکزیت اور زیادہ بڑھ گئی۔ اور شام کے بعد عراق گویا دوسرا دار الخلافہ بن گیا، اور دوسرے مشرقی ممالک کی طرف سندھ اور ہندوستان میں یہیں سے امراء و عمال کی تقرری اور ہر قسم کی مہمات انجام پانے لگیں۔

سندھ کے فوجی مرکز قندابیل کی معلومات

عرب کے ایرانی مستقر ابلہ پر قبضہ کر کے اس کے قریب دو نئے مستقر بنانے کے بعد حضرت عمرؓ کو خیال پیدا ہوا کہ ایرانیوں کے ہندوستان کے فوجی اور حربی مستقر قندابیل کی معلومات حاصل کرنی چاہئے۔ قندابیل ان دنوں صوبہ سندھ کے شمالی علاقہ میں قلات ڈویژن میں واقع ہے، اسے آج کل

۳۷۔ کتاب الخراج ص ۱۷، مروج الذہب ج ۲ ص ۳۲۹۔

گنڈاوہ کہتے ہیں اور یہ مستقل ضلع بنادیا گیا ہے، اسی میں درہ بولان واقع ہے، قلات کا قدیم نام قیقان، (کیگان) تھا اور یہ مقام بھی قندابیل کے بعد بڑی اہمیت (مرکزیت رکھتا تھا، عرب جغرافیہ نویسوں کی تصریحات کی رو سے قندابیل طوران کا مرکزی شہر تھا، اور اسے فوجی وحربی اہمیت حاصل تھی اور اسی مرکز سے اطراف وجوانب کے تمام علاقے ایرانی شہنشاہیت کے زیرنگین رکھے جاتے تھے، اس کے مغرب میں کرمان اور بحستان کا ریگستان واقع تھا، مشرق میں بحر فارس تھا جو بعد میں مشرق کے لئے عربوں کی بحری مہمات کا راستہ ثابت ہوا۔ اس کے شمال میں سندھ اور ہندوستان کے علاقے اور جنوب میں مکران اور بلوچستان کا درمیانی صحرا واقع تھا۔[۳۸]

بعض جغرافیہ نویسوں نے قندابیل کو علاقہ بدھ کا دارالسلطنت بتایا ہے، بظاہر اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شہر کبھی علاقہ بدھ کا مرکز تھا، جو سندھ اور مکران کے درمیان ایک وسیع علاقہ تھا، مگر بعد میں طوران کا مرکز بن گیا تھا، قندابیل ایک پہاڑ پر واقع ہونے کی وجہ سے محفوظ قلعہ اور جنوبی حصہ کا سب سے بڑا فوجی مرکز تھا۔

ویسے قندابیل اور قیقان کے علاقے خشک وگرم تھے، زمیں پہاڑی اور ریگستانی تھی، پانی کی سخت قلت کے ساتھ دریا اور ندیاں بہت کم تھیں اور آبادی عام طور سے بدھ مذہب والوں کی تھی جو نہایت غیر مہذب اور غیر متمدن تھے اور ریگستانوں اور صحراؤں میں پھونس کے جھونپڑوں میں رہتے تھے۔ صید وشکار ان کا ذریعہ معاش تھا۔

خلافت راشدہ میں جب عجم کی فتوحات کا نقشہ تیار کیا گیا اور عرب کے عجمی مرکز پر قبضہ کر کے وہاں طاقت جمع کی گئی تو سندھ کے عجمی مرکز قندابیل کے متعلق بھی غوروفکر ہونے لگا، چنانچہ ان دنوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق بھی معلومات حاصل کیں، علامہ ابن قتیبہؒ نے عیون الاخبار میں حضرت عمر کے صاحبزادے عبیداللہ سے روایت کی ہے:

ان عمر قال: من یخبرنا عن قندابیل،؟ فقال رجل: یا امیر المومنین ماؤها وشل، و تمرها دقل، و لصها بطل، ان کان بها الکثیر جاعوا، و ان کان بها القلیل ضاعوا، قال عمر، لا یسالنی الله عن احد بعثته الیها ابدا[۳۹]

۳۸۔ فتوح البلدان ص ۴۴۱ و ۴۴۳ و ۴۴۷۔ ۳۹۔ عیون الاخبار ج ص۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ کون آدمی ہمیں قندابیل کے متعلق معلومات دے سکتا ہے؟ تو ایک شخص نے کہا کہ اے امیر المومنین، وہاں کا پانی خراب کھجور ردی، اور چور بہادر ہے، اگر وہاں زیادہ آدمی ہوں تو بھوکوں مر جائیں اور اگر کم تعداد میں ہوں تو ختم کر دیئے جائیں، یہ سن کر حضرت عمر نے کہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے کسی ایسے شخص کے بارے میں سوال نہ کرے جسے میں وہاں روانہ کروں۔

ہمارے علم و تحقیق میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ جب عمر رضی اللہ عنہ نے ہندوستان میں جہاد کے امکانات پر غور کرنے کیلئے اس ک مغربی شمالی فوجی مرکز کے حالات معلوم کئے اور اسلامی فوج کے حق میں وہاں کے حالات ناسازگار ہونے کی وجہ سے قندابیل پر حملہ کا ارادہ ترک کر دیا، چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابتداء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کی سنت کے مطابق بحری حملہ کے خلاف تھے اور مسلمانوں کے جان و مال کو زیادہ سے زیادہ محفوظ رکھنا چاہتے تھے، اس لئے قندابیل پر فوج کشی اس وقت نہیں ہوئی اور اس کیلئے مناسب حالات کا انتظار ہونے لگا، البتہ اس درمیان میں خراسان، سجستان اور کرمان وغیرہ پر خلافت کی طرف سے غزوات و فتوحات کا سلسلہ جاری رہا مگر مکران اور سندھ کی طرف باقاعدہ رخ نہیں کیا گیا۔

ہندوستان کے جاٹ اور سیابجہ کا اسلام ۱۶ھ

اگرچہ اس وقت قندابیل پر قبضہ نہ ہو سکا مگر عراق میں عجمی غزوات و فتوحات کے دو اہم فوجی مرکزوں کے قیام کے دو ایک سال بعد ہندوستان پر جہاد کے امکانات بہت واضح طور پر یوں سامنے آگئے کہ ۱۶ھ میں ایرانی فوج کے بہت سے سپاہی جن میں ایرانی اور ہندوستانی اساورہ اور سیابجہ و جاٹ شامل تھے، برضا و رغبت اسلام قبول کر کے مجاہدین میں داخل ہو گئے اور عجمی فتوحات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے۔ یہ پہلا موقع تھا جب ایران کی فوج میں ذہنی انقلاب پیدا ہوا اور مجاہدین اسلام کے مقابلے میں ایرانی بہادر خود بخود سپر انداز ہو گئے، جن کے خوشگوار اور دور رس اثرات ہندوستان اور ہندوستانیوں پر بھی پڑے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۶ھ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایران کے شہر سوس کا محاصرہ کیا اور اسلامی فوج کے مقابلے میں ایرانی فوج سیاہ اسواری کی قیادت میں نکلی، جب سیاہ اسواری نے دیکھا کہ دوسرے علاقوں کی طرح سوس بھی ایرانیوں کے ہاتھ سے نکل رہا ہے اور ابوموسیٰ اشعری کے پاس خلافت کی طرف سے مسلسل فوجی مدد چلی آرہی ہے، اور ایرانی فوج کا

۴۰۔ المسالک والممالک ص ۱۷۰۔ ۴۱۔ عیون الاخبار ج ۲ ص ۱۹۹۔

حال روز بروز غیر ہوتا جارہا ہے تو اس نے اپنی فوج کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو پیغام بھیجا کہ ہم لوگ ان شرائط پر اسلام قبول کرنے کیلئے تیار ہیں۔

(۱) اسلامی فوج میں شامل ہو کر آپ کے عجمی دشمنوں سے مقابلہ کریں گے۔

(۲) آپ لوگوں میں باہمی اختلافات کی صورت میں ہم کسی ایک جماعت کے طرفدار بن کر دوسری جماعت سے جنگ نہیں کریں گے۔

(۳) اگر ہم میں اور عربوں میں جنگ ہو تو آپ لوگ ہماری مدد کر کے ہماری حفاظت کریں گے۔

(۴) مسلمان ہو جانے کے بعد ہم اپنی مرضی کے مطابق جس شہر میں چاہیں گے سکونت اختیار کریں گے اور مسلمانوں کے جس قبیلہ سے چاہیں کے حلف وولاء اور دوستی کا رشتہ قائم کریں گے۔

(۵) عام اسلامی فوج کی طرح ہم بھی عطایا و وظائف سے مشرف ہوں گے یعنی ہمارے فوجی حقوق وہی ہوں گے جو عام مسلمان فوجیوں کے ہیں۔

(۶) ہمارے اسلام اور مذکورہ شرائط کے بارے میں جملہ امور و معاملات کو خلیفۃ المسلمین بذات خود طے کریں گے اور ہمارا تعلق براہ راست خلافت سے ہوگا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اسلامی فوج کے امیر کی حیثیت سے ان سے کہا کہ ان شرائط کی ضرورت نہیں ہے، تمہارے اسلام لانے کی صورت میں جو ہمارے حقوق ہیں وہی تمہارے ہوں گے، اور جو ذمہ داریاں ہم پر ہیں وہی تم پر ہوں گی، مگر اس پر سیاہ اسواری اور اس کے سپاہی راضی نہ ہوئے، آخر کار ابوموسیٰ اشعریؓ نے اس بارے میں حضرت عمرؓ کو لکھا آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ تم ان کے تمام مطالبات کو پورا کر کے وہ جو کچھ کہتے ہیں مان لو چنانچہ ایسا ہی ہوا اور سیاہ اسواری کی فوج مسلمان ہو کر اسلامی فوج میں شامل ہوگئی اور تستر کے محاصرہ میں ابوموسیٰ اشعری کی زیر قیادت اسلامی لشکر کے ساتھ رہی۔

ایک روایت میں ہے کہ جنگ سوس کے موقع پر یزدجرد کے میدان چھوڑ کر بھاگنے اور مسلمانوں کی فتح کے بعد سیاہ اسواری نے اپنی فوج کے رؤسا کو جمع کیا اور ان کے سامنے تقریر کی کہ آپ سب لوگوں کو معلوم ہے کہ ہم آپس میں بات کیا کرتے تھے کہ مسلمان بہت جلد مملکت فارس پر غالب آجائیں گے اور ان کے جانور اور گھوڑے اصطخر کے ایوان میں نظر آنے لگیں گے، مسلمانوں کے غلبہ و

۴۲۔ فتوح البلدان ص ۳۶۶ وص ۳۶۷۔

ظہور کا جو حال ہے آپ تمام لوگ دیکھ رہے ہیں۔

اب ہم کو اپنے متعلق غور کر کے مسلمانوں کے دین میں داخل ہو جانا چاہئے۔

تمام حاضرین نے سیاہ اسواری کی اس بات سے اتفاق کیا اور اس نے اردشیر کی قیادت میں دس آدمیوں کا ایک وفد ابوموسیٰ اشعری کے پاس بھیجا اور مذکورہ بالا شرائط پر پوری فوج اسلام لائی۔

یہ پہلا موقع تھا کہ ایرانی فوج کا ایک حصہ مسلمان ہو کر اسلامی غزوہ میں شریک ہوا اور اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوئی کہ کسی قسم کا شک وشبہ کیا جا سکے، ایک مرتبہ ابوموسیٰ اشعری نے سیاہ اسواری سے کہا کہ تم اور تمہارے ساتھی ہمارے وہم وگمان کے خلاف نکلے، ہم سمجھتے تھے کہ تم لوگ مجبوراً ہمارے ساتھ شریک ہو گئے ہوں، مگر ایسا نہیں ہے، سیاہ اسواری نے جواب دیا کہ ہمارے سوچنے سمجھنے کا انداز دوسرا ہے، ہم تو صرف دین کیلئے جہاد میں شریک ہوئے ہیں۔ ہمارے ساتھ عورتیں بھی نہیں ہیں کہ ان پر دشمنوں کا غلبہ کے ڈر سے ہم لڑیں گے بلکہ ہم تو صرف دین کیلئے لڑتے ہیں، ابتداء میں ہم اپنی حفاظت کے خیال سے اسلام میں داخل ہوئے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے اس میں ہمارے لئے بڑی خیر عطا کی ہے۔

چونکہ یہ لوگ پہلی آزمائش میں پورے اترے، اس لئے اسلامی فوج کی طرح ان کو بھی باقاعدہ وظیفہ دیا گیا اور وہ بھی اسلامی فوج کے قانونی عنصر قرار پائے، ایران کی مہمات سے فارغ ہو کر یہ لوگ بصرہ پہنچے اور وہاں مسلمانوں کے ساتھ مستقل سکونت کے خیال سے دریافت کیا کہ یہاں کون قبیلہ نسبی لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قربت رکھتا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ بنوتمیم یہ مجد وشرف رکھتے ہیں، یہ لوگ ابتدا میں بنوازد کے حلیف ومعاہد اور دوست بن کر ان ہی کے ساتھ رہنا سہنا طے کر چکے تھے، مگر جب یہ معلوم ہوا تو ان کو چھوڑ کر بنوتمیم کے حلیف بن گئے بعد میں سیاہ اسواری اور اس کے تمام ساتھیوں کے لئے بصرہ میں الگ خطے اور مکانات بنائے گئے جہاں انہوں نے اقامت اختیار کی اور اپنے علاقے میں ایک نہر کھودی جسے ان ہی کے نام پر نہر اساورہ کہتے ہیں۔

ان ایرانی اساورہ کے مسلمان ہونے اور مسلمانوں کی طرف سے ان کے پرجوش اور محبت آمیز استقبال نے عرب کے دوسرے عجمی باشندوں کیلئے اسلام اور مسلمانوں کے متعلق سنجیدگی سے سوچنے کی نئی راہ پیدا کر دی، اور انہوں نے اساورہ کی طرح برضا ورغبت اسلام قبول کر لیا، چنانچہ عرب کے ہندوستانی جاٹ اور سیابجہ بھی مسلمان ہو گئے، اور بصرہ میں آباد ہو کر عزت واحترام کی زندگی بسر کرنے

لگے، بلاذری کا بیان ہے کہ سیابجہ اور جاٹ قدیم زمانے سے عرب کے ساحلی مقامات میں رہتے تھے، اور مویشیوں کیلئے چارہ اور پانی کی تلاش میں خانہ بدوشی کی زندگی گزارتے تھے، بعد میں اساورہ کی طرح وہ بھی مسلمان ہو گئے۔

فانضم الى الاساورة السيابجة وكانوا قبل الاسلام بالسواحل، وكذلك الزط، وكانوا بالطفوف يتتبعون الكلاء، فلما اجتمعت الاساورة والزط والسيابجة تنازعتهم بنو تميم فرغبوا فيهم فصارت الاساورة في بني سعد، والزط والسابجة في بني حنظلة فاقاموا معهم يقاتلون المشركين وخرجوا مع ابن عامر الىٰ خراسان [۴۳]

سیابجہ جو قبل اسلام کے عرب کے ساحلی مقامات میں رہتے تھے، اور اسی طرح جاٹ جو سواحل میں گھاس چارہ کی جگہوں میں قیام کرتے، مسلمان ہونے والے اساورہ کے ساتھ مل گئے، اور جب بصرہ میں اساورہ، سیابجہ اور جاٹ تینوں قومیں یکجا ہو گئیں تو بنو تمیم نے ان سب کو اپنی طرف کھینچا چنانچہ یہ لوگ بھی ان کی طرف مائل ان کے مختلف بطون میں مل گئے اساورہ بن سعد کے ساتھ ہو گئے، اور ان کے ساتھ رہ کر مشرکوں اور کافروں سے جہاد کرنا شروع کیا اور عبداللہ بن عامر کی امارت میں خراسان کی مہم میں نکلے۔

عرب کے ان ہندوستانی جاٹوں اور سیابجہ کے ساتھ ہی وہ جاٹ اور سیابجہ بھی اسلام میں داخل ہو گئے جن کو ایرانیوں نے گرفتار کر کے اپنی سندھی فوج میں شامل کر لیا تھا، جب ان لوگوں نے اساورہ کے اسلام اور مسلمانوں کی پذیرائی کا قصہ سنا تو وہ بھی ابو موسیٰ اشعری کی خدمت میں آ کر مسلمان ہو گئے اور ابو موسیٰ اشعری نے اساورہ کی طرح ان کو بھی بصرہ میں آباد کیا، عراق میں اسلامی فوج کے مرکز کا قیام، ایرانی فوج کے اساورہ کا یہ انقلاب، ایرانی فوج کے ہندوستانیوں اور عرب کے جاٹ اور سیابجہ کا اسلام اور پھر بصرہ میں ان سب کا قیام، ان سب باتوں کی وجہ سے مکران اور قندابیل وغیرہ پر

۴۳۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۲۰۔

فوج کشی کے امکانات شروع ہو گئے، اور دو سال کے اندر ۱۴ھ سے ۱۶ھ تک ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ شاہان ایان کے ہندوستانی مقبوضات میں مجاہدین اسلام کی سرگرمیاں جاری ہو جائیں، مگر اب بھی اس طرف توجہ نہیں کی گئی، یہاں تک کہ ۱۷ھ کے بعد عربوں اور عجمیوں کی آویزش میں ہندوستان کے راجوں مہاراجوں نے عربوں کے مقابلہ میں کھل کر ایران کی مدد کی، اور ۲۱ھ میں جنگ نہاوند میں یہ لوگ اپنے تمام جنگی ساز و سامان اور فوجی سپاہیوں کے ساتھ ایرانیوں طرف سے عربوں کے مقابلے کیلئے پہنچے۔

ہندوستان کے راجے مہاراجے اسلامی فوج کے مقابلہ میں ۲۱ھ

طبری نے لکھا ہے کہ ۱۷ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علم وخبر کے بغیر اسلامی فوج نے حضرت علاء حضرمیؓ کی زیر قیادت فارس کے شہر اصطخر پر حملہ کیا، جس میں ایرانی فوجوں نے اسلامی فوج کو اپنے محاصرہ میں لے کر بہت زیادہ نقصان پہنچایا، جب حضرت عمرؓ کو اس حادثے کی خبر ہوئی تو آپ نے بصرہ سے مدد روانہ کی اس کے بعد مسلمانوں نے ایرانیوں سے اپنے نقصان کا پورا پورا بدلہ لیا، اور ان کے امیر فوج ہرمزان کو بھی زخمی کر دیا۔ اس شکست کے بعد ایرانیوں نے مسلمانوں پر زبردست اجتماعی حملہ کی تیاری کی، اور ان کا جوش وخروش اس درجہ بڑھ گیا کہ اطراف وجوانب کے بادشاہوں کو اپنی مدد کے لئے پکارا، اسی سلسلہ میں انہوں نے اپنے قدیم وفاداروں یعنی ہندوستان کے راجوں مہاراجوں کو بھی آواز دی اور انہوں نے حسب معمول اس پر لبیک کہا، اور چار پانچ سال تک پوری تیاری کر کے ۲۱ھ میں جنگ نہاوند میں مجاہدین اسلامی سے مقابلہ کیا، اس موقع پر طبری کے الفاظ یہ ہیں:

> کاتبوا ملکھم و ھو یومئذ بمرو فحرکوہ فکاتب الملک اھل الجبال من الباب والسند و خراسان، و حلوان، فتحرکوا و تکاتبوا، ورکب بعضھم الی بعض فاجمعوا ان یوافوا نھاوند و یبرموا فیھا امورھم فتوافی الی نھاوند اوائلھم [۴۴]

جس وقت شاہ ایران مقام مرو میں شکست کھا کر مقیم تھا، ایرانیوں نے اس کو خط لکھ کر آمادہ کیا اور اس نے باب الابواب کے علاقے ترک سے لے کر

۴۴۔ فتوح البلدان ص ۳۶۲۔

> سندھ وخراسان وطوان کے علاقے فارس تک کے تمام بادشاہوں کو مدد کے لئے خط لکھا جس سے وہ سب حرکت میں آئے اور آپس میں چھنیاؤں کر کے ایک نے دوسرے سے تعلق پیدا کیا اور طے کیا کہ سب کے سب جنگ نہاوند میں جمع ہوں اور اسی میں اپنا فیصلہ کریں، چنانچہ ان کی پہلی کھیپ نہاوند میں پہنچ گئی۔

جیسا کہ معلوم ہوا مکران سے سرندیپ تک کے تمام ہندوستانی راجے مہاراجے شاہان ایران کے باج گزار اور وفادار تھے اور حسب ضرورت اپنے اموال اور رعایا سے ان کی مدد کیا کرتے تھے، چنانچہ ۱۷ھ کے بعد دیگر مقامات کے حکمرانوں کی طرح ہندوستان کے یہ راجے مہاراجے بھی ایرانیوں کی مدد اور عربوں سے مقابلے کیلئے دوڑ دھوپ کرنے لگے، اور ایک راجہ دوسرے راجہ کے پاس اس بارے میں رائے مشورہ کے لئے خطوط اور آدمی بھیجنے لگا یہاں تک کہ ۲۱ھ میں جنگ نہاوند میں ایرانیوں نے اپنی تمام اندرونی اور بیرونی طاقتیں اسلامی فوج کے مقابلے میں جمع کر لیں، جن میں سندھ کے راجے اور یہاں کے سپاہی بھی تھے۔

اس واقعہ کے بعد اسلامی فوج نے اپنے حربی نقشے میں ایران کے اہم مقامات کی طرح ہندوستان کے ان مقامات اور راجوں کو بھی درج کر لیا جہاں سے ان کے خلاف مدد آنے لگی تھی اور کھل کر عربوں کے مقابلے میں صف آرائی کی نوبت آ گئی تھی، اب خلافت کو ان کے خلاف تادیبی کارروائی کا موقع ہاتھ آ گیا اور مزید خاموشی مسلمانوں کی ناکامی اور ایرانیوں کی کامیابی کے مترادف تھی، چنانچہ ۱۷ھ میں جبکہ ایرانیوں نے اپنی شکست کے بعد ہندوستان اور دیگر ممالک سے خط و کتابت کر کے مدد حاصل کی، مسلمانوں نے بھی اصطخر کے نقصان کی مزید تلافی اور ایرانیوں سے پورے مقابلے کے لئے ان پر منظم طریقے سے چوطرفہ بحری حملہ کی تیاری کی، حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ ہی میں بصرہ اور کوفہ کی فوجوں کو تیار کر کے ان پر امراء مقرر کئے، اور فارس کے جنوب مشرقی علاقے کے ساتھ مرکزی مقامات پر حملے کیلئے سات امراء کی زیر قیادت الگ الگ لواء اور جھنڈے تیار کئے؛ چنانچہ اس سلسلے میں لواء مکران حضرت حکم بن عمرو تغلبیؓ کے حوالے کیا گیا اور یہ ساتوں مہمات ۱۷ھ میں اپنے اپنے امراء کے ساتھ روانگی کیلئے تیار ہوئیں، مگر قحط عام الرمادہ اور بعض دوسرے اہم امور کی وجہ سے روانہ نہ ہو سکیں، حتی کہ ۲۱ھ یا ۲۲ھ میں

اس کی باری آ سکی۔

یہ پہلا موقع تھا جب کہ خلافت کی طرف سے مکران پر بحری مہم کی روانگی کا اعلان عام ہوا اس سے پہلے حضرت عمرؓ بحری مہمات کے سخت خلاف تھے، اور اس درمیان میں ہندوستان پر بعض غیر سرکاری بحری حملے ہوئے تو حضرت عمرؓ نے شدت سے اس کی مخالفت کی، ان حالات وواقعات کی کڑی ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت کا یہ فیصلہ اور مکران پر حملہ کا منصوبہ ہندوستان کے راجوں کی روش کا عین ردعمل تھا، تاکہ ایرانی فوجوں کو یہاں سے مدد نہ مل سکے، اور نہ ہی باب الابواب سے لے کر سندھ وہند کی فوجی طاقت منظم ہو کر اسلامی فوج کے مقابلے میں آ سکے، مگر ایسے حالات پیدا ہوتے رہے کہ اس فیصلے کے باوجود خلافت کی طرف سے بلاد فارس اور مکران پر فوج کشی کا موقع نہ مل سکا اور مخالف طاقتیں اس مدت میں پورے طور سے منظم ہو کر ۲۱ھ میں جنگ نہاوند میں مسلمانوں کے مقابلے میں ڈٹ گئیں، بالفاظ دیگر مسلمانوں کی طرف سے مزید اتمام حجت ہوگئی اور اب ان ایرانی اور ہندوستانی جنگ بازوں سے نبٹنا بالکل ہی ضروری ہوگیا، چنانچہ اس کے بعد ۲۱ھ یا ۲۲ھ میں مسلمانوں نے خلافت کی طرف سے فارس کے سات مقامات پر ایک ساتھ حملہ کر دیا، جن میں مکران بھی شامل تھا، اور جب اسلامی فوج نے مکران پر حملہ کیا تو حسب مشورہ مکرانیوں کی مدد کے لئے سندھ کا راجہ راسل زبردست فوج لے کر پہنچا اور دریائے سندھ پار کر کے مکرانیوں کے بجائے وہی مسلمانوں کے سامنے آیا، نتیجہ میں سخت معرکہ پڑا اور خرابی بسیار کے بعد راجہ راسل بھاگ کھڑا ہوا۔ یہ پہلا موقع تھا جس میں براہ راست خلافت کی سرکاری فوج اور ہندوستان کے راجہ کی فوج میں مقابلہ ہوا اور راجہ کی شکست کی صورت میں ہندوستانی مدد کی حقیقت بھی سامنے آ گئی۔

اس سے پہلے عراق کے سامنے جو ایرانی بلاد وامصار واقع تھے ان میں مسلمانوں کی مجاہدانہ سرگرمیاں جاری رہا کرتی تھیں، اور ان کے اس ضمن میں بعض اوقات ہندوستان کے ان راجوں سے بھی جنگ ہو جاتی تھیں، جو اس وقت ایرانی فوج کی مدد کرتے تھے، مگر یہ وقتی مڈبھیڑ غیر سرکاری اور رضا کارانہ وفدائیانہ طور پر ہوا کرتی تھی، اس میں حضرت عمرؓ کی مرضی واجازت کو دخل نہیں تھا بلکہ اسلامی فوجیں ایران پر حملوں کے سلسلے میں ان کے ہندوستانی مددگاروں کی بھی خبر لے لیا کرتے تھے، اور جب حضرت عمرؓ کو ان حملوں کی اطلاع ہوئی تو شدت سے منع فرمایا چنانچہ ۱۹ھ اور ۲۱ھ کے درمیان مسلمانوں نے اپنے ایرانی مرکز توجہ سے ہندوستان کے تین مرکزی مقامات تھانہ (مہاراشٹر) بھڑوچ

(گجرات) اور دیبل (سندھ) پر رضا کارانہ حملے کئے اور فتح پائی، مگر حضرت عمرؓ نے ان کی خبر سن کر شدت سے منع کیا اور جب باقاعدہ بحری مہمات کا معقول انتظام ہو گیا تو خلافت کی طرف سے یہاں مجاہدین روانہ کئے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ رضا کارانہ حملے ان ہی راجوں مہاراجوں پر کئے گئے جنہوں نے مسلمانوں کے مقابلے میں ایرانیوں کی بڑھ چڑھ کر مدد کی تھی ورنہ سجستان اور کرمان سے متصل ہندوستانی علاقوں کو چھوڑ کر دور دراز مقامات پر حملہ آور ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا ہے اگر یہ بات نہیں ہوتی تو اسلامی فوجیں سب سے پہلے قندابیل کو فتح کرنے کی کوشش کرتیں جس کے متعلق حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے معلومات حاصل کی تھیں۔

شہنشاہ یزدجرد ہزیمت کے بعد مکران میں

عہد فاروقی میں ۱۵ھ اور ۱۶ھ اور ۱۷ھ کے درمیان فارس میں نہایت شاندار فتوحات ہوئیں اور ایران کی قدیم ترین شہنشاہیت کا کس بل نکل گیا، ۱۶ھ میں فتح قادسیہ نے مسلمانوں پر فارس کا دروازہ کھول دیا، ایرانیوں نے اس جنگ میں رستم کی قیادت میں بھرپور مقابلہ کی تیاری کی، ایک لاکھ بیس ہزار فوج اور تیس جنگی ہاتھی تھے، اور ایرانیوں کا سب سے بڑا قومی پرچم درفش کا دیانی بھی میدان میں لہرا رہا تھا، ادھر مسلمانوں کی فوج صرف نو اور دس ہزار کے درمیان سعد بن ابی وقاصؓ کی زیر کمان اپنے پورے عزم و حوصلہ کے ساتھ میدان میں اتری اور گھمسان کی جنگ کے بعد میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا، ایرانیوں میں سپاہیوں اور جنگی سامانوں کے علاوہ کھانے پینے اور نغموے کی بہتات تھی، مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ ان کی خوراک کے لئے حضرت عمرؓ مدینہ منورہ سے بکریاں اور اونٹ روانہ کرتے تھے۔

فتح قادسیہ کے بعد ہی مدائن اور جلولاء کی فتوحات ہوئیں جن کے بعد شاہ ایران یزدجرد بن شہریار کے قدم اکھڑ گئے اور اس نے شاہی خزانہ، شاہی کنبہ اور شاہی فوج لے کر حلوان کی راہ لی، اس سال ایران میں طاعون اور قحط کا بڑا زور تھا۔[۴۵]

یزدجرد نے جنوب مشرقی علاقوں کا رخ کیا اور مکران میں پناہ لی، اس لئے اسلامی فوج نے اس کے بعد اپنے دشمن کی اس پناہ گاہ کو ایرانی فتوحات کے مجوزہ نقشہ میں شامل کر لیا، ابو منصور ثعالبی نے تاریخ غرر السیر میں جو کہ شاہان ایران کی تاریخ ہے، لکھا ہے کہ قادسیہ، جلولاء اور نہاوند کی فتوحات کے

۴۵۔ تاریخ غرر السیر ص ۷۴۲ مطبوعہ طہران ۱۹۶۳ء۔
۴۶۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۰۔

بعد جب عربوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے تو یزدجرد کے مشیروں اور خیر خواہوں نے اسے اپنی جان بچانے کیلئے دور دراز علاقوں میں نکل جانے کا مشورہ دیا، چنانچہ وہ اس حال میں شاہی کروفر کے ساتھ مشورہ کے مطابق بجستان وکرمان ہوتا ہوا مکران بھی آیا اور یہاں کے عوام وخواص نے اس سے اظہار ہمدردی کیا، یا بالفاظ دیگر عربوں کے خلاف اپنی مستعدی ظاہر کی۔

فجلا عن دار ملكه و معه الف طباخ، والف مطرب، والف فهاد و الف بازيار، فضلاً عمن سواهم، و عنده انه في خف، وسار الى سجستان، ومنها كرمان و مكران ثم انعطف الى طبرستان [۴۶]

یزدجرد اپنے دارالسلطنت سے نکلا تو اس کے ساتھ ایک ہزار باورچی، ایک ہزار موسیقار، ایک ہزار چیتے والے، ایک ہزار باز والے فوج وغیرہ کے علاوہ تھے، مگر اس حال میں بھی یزدجرد سمجھتا تھا کہ اس کے پاس بہت کم ساز وسامان ہے، اور پھر وہ بجستان گیا، پھر وہاں سے کرمان اور مکران پہنچا پھر طبرستان کا رخ کیا۔

باغیوں اور دشمنوں کی مدد

یہ عجیب بات ہوئی کہ مسلمانوں کی فتوحات دیکھ کر ایرانی فوج کے اساورہ اور ہندوستانی سیابجہ اور جاٹ برضا ورغبت اسلام لے آئے اور اسلامی عنصر میں شامل ہو کر مجد وشرف کے مستحق ٹھہرے، مگر خود ہندوستان کے راجے مہاراجے اور عوام ہوا کا رخ نہ سمجھ سکے، بلکہ آنکھ بند کر کے اپنے آقاؤں کی مدد میں عربوں سے مخالفت مول لیتے رہے، اور شاہ پرستی یا مجبوری کی وجہ سے عربوں سے براہ راست تعلق پیدا نہ کر سکے، حتی کہ مکران میں راجہ راسل کی شکست اور مسلمانوں کی فتح کے بعد بھی ان کی آنکھ نہیں کھلی، اور اس کے بعد بھی ہر معرکہ میں مسلمانوں کے دشمنوں کی مدد کر کے اپنے طرز عمل سے مقابلہ کی دعوت دیتے رہے، چنانچہ مکران کی جنگ کے زمانہ ہی میں ۲۳ھ میں حضرت سہل بن عدیؓ نے کرمان پر حملہ کیا تو قفس (بلوچستان) کے لوگوں نے اہل کرمان کی مدد کی طبری کا بیان ہے۔

قد حشد له اهل كرمان و استعانوا بالقفس [۴۷]

۴۶۔ فتوح البلدان ص ۳۷۰۔ ۴۸۔ ص ۳۸۴۔

سہل بن عدی کے مقابلے کے لئے اہل کرمان نے پوری تیاری کی اور بلوچیوں سے مدد حاصل کی۔

اس سے پہلے ۱۷ھ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری نے اہواز میں جنگ کی تو وہاں کے جاٹوں نے مسلمانوں سے شدید مقابلہ کیا، بلاذری نے شولس عدوی کا بیان نقل کیا ہے۔

اتینا الاھواز، و بھاناس من الزط والاساورۃ فقاتلنا ھم قتالاً شدیداً [۴۸]

ہم اہواز پہنچے تو وہاں جاٹوں اور اساورہ کی جماعت سے ہماری شدید جنگ ہوئی۔

۳۱ھ میں حضرت مجاشع بن مسعود سلمیؓ نے قفس و کرمان کو فتح کیا تو شکست خوردہ فوجوں نے ہرموز میں اطراف و جوانب سے طاقت جمع کی، مگر اس بار بھی شکست کھا کر ادھر ادھر بھاگے اور ان میں ایک جماعت کو مکرانیوں نے پناہ دی بلاذری کا بیان ہے۔

وھرب کثیر من اھل کرمان فرکبوا البحر، ولحق بعضھم الی مکران واتی بعضھم الی سجستان [۴۹]

بہت سے اہل کرمان سمندری راستہ سے بھاگ کر ان میں بعض مکران چلے گئے اور بعض بجستان کی طرف نکل گئے۔

الغرض ہندوستان کے راجوں مہاراجوں نے ہر موقع پر ایرانیوں کی مدد کر کے مسلمانوں سے مقابلہ کیا اور ان کے دشمنوں کو پناہ دی جس کا لازمی نتیجہ ہندوستان پر براہ راست حملہ کی شکل میں نکلا، بعض مغربی اور مقامی مورخوں کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ مسلمانوں کے حملہ کے وقت ہندوستان کی طاقت منتشر تھی، یہاں کے راجے مہاراجے ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے تھے بلکہ آپس میں لڑتے تھے اور اپنے مقامی دشمن کے مقابلے میں عرب مسلمانوں کی مدد کرتے تھے، بلکہ واقعہ اس کے خلاف ہے مکران سے لے کر سرندیپ تک قدیم زمانہ سے کئی بڑی بڑی خاندانی حکومتیں قائم تھیں، اور ان کے افراد مدتوں سے حکومت کرتے تھے ان کے پاس فوج اور سامان جنگ کی فراوانی تھی، اور وہ شاہان ایران کی مدد کیا کرتے تھے، البتہ یہ درست ہے کہ ایران اور روم کی حکومتوں کے مقابلے میں یہاں کی حکومتیں غیر منظم

۴۹۔ تاریخ طبری، ج ۳ ص ۲۵۵ و ص ۲۵۶۔

تھیں، اور قدیم روایات کے مطابق یہاں بہت سے چھوٹے بڑے راجے مہاراجے موروثی سلطنت کے مالک تھے، مگر یہ اسی ملک کی خصوصیت نہیں ہے، بلکہ اس دور میں اس قسم کی سلطنتوں کا عام رواج تھا اوران حکمرانوں میں اکثر عجم اور روم کی شہنشاہیت کی ماتحتی میں مشرقی اور مغربی بلاکوں میں منقسم تھیں۔

مرتدین عرب کی مدد

ہندوستان کے راجوں اور عوام کی اس روش سے زیادہ تعجب خیز رویہ ان ہندوستانیوں کا ہے جو قدیم زمانہ سے عرب کے مختلف علاقوں میں آباد تھے، یا معاشی وتجارتی سلسلے میں آتے جاتے تھے، انہوں نے خلافت صدیقی میں مشرقی عرب کے مرتدوں کا ساتھ دے کر اسلامی فوجوں سے باقاعدہ جنگ کی اور اپنے اسلحہ اور آدمیوں سے ان کی مدد کی جیسا کہ طبری نے لکھا ہے۔

لما مات النبی صلی الله علیه وسلم خرج الحطم بن ضبیعة اخو بنی قیس بن ثعلبة فی من تبعه من بکر بن وائل علی الردة و من تاشب الیه من غیر المرتدین ممن لم یزل کافراً حتی نزل القطیف و هجر، واستغوی الخط و من بها من الزط والسیابجة [۵۰]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بنو قیس بن ثعلبہ کے ایک شخص حطم بن ضبیعہ نے ارتداد کا جھنڈا بلند کیا اور بنو بکر بن وائل کے مرتدوں اور کافروں میں غیر مرتدوں کو لے کر خروج کیا اور قطیف ہجر میں آیا اور خط کے عربوں اور وہاں کے جاتوں اور سیابجہ کو گمراہ کر کے اپنے ساتھ کر لیا۔

اسی طرح قتال مرتدین کے سلسلے میں یمامہ کی جنگ میں مرتدوں نے ہندوستان کی تلواریں استعمال کیں، اور جب اسلامی فوج نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور مرتدین کو شکست فاش ہوگئی تو جاٹ اور سیابجہ براہ سمندر اپنے ملک بھاگ آئے۔

ایران اور عرب کے ہندوستانیوں کا یہ رویہ اس حقیقت کے پیش نظر اور بھی ناقابل فہم ہو جاتا ہے کہ ہندوستان اور عرب کے تعلقات تاریخ کے قدیم دور سے نہایت استوار اور خوشگوار تھے، دونوں قوموں میں ایک دوسرے کے مزاج سے واقف تھیں، دونوں میں آمد و رفت جاری تھی، اور ان میں اسلام اور

۵۰۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۱، والبدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۳۲۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت ومحبت پائی جاتی تھی، یہاں کے سادھوؤں سنتوں نے خدمت نبوی میں اپنی طرف سے ایک دینی وروحانی وفد بھیجا تاکہ براہ راست اور مستند ومعتبر طریقہ سے اسلام کی تعلیمات سے واقفیت ہو اور بعض راجوں نے خدمت نبوی میں از راہ عقیدت ہدیہ اور تحفہ پیش کیا، اس درمیان میں کوئی ایسی بات بھی نہیں ہوئی جس سے جانبین میں شک وشبہ کی فضا پیدا ہو، یا طرفین سے بدگمانی ظاہر ہو، اس کے باوجود عربوں کی اندرونی جنگ اور فتنہ ارتداد میں یا عجم کے معرکوں میں ہندوستانیوں کا مسلمانوں کے مدمقابل بن کر پورے ساز وسامان کے ساتھ نکل آنا ناقابل فہم بات ہے، چنانچہ اس ناعاقبت اندیشی کا احساس عرب کے ہندوستانیوں اور ایرانی فوج کے ہندوستانیوں کو بہت جلد ہو گیا اور انہوں نے ۱۶ھ میں اجتماعی طور سے مسلمان ہو کر عربوں کو اپنا دوست بنالیا، عربوں نے بھی ان کو سینے سے لگا کر ہر طرح کے مجد وشرف سے نوازا، ان بیرونی ہندوستانیوں نے ہوا کہ رخ بہت جلد سمجھ لیا، اور دیکھ لیا کہ ایران کی قدیم وقوی سلطنت مسلمانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو رہی ہے اور اب دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کا بول بالا ہو کر رہے گا، بخلاف اس کے ہندوستان کے ذمہ دار اس حقیقت سے صرف نظر کر کے آخر وقت تک ایرانیوں سے قصر شاہی کو اپنے اوٹ اور ٹیک کے ذریعے گرنے سے بچانے کی کوشش کرتے رہے جس کے نتیجہ میں اس کے ملبے کے نیچے آ گئے، اس سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہاں کے باشندے اپنے قدیم ایرانی آقاؤں سے وفاداری کا ثبوت دے کر آخر وقت تک ان کے ساتھ رہے، اگر وہ اس معاملہ میں کامیاب ہو جاتے اور ایرانی سلطنت بچ جاتی تو ایران کی تاریخ میں ان کے کردار کو جگہ ملتی اور ان کی وفاداری اور ہمدردی کی حکایت ثبت ہوتی، مگر چونکہ ایسا نہیں ہوا اس لئے وہ ناعاقبت اندیش قرار پائے، فاتحوں اور مفتوحوں کی تاریخ میں ایسے عیب وہنر قدیم زمانہ سے پائے جاتے ہیں۔

مسلسل خروج وبغاوت اور بدعہدی

راجوں اور مہاراجوں نے ایک طرف شاہان ایران کی مدد کی اور دوسری طرف جب عربوں نے ان کے بعض علاقے فتح کئے تو طے شدہ شرائط کا احترام نہیں کیا، اور حربی وعدوں کی خلاف ورزی کی، اقوام وملل کی تاریخ میں یہ باتیں مفتوح کے حق میں عیب وجرم ہوتی ہیں جب کہ فاتح کیلئے ہنر اور کردار سمجھی جاتی ہیں، چنانچہ ہندوستان کے ذمہ داروں کا یہ کردار عربوں کے نزدیک جرم تھا، اسی وجہ سے وہ

بار بار حملہ کرتے تھے اور شرائط صلح طے کر کے واپس چلے جاتے تھے حتی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مکران میں خلافت کی طرف سے باقاعدہ امراء وعمال کا تقرر ہوا، عہد فاروقی میں مکران فتح ہوا اور جزیہ اور خراج وغیرہ پر معاملہ طے ہوا مگر مقامی باشندوں نے موقع پاتے ہی خروج وبغاوت کی روش اختیار کی، نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے دور میں یہاں کے حالات کی تحقیق کرائی، اور شدید فوجی کارروائی کر کے مکران سے کابل تک کا تمام سرکش علاقہ طاقت کے زور سے زیر کیا، اور مکران میں مستقل امراء مقرر کئے، ورنہ اس سے پہلے یہاں امراء واعمال کی تقرری نہیں ہوتی تھی یہ پہلا موقع تھا کہ مکران میں یکے بعد دیگرے تین عمال رکھے گئے، مگر حضرت علیؓ کے دور خلافت میں پھر یہاں کے لوگوں نے بدعہدی کر کے تمام معاہدات وشرائط ختم کر دیئے، یا یوں کہئے کہ اپنی آزادی کا علم بلند کیا جس کے بعد حضرت حارث بن مرہ عبدی نے بلاد مکران کے ساتھ سندھ کا شہر قندابیل اور ''قیقان'' وغیرہ کو فتح کیا، اس طرح کم از کم تین بار خلافت راشدہ میں شرائط ومعاہدات کی خلاف ورزی پر مکران اور سندھ میں فوجی مہمات آئیں، نیز دوسرے مقامات کے لوگوں کا یہی رویہ رہا چنانچہ بلوچستان (قفس) پہلی بار عہد فاروقی میں کرمان کے ضمن میں حضرت سہل بن عدی اور نسیر بن ثور عجلی کے ہاتھوں فتح ہوا، مگر بعد میں بدعہدی ہوئی تو عہد عثمانی میں دوبارہ بلوچستان کی طرف توجہ کرنی پڑی اور حضرت مجاشع بن مسعود سلمیؓ نے خراسان وسجستان کی جنگ کے سلسلہ میں اسے بھی رام کیا، اسی طرح سجستان کی حدود میں واقع سندھ کا ایک علاقہ عہد فاروقی میں حضرت عاصم بن عمرو تمیمیؓ کی ہاتھوں فتح ہوا، مگر یہاں کے باشندے عہد عثمانی میں اپنے وعدوں سے پھر گئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ نے سجستان کی جنگ کے ضمن میں اس علاقہ کو دوبارہ زیرنگیں کیا، الغرض خلافت راشدہ میں مکران اور سندھ میں مسلمانوں کے لئے سکون واطمینان کی صورت پیدا نہیں ہوئی اور خراسان، سجستان، کرمان وغیرہ فتح ہو جانے کے بعد بھی انکے حق میں ہندوستان غیر اطمینان بخش علاقہ رہا، مگر اس کے باوجود انھوں نے یہاں اپنی آبادیاں قائم کیں بود وباش اختیار کی، اور مکران اور قندابیل میں اپنے لئے دو مرکز بنائے جن کی حیثیت ہندوستان میں دارالامارۃ کی تھی، کیونکہ وہ اس یقین کے ساتھ یہاں آئے تھے کہ ہم کو یہاں رہنا ہے اور اس ملک کے عوام وخواص تک ایمان کی امانت پہونچانی ہے، اسی لئے ان حالات میں بھی مسلمانوں نے اپنے حربی کردار پر حرف نہیں آنے دیا اور ان کے ایفائے وعدہ اور شروط ومعاہدات کے احترام کا یہ حال تھا کہ ان ہی ایام میں یعنی ۲۳ھ میں حضرت عاصم بن عمرو تمیمیؓ نے زنگ کا علاقہ مقامی باشندوں

۵۱۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۱۳۔

سے چند شرائط پر فتح کیا جن میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ یہاں کے بنجر علاقے اور میدان چراگاہ رہیں گے اور ان پر مسلمان نہیں قابض ہوں گے، مسلمانوں نے اس شرط پر اس شدت سے عمل کیا کہ جب وہ میدان کی طرف نکلتے تھے تو ڈر ڈر کر قدم رکھتے تھے کہ کہیں چراگاہ میں ہمارا قدم نہ بڑھ جائے اور ہم نے اہل زرنگ سے جو وعدہ کیا ہے اس کے احترام میں فرق آجائے۔

فکان المسلمون اذاختر جو اتنا ذروا خشیۃ ان یصیبو امنھا شیئاً فیخضروا۔[۵۲]

مسلمان باہر نکلتے ہوئے ڈرتے تھے کہ ان چراگوہوں اور میدانوں کے بارے میں ہم سے وعدہ خلافی نہ ہو جائے۔

جس قوم نے حالت صلح و جنگ میں اپنے کردار پر حرف نہ آنے دیا ہوں وہ اپنے دشمنوں سے بھی اسی کردار کی توقع رکھتی تھی مگر افسوس کہ یہاں معاملہ اس کی امید کے برخلاف ہوا اور بار بار تادیبی کاروائی کرنے پر بھی اس میں فرق نہیں آیا، چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں اسی غدر اور بدعہدی کی وجہ سے اسلامی فوج کو زبردست جانی نقصان برداشت کرنا پڑا اور سرزمین قیقان میں تقریباً ڈیڑھ ہزار مجاہدین اسلام اپنے امیر کے ساتھ شہید ہو گئے ظاہر ہے کہ ان حالات میں کوئی فاتح قوم خاموش نہیں رہ سکتی، اور اپنے بڑے دشمن کو ختم کرنے کے بعد چھوٹے دشمن کی اس طرح کی جرأت و جسارت کو اچھی نظر سے نہیں دیکھ سکتی۔

ہندوستان میں غزوات کے توقّف کے اسباب

مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندوستان میں جہاد کرنے کی فضیلت و بشارت سنائی تھی اور کئی صحابہء کبار یہاں کے جہاد میں شرکت کی آرزو کرتے تھے، مگر واقعہ یہ ہے کہ کئی ایرانی علاقے فتح کر لینے کے بعد بھی مسلمان براہ راست بحری فوجی مہم روانہ کرنے پر تیار نہ تھے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بحری مہمات کی روانگی کے حق میں نہیں تھے اور جب تک بحری بیڑے کا معقول انتظام نہ ہو مسلمانوں کی جان کو خطرات میں ڈالنا پسند نہیں کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں یہ کام نہیں ہوا تھا اس لئے وہ بحری مہم کے خلاف تھے، طبری نے ۱۷ھ سے پہلے حضرت عمرؓ کے رویہ کے بارے میں تصریح کی ہے۔[۵۳]

۵۲۔ فتوح البلدان ص ۴۲۰۔ ۵۳ عیون الاخبار ج ۲ ص ۱۹۹۔

> وکان عمرؓ لا یاذن لاحد فی رکوبہ غازیا، یکرہ التغریر بجندہ استناناً بالنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم و بابی بکر [۵۲]
>
> حضرت عمرؓ کسی کو بحری راستہ سے جہاد کی اجازت نہیں دیتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر کے اسوہ کو سامنے رکھ کر یہ اقدام ناپسند کرتے تھے۔

چنانچہ ان ایام میں جب حضرت عثمان بن ابوالعاصی ثقفی امیر بحرین وعمان نے توج کی راہ سے ہندوستان کے ساحلی مقامات پر حملہ کیا اور تھانہ، بھڑوچ اور دیبل پر وہ اور ان کے دونوں بھائی حکم بن ابو العاصی ثقفیؓ اور مغیرہ بن ابوالعاصی ثقفیؓ نے فوج کشی کر کے فتح حاصل کی تو حضرت عمرؓ نے اس اقدام کے خلاف اپنی شدید برہمی کا اظہار فرمایا، حضرت عثمان ثقفیؓ کو اس واقعہ کے بعد جو خط لکھا اس میں ان کے یہ الفاظ تھے۔

> یا اخا ثقیف احملت دوداً علی عود، و انی احلف باللّٰہ ان لو اصیبوا لاخذت من قومک مثلھم [۵۳]
>
> اے ثقفی! تم نے کیڑے کو لکڑی پر سوار کر کے سمندر کے حوالے کر دیا، میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر مسلمانوں کا نقصان ہوا تو ان کے برابر تمہاری قوم بنو ثقیف سے بدلہ لے لوں گا۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ہندوستان پر فوج کشی سے منع فرمایا تھا۔

مکران اور سندھ کے ناگفتہ بہ حالات

اس کے علاوہ مکران اور سندھ وغیرہ کے علاقے ہر اعتبار سے ناگفتہ بہ حالت میں تھے، یہاں ریگستان، صحرا اور پہاڑ تھے، کھانے پینے کی شدید قلت تھی، معاشی بدحالی کے ساتھ معاشرتی بدحالی بھی کچھ کم نہ تھی، عام باشندوں کا معیار زندگی نہایت پست تھا، ان کے قول وقرار کا کوئی اعتبار نہیں تھا اور دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہنے کے طور طریقے سے ناواقفیت عام تھی، فوج اگر کم تعداد میں ہو تو دشمن اسے لقمہ تر بنالیں، زیادہ ہو تو کھانے پینے کی تنگی کی وجہ سے اپنی موت آپ مرجائے ان حالات میں ہندوستان میں فوجی مہم روانہ کرنا بڑا مشکل کام تھا، خلفائے راشدین نے بار بار یہاں کے حالات معلوم

۵۴۔ چچ نامہ ص ۷۳۔

کئے اور آنے جانے والوں سے پتہ چلایا مگر ہر مرتبہ ایک ہی قسم کی باتیں معلوم ہوئیں، چنانچہ سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے ابتدائی ایام میں سندھ کے شہر قندابیل کے متعلق پتہ چلایا تو بتایا گیا کہ:

یا امیر المؤمنین! ماؤھا وشل، وتمرھا دقل و لصھا بطل، ان کان بھا الکثیر جاعوا و ان کان بھا القلیل ضاعوا!

اے امیر المومنین! وہاں کا پانی ردی، کھجور خراب اور چور بہادر ہے، اگر وہاں فوج زیادہ ہو تو بھوکی رہے اور اگر کم ہو تو ضائع ہو جائے۔

یہ حالات سننے کے بعد حضرت عمرؓ نے قطعی فیصلہ کرلیا کہ یہاں فوج کشی نہیں کرنی ہے کیونکہ ان خطرناک حالات و مقامات میں اسلامی فوج کو روانہ کرنا اس کو ہلاکت کی دعوت دینا ہے اور اس وقت فرمایا کہ:

لا یسالنی اللہ عن احد بعثتہ الیھا ابداً [۵۴]

اللہ تعالیٰ مجھ سے کسی ایسے شخص کے بارے میں سوال نہ کرے جسے میں وہاں بھیجوں۔

مگر اس کے چند ہی سال کے بعد پھر حضرت عمرؓ نے ایک موقع سے ہندوستان کے حالات معلوم کئے، یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعری کو عراق کا گورنر بنا کر ان کی ماتحتی میں ربیع بن زیاد حارثیؓ کو کرمان اور مکران پر فوج کشی کیلئے امیر مقرر کیا اور ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ وہ ہندوستان، مکران، کرمان اور عراق وغیرہ کے حالات کا پتہ لگائیں یہ وہ زمانہ تھا جب کہ عثمان بن ابوالعاصی ثقفیؓ اور ان کے بھائی حکم اور مغیرہ نے یہاں کے تین مقامات پر بحری حملے کر کے فتح پائی تھی اور بقول صاحب چچ نامہ مغیرہ بن ابوالعاصی ثقفیؓ دیبل میں شہید کر دیئے گئے تھے، جب اس بار بھی یہاں کے نامناسب حالات معلوم ہوئے تو حضرت عمرؓ نے ایسے اقدام سے شدت سے منع فرمایا، اس موقع پر صاحب چچ نامہ نے لکھا ہے "وہم در خلافت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بعراق نامزد شدہ بود، و ربیع بن زیاد حارثی را در خیل او بہ کرمان و مکران نصب کردند، و بجانب ابوموسیٰ اشعری از دار الخلافہ نوشتند کہ از حال ہند و کرمان و عراق اعلام دہ، چون حال ابن ابی العاصی معلوم شد کہ ہندوسند را رائے پیدا آمدہ کہ

۵۵۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۳۔

تمرد وتعند می کند، وطریقہ عصیان دردل دارد، ابوموسیٰ اشعری آن حال را بہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ بنوشت واعلام داد، اورا از غزو ہند منع بلیغ فرمودند [۵۵]

اس کے بعد ۱۷ھ میں مشرقی ممالک میں بحری مہمات کی روانگی طے ہوئی اور عام روایت کے مطابق ۲۳ھ میں بیک وقت سات مقامات پر براہ سمندر فوجیں روانہ کی گئیں جن کو اللہ تعالیٰ نے کامیابی دی اس کے باوجود حضرت عمرؓ سندھ ومکران کے حالات سے مطمئن نہیں تھے، چنانچہ جب حضرت صحار عبدیؓ مکران کی فتح کی بشارت اور غنیمت لے کر دربار خلافت میں پہنچے تو حضرت عمرؓ نے پھر ان سے بھی مکران کے بارے میں سوال کیا اور صحار عبدی نے وہی جچا تلا جواب دیا جو حضرت عمر اس سے پہلے قندابیل کے بارے میں سن چکے ہے بلکہ اس کے آخر میں نہایت اہم جملہ یہ بھی تھا۔

وما ورائها شر منها.

اوراس کے پیچھے کے علاقہ کے حالات اس سے بھی برے ہیں۔

جس کا مطلب یہ تھا کہ ہندوستان کے ان شمالی مغربی ساحلی مقامات کے بعد اس کے اندرونی علاقے اور بھی خطرناک ہیں، حضرت عمرؓ نے یہ روداد سن کر فرمایا کہ تم شاعری کر رہے ہو یا خبر دے رہے ہو؟ صحار نے کہا خبر دے رہا ہوں اس پر حضرت عمر نے فرمایا۔

واللہ لا یغزوھا جیش لی ما اطعت

خدا کی قسم جب تک میری اطاعت کی جائے گی میری فوج وہاں جہاد نہیں کرے گی۔

اور مکران کی فوج کے امیر حضرت حکم بن عمرو تغلبی اور کرمان کی فوج کے امیر حضرت سہل بن عدی کو لکھا کہ

ان لا یجوزن مکران احد من جنود کما واقتصرا علی ما دون النھر [۵۶]

تم دونوں کی فوج کا کوئی سپاہی مکران سے آگے نہ بڑھنے پائے، بلکہ تم لوگ دریائے سندھ کے اسی پار رک ہو جاؤ۔

چنانچہ خلافت فاروقی میں مکران سے آگے پیش قدمی نہیں کی گئی، حالانکہ مکران کی فتح کے بعد

۵۶۔ تاریخ خلیفہ ج ۱ ص ۱۹۷ وفتوح البلدان ص ۴۲۱۔

اسلامی فوج کے حوصلے نہایت بلند ہو گئے تھے اور وہ آگے بڑھنا چاہتے تھے مگر خلافت کی ممانعت سے مجبور تھے، چنانچہ فتح مکران کے بعد امیر لشکر حضرت حکم بن عمرو تغلبیؓ نے جو اشعار کہے تھے ان میں ایک شعر یہ بھی تھا۔

فلو لا ما نھی عنه امیری

قطعناه الی البدد الزوانی

اگر میرے امیر وخلیفہ نے پیش قدمی سے روکا نہ ہوتا تو ہم مکران کے آگے سندھ میں بھیروا کے بت خانے تک پہنچ جاتے۔

۲۳ھ سے ۴۰ھ تک کا جائزہ

۲۳ھ میں مکران فتح ہوا، اور اسی سال کے آخر میں حضرت عمرؓ کی شہادت اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دوران سندھ و مکران کے حالات پھر خراب ہو گئے اور حضرت عثمان کو از سر نو یہاں کے بارے میں معلومات حاصل کرنی پڑیں تا کہ اسی کی روشنی میں آگے قدم اٹھایا جائے۔ چنانچہ خلافت عثمانی کی ابتداء میں حضرت حکیم بن جبلہ عبدی نے مکران آ کر یہاں سے ہر طرح کی معلومات حاصل کیں اور حضرت عثمان کی خدمت میں پہنچ کر کہا کہ:

یا امیر المومنین! قد عرفتها و تنحرتها

اے امیر المومنین! میں نے ثغرہ ہند کے بارے میں پوری معلومات بہم پہنچائی ہیں۔

پھر وہی تمام مسجع کلمات دہرائے جو حضرت عمرؓ کے زمانہ سے یہاں کے بارے میں مشہور تھے، حضرت عثمان نے بھی مصلحت یہی سمجھی کہ فی الحال وہاں فوجی مہم نہ بھیجی جائے، چنانچہ اس وقت کوئی کارروائی نہیں کی گئی [57] مگر چار پانچ سال کے بعد ۲۹ھ میں سندھ و مکران سجستان اور خراسان کی سرکشی اور بغاوت کے خلاف حضرت عثمان نے نہایت منظم اور کامیاب فوج کشی کرائی، عمیر بن عثمان بن سعد نے خراسان سے شمال میں فرغانہ تک کا علاقہ فتح کیا، عبداللہ بن عمیر لیثی نے سجستان سے کابل تک کو رام کیا اور عبیداللہ بن معمر تیمی نے مکران سے دریائے سندھ تک کے علاقے پر قبضہ کیا، اس کے بعد

۵۷۔ کتاب الخراج ص ۲۵۶۔ ۵۸۔ چچ نامہ ص ۷۷ و ص ۷۸۔

حضرت عثمان نے مشرقی ممالک کے حربی اور انتظامی معاملات میں مناسب تبدیلی کر کے ہر علاقے پر امیر و حاکم مقرر کیا اور بوقت ضرورت ان مقامات کے امراء وعمال میں تغیر و تبدل فرمایا، اس سلسلے میں فتح مکران ۲۹ھ سے شہادت ۳۵ھ تک پانچ چھ سال مدت میں مکران میں تین عمال مقرر کیے، پہلے امیر عبیداللہ بن معمر تیمی فاتح مکران تھے، دوسرے امیر عمیر بن عثمان بن سعد ہوئے، حضرت عثمان نے ان کو خراسان سے ہٹا کر مکران میں مقرر کیا اور عبداللہ بن معمر تیمی کو یہاں سے ہٹا کر فارس کا امیر بنایا اور تیسرے امیر سعید ابن کندیر قشیری تھے جو حضرت عثمان کی شہادت کے وقت مکران کی امارت پر موجود تھے، اس طرح ۲۹ھ سے ۳۵ھ تک یہ علاقہ باقاعدہ خلافت راشدہ کی ماتحتی میں رہا اور امراء وعمال یہاں کام کرتے رہے، اسی لئے امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں افریقہ اور خراسان کی طرح سندھ کے بعض علاقوں کو فتوحات عثمان میں شمار کیا ہے۔[۵۸] حضرت عثمان کی شہادت اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی خلافت کے بعد پھر سندھ و مکران کے حالات ابتر ہوگئے، مرکز میں باہمی مشاجرات کی وجہ سے ان علاقوں میں خودسری اور سرکشی کی ہوا چل پڑی اور مکران میں پھر بغاوت ہوگئی اس لئے بقول خلیفہ بن خیاط ۳۶ھ میں یا بقول بلاذری ۳۸ھ کے آخر یا ۳۹ھ کی ابتداء میں حضرت حارث بن مرہ عبدی نے حضرت علیؓ کی اجازت سے فدائیوں کی بھاری تعداد لے کر مکران کا رخ کیا اور جنوب میں بلاد قندابیل جبال اور قیقان تک فتوحات حاصل کر کے تین چار سال کے ابتر حالات کو تیزی سے درست کر لیا جس وقت اسلامی فوج بڑھ بڑھ کر بغاوت کو فرو کر رہی تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت (رمضان ۴۰ھ) ہوگئی اور اس کی خبر سن کر مجاہدین اپنے مرکز مکران واپس آ گئے۔[۵۹]

ان تفصیلات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کا معاملہ اس دور میں مسلمانوں کے حق میں کس قدر پیچیدہ اور کٹھن تھا، ایک طرف یہاں کے راجے مہاراجے پورے طور سے شاہان ایران کی مدد میں مسلمانوں سے نبرد آزما تھے، دوسری طرف یہاں ظروف واحوال کی ناگواری اس درجہ تھی کہ ادھر کا رخ کرنا گویا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا تھا، آب و ہوا کی ناموافقت، اشیاء خورونوش کی قلت، عوام کی نامناسب افتاد طبع اور راستوں کی مشکلات، یہ تمام چیزیں کسی منظم اقدام کے حق میں نہیں تھیں، مگر چونکہ مسلمانوں کا مقصد ملک گیری، جبایت اموال اور حکمرانی نہیں تھا بلکہ دین وایمان کی تبلیغ واشاعت اور

۵۹۔ الاخبار الطوال ص ۱۱۱، الفخری ص ۷۸۔

اسلام کی امانت دنیا میں پہنچانی تھی، اس لئے انہوں نے اس دور دراز، دشوگر گزار اور زندگی کی عام قدروں سے محروم ملک کو اپنے اقدامی نقشہ میں رکھا، ورنہ یہاں کے ناگفتہ حالات سے ان کو بھی معلوم تھا کہ اس میں کوئی مادی فائدہ نہیں ہے بلکہ ملوکیت و بادشاہت کے اعتبار سے اپنا ہی نقصان ہے اور اس ملک سے کچھ لینے کی بجائے اسے کچھ دینا ہی پڑے گا، مسلمانوں کیلئے یہ شکل بہت آسان اور نفع بخش تھی کہ ایران کی قدیم شہنشاہیت پر قبضہ کر کے ہندوستان کے راجوں مہاراجوں سے قدیم اصول پر معاملہ طے کر لیتے، اور ان کی مدد سے وسط ایشیا میں اپنا اقتدار قائم رکھتے، اگر ان میں ملک گیری اور مال وزر کی ہوس کام کرتی تو وہ نہایت آرام وعافیت کے ساتھ صلح ومصالحت اور عہد وپیمان کر کے یہاں سے فائدہ اٹھاتے رہتے، مگر چونکہ مسلمانوں کو توحید ورسالت کا کام کرنا تھا اس لئے انہوں نے یہاں کی ہر طرح کی ناگواری اور دشواری کو برداشت کر کے اپنا کام کیا، خود عرب میں بھی فتنہ ارتداد کے زمانہ میں مسلمانوں نے اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر مرتدوں سے صلح ومصالحت کر کے امن وعافیت کو پسند نہیں کیا بلکہ بحق اسلام ان سے جہاد کیا، اور تن آسانی وسہل پسندی کے بجائے عزیمت واستقامت سے کام لیا۔

خلافت راشدہ کی ہندوستان میں فتوحات کی تعداد

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ مکران اور سندھ کی فتوحات درحقیقت خراسان و بجستان اور کرمان وغیرہ کی فتوحات کا تتمہ وتکملہ تھیں اور ان کا شمار مشرقی ممالک کی فتوحات میں ہوتا تھا اس کے باوجود مکران اور قندابیل وقیقان وغیرہ کو ثغر ہندوسندھ میں شمار کر کے ان کو ایک جدا ملک مانا جاتا تھا اور خلافت راشدہ ہی میں مکران اور سندھ کو ہندوستان کا علاقہ قرار دے کر یہاں کے حربی اور انتظامی امور ومعاملات کو خراسان و بجستان سے علیحدہ کیا گیا، اور یہاں مستقل امراء وعمال رکھے گئے ان حالات میں یہاں کی فتوحات کو جنوبی مشرقی ممالک کی فتوحات سے الگ کرنا ایک گونہ مشکل ہے اور تحقیق کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ دور خلافت میں یہاں کی فتوحات کی تعداد کیا ہے اور فتوحات وامارت میں یہاں کون کون حضرات تشریف لائے، البتہ اس زمانہ کی تقسیم کو ملحوظ رکھ کر مکران اور سندھ کے حدود اور ان کی فتوحات کو الگ کیا جاسکتا ہے۔

یوں تو کابل تک تمام علاقہ قدیم زمانہ میں قدیم ہندوستان میں شامل تھا مگر مذہبی اور سرکاری طور

سے مکران کے بعد جنوب میں سندھ اور ہندوستان (بشمولیت ہندو پاکستان) کا ملک مانا جاتا تھا اور اس زمانہ کے کرمان، بامیان، قفس اور بجستان کے جنوبی علاقے مکران اور سندھ میں داخل تھے، چنانچہ آج بھی پورا قفس (بلوچستان) پاکستان میں شامل ہے، اس لئے ان شمالی ممالک کے جنوب میں جو فتوحات مکران و سندھ کے حدود میں ہوئی ہیں ہم ان کو بھی یہاں کی فتوحات میں شمار کرتے ہیں، اور اس طرح سے خلافت راشدہ میں تقریباً پندرہ فتوحات ہوئی ہیں۔

عہد فاروقی میں (۱) تھانہ (۲) بھڑوچ (۳) دیبل (۴) مکران کی پہلی فتح (۵) مکران کی دوسری فتح (۶) بلوچستان، (۷) بجستان سے متصل علاقہ سندھ کی فتوحات۔ عہد عثمانی میں (۸) مکران (۹) بلوچستان (۱۰) بجستان کے متصل سندھ کے علاقے داور کی فتوحات (۱۱ قیرج کی فتح (۱۲) قندابیل کی پہلی فتح۔

عہد علوی میں (۱۳) مکران (۴) قندابیل (۱۵) قیقان کی فتوحات، ان میں عہد فاروقی کی پہلی تین فتوحات مطوعانہ و فدائیانہ تھیں اور ایران میں جہاد کرنے والی فوجوں کے بعض دستوں نے اپنے طور پر اور اپنی صوابدید سے ان میں حصہ لیا تھا، باقی دس فتوحات سرکاری تھیں اور ان کے بارے میں خلافت سے باقاعدہ اجازت دی گئی تھی البتہ آخر کی تین فتوحات کے سلسلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صرف مرضی اور اجازت کافی سمجھی گئی اور ان کی حیثیت بھی سرکاری رہی۔

غزوات وفتوحات

قدیم زمانہ سے ملک عرب کا شمالی مشرقی حصہ اور پورا مشرق یوں شاہان فارس کے اثر و نفوذ کے ماتحت تھا کہ عراق، بحرین، قطیف، دارین، ہجر سے لے کر یمن کا پورا علاقہ شاہان فارس کی ماتحتی میں ملوک عرب یا ابنائے فارس کے قبضے میں تھا، عراق کے سامنے فارس میں قادسیہ مدائن اور جلولاء وغیرہ ایران کے مشہور فوجی اور مرکزی مقامات واقع تھے جو عربوں کی بالکل زد پر تھے، مگر چونکہ وہ ایرانی شہنشاہیت کے رعب وداب اور اثر و اقتدار سے ایک گونہ مرعوب رہتے تھے اس لئے انہوں نے اپنی سرحدوں سے متصل ایرانی علاقوں پر کبھی نظر نہیں ڈالی۔

مشرقی ممالک سے چھیڑ چھاڑ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عرب کے تمام علاقے جن میں مشرقی عرب کے کئی ایرانی مقبوضات بھی شامل تھے، فتح ہو گئے تھے، البتہ عراق اور شام میں فارس وروم کے علاقے اس میں شامل نہیں تھے، آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شامی علاقوں پر توجہ فرمائی اور جنگ یرموک کے بعد جیش اسامہ کی تیاری کی مگر آپ کا وصال ہو گیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (ربیع الاول ۱۱ھ تا جمادی الاخری ۱۳ھ) خلیفہ ہوئے خلافت صدیقی میں ارتداد کا خطرناک فتنہ اٹھا اور اس میں اکثر عرب علاقے خصوصاً مشرقی علاقے اسلام سے برگشتہ ہو گئے جس کو فرو کرنے میں حضرت ابوبکرؓ نے بڑی ہمت وجرات سے کام لیا خلافت صدیقی کا بیشتر زمانہ اسی فتنہ کے استیصال میں گزرا، البتہ آخر میں جب اس طرف سے اطمینان ہوا تو عراق وشام کی طرف توجہ ہوئی۔

اس دوران میں مسلمانوں کو وہ پیشین گوئیاں اور بشارتیں بار بار یاد آتی رہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عجم کی فتوحات اور کسریٰ کی ہلاکت کی خبر دی تھی، اور خود ایرانی شہنشاہیت ان نشانیوں کو دیکھ کر خوف زدہ ہو رہی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے بعد سے مختلف صورتوں میں وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتی رہتی تھیں، حتی کہ اسی مرعوبیت اور خوف کی وجہ سے کسریٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کو چاک کر دیا اور آپ نے فرمایا کہ اس کسریٰ کی ہلاکت کے بعد دوسرا کسریٰ ایران میں نہیں ہو سکے گا چنانچہ عہد صدیقی میں فارس کی قدیم شہنشاہیت کا زوال شروع ہو گیا اور اکیس سال کی عمر میں یزدجرد ایران کی قسمت کا مالک بنا، یہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا، حضرت مثنیٰ بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ نے فارس کی شہنشاہیت میں ابتری اور مسلمانوں میں فتنہ ارتداد کے استیصال کے بعد تازگی دیکھ کر ایک جماعت یار کی اور عرب سے متصل ایرانی سرحدوں پر چھیڑ چھاڑ شروع کر دی، حضرت مثنیٰ بن حارثہ شیبانیؓ حیرہ کی سمت سے اور حضرت سوید بن قطبہ عجلی رضی اللہ عنہما ابلہ کی طرف سے اپنے اپنے آدمیوں کو لے کر ایرانی شہروں پر چھاپہ مارتے اور عرب کے صحراؤں میں چلے جاتے، حضرت ابوبکرؓ نے قتال مرتدین کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایران کی مہم پر روانہ کیا اور مثنیٰ بن حارثہ کو لکھا کہ وہ اپنی جماعت کے ساتھ ان کی فوج میں شامل ہو جائیں۔[60]

الغرض عہد صدیقی کے آخر میں فارس سے باقاعدہ نبرد آزمائی شروع ہو گئی، اور جب عہد فاروقی میں فارس کا علاقہ فتح ہوا تو اسی سلسلے میں مکران اور سندھ میں فتوحات کی باری آئی۔

۶۰۔ اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۰۔ ۶۱۔ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۵۱۔

عہد صدیقی میں فتح مکران کی روایت اور اس پر تنقید

عہد صدیقی میں نہ فارس کا کوئی علاقہ فتح ہوا اور نہ ہی مکران یا ہندوستان کے علاقے میں مجاہدین اسلام آئے بلکہ ان دونوں مقامات میں عہد فاروقی میں فتوحات ہوئی ہیں، علامہ ابن اثیر نے حضرت صعب بن جثامہ لیثی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں تصریح کی ہے۔

> و این فتح فارس من خلافة ابی بکر فتحت فارس ایام عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ [61]
>
> فارس کی فتح کو خلافت صدیقی سے کیا تعلق؟ فارس تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتح ہوا ہے۔

مگر معلوم نہیں کیسے یعقوبی نے اپنی تاریخ میں سن وار واقعات لکھنے کے التزام کے باوجود مکران اور اس کے حدود کی فتح ہونے کی روایت عہد صدیقی میں درج کی ہے، اور لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے عثمان بن ابوالعاصی رضی اللہ عنہ کو مکران کے علاقے میں بھیجا اور انہوں نے وہاں فتوحات حاصل کیں چنانچہ عہد صدیقی کی فتوحات میں تصریح کی ہے۔

> و بعث ابوبکر عثمان بن ابی العاص، و ندب معه عبدالقیس فسار فی جیش الی توج فافتتحها و سبیٰ اهلها و افتتح مکران وما یلیها [62]
>
> حضرت ابوبکرؓ نے عثمان ابن ابوالعاص کو جہاد پر روانہ کیا اور ان کے ساتھ بنو عبدالقیس تھے چنانچہ انہوں نے ایران کے مقام توج پر فوج کشی کر کے اسے فتح کیا اور وہاں کے باشندوں کو قیدی بنایا اور مکران اور اس کے اطراف کو بھی فتح کیا۔

حالانکہ یہ واقعہ عہد فاروقی کا ہے جیسا کہ تمام مورخوں نے تصریح کی ہے کہ ۱۵ھ میں حضرت عمرؓ نے حضرت عثمان بن ابوالعاصیؓ کو طائف کی امارت سے منتقل کر کے بحرین و عمان کا امیر بنایا اور انہوں نے اپنے بھائی حکم بن ابوالعاصیؓ کو بلا کر مقامی حالات درست کیے پھر ایران کے مرکزی شہر توج پر قبضہ کر کے وہاں مسلمانوں کا پہلا مرکز بنایا اس کے بعد عثمان، حکم اور مغیرہ تینوں بھائیوں نے تھانہ، بھڑوچ

۶۲۔ تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۵۵ و ص ۲۵۶، و کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۴۱۔

اور دیبل پر حملہ کر کے فتوحات حاصل کیں، مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ یعقوبی نے عہد فاروقی میں عثمان بن ابوالعاصی کی فتح مکران کا تذکرہ نہیں کیا ہے، اس لئے یہ عبارت عہد صدیقی کے بجائے عہد فاروقی میں ہونی چاہئے اور اس میں ''ابوبکر'' کے بجائے ''عمر بن خطاب'' ہونا چاہئے، یعقوبی سے ایسی غلطی کا سرزد ہونا سمجھ میں نہیں آتا ہو سکتا ہے کہ بعد کے کسی نسخہ میں یہ واقعہ عہد فاروقی سے پہلے عہد صدیقی میں درج ہو گیا ہو، اور ''عمر بن خطاب'' کے بجائے ''ابوبکر'' لکھ دیا گیا ہو تاریخ یعقوبی کے یورپ اور بیروت کے مطبوعہ نسخوں میں یہ واقعہ اسی طرح درج ہے جو خلاف واقعہ ہے۔

فتنہ ارتداد میں عرب کے ہندوستانیوں کی شرکت

عہد صدیقی میں ہندوستان میں نہ غزوہ ہوا اور نہ ہی فتح حاصل ہوئی، البتہ عرب میں ہندوستان کے لوگوں سے جنگ ہوئی اور ان کے مقابلے میں مسلمانوں نے فتح پائی، اس کی صورت یہ ہوئی کہ عراق سے لے کر مشرقی عرب کے ساحلی علاقوں میں، ہندوستان کے جاٹوں اور سیابجہ کی بڑی تعداد رہتی تھی اور جب وہاں پر ارتداد کی وباء پھوٹی تو انہوں نے مرتدوں کے ساتھ ہو کر اسلامی فوج کا مقابلہ کیا، اور ان کو آدمی اور سامان جنگ دیئے، مگر مرتدوں کی طرح ان کو بھی شکست فاش ہوئی اور وہ بھی اپنے ملک ہندوستان کی طرف بھاگنے پر مجبور ہوئے، تاریخ طبری میں ہے۔

> لما مات النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم خرج الحطم بن ضبیعة اخو بنی قیس بن ثعلبة فی من تبعة من بکر بن وائل علی الرادة، و من تاشب الیہ من غیر المرتدین ممن لم یزل کافراً، حتی نزل القطیف و ھجر، واستغوی الخط، و من بھا من الزط و السیابجة [۶۳]

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بنی قیس بن ثعلبہ کے ایک شخص حطم بن ضبیعہ نے بنو بکر بن وائل اور اب تک کے کافر رہنے والوں کی جماعت کو لے کر ارتداد پر کمر باندھی اور اپنے ساتھیوں کو لے کر قطیف اور ہجر میں آیا اور مقام خط میں جو جاٹ اور سیابجہ آباد تھے ان کو گمراہ کیا۔

حضرت ابوبکرؓ نے حطم بن ضبیعہ اور دوسرے مرتدین سے قتال کے لئے حضرت علاء بن حضرمی

۶۳۔ تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۵۹۔ ۶۴۔ فتوح البلدان ص ۹۸۔

رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت فوج روانہ کی اور انہوں نے ان کو شکست دی، ان کے بعد ان کا ایک بہت بڑا گروہ دارین کی بندرگاہ پر آیا اور کشتیوں پر سوار ہو کر اپنے اپنے وطن کی طرف بھاگا اسی کے ساتھ ہزیمت خوردہ کفار و مشرکین بھی اپنی قوم اور اپنے وطن کی طرف چلے گئے۔[۶۴] ان میں ہندوستان کے جاٹ اور سیابجہ بھی تھے جواب تک غیر ملکی ہونے کی وجہ سے مجوسیوں کی طرح اپنے قدیم مذہب پر قائم تھے اور مسلمانوں نے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا، اس زمانہ میں عرب کے مشرقی ساحل پر دارین ہندوستانی مال کی بہت بڑی منڈی تھی اور بڑی تعداد اور بھاری مقدار میں ہندوستان کے لوگ اور سامان تجارت رہا کرتے تھے اور تجارتی کشتیوں کے ذریعے عرب و ہند کے درمیان آمد و رفت جاری تھی۔ اس فتنہ میں مرتدوں نے ہندوستانیوں سے آلات جنگ بھی حاصل کئے اور ان کو اسلامی فوج کے مقابلے میں استعمال کیا، خاص طور سے اہل یمامہ نے یہاں کے لوگوں سے ہندی تلواریں لیں، جب اہل یمامہ کو معلوم ہوا کہ خالد بن ولید اپنی فوج لے کر آ رہے ہیں تو انہوں نے مقابلہ کی پوری تیاری کی۔

حضرت خالد کو دور ہی سے بستی کے باہر تلواروں کی چمک نظر آئی اور انہوں نے اپنی فوج سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کی طرف سے تم لوگوں کو مطمئن کر دیا ہے، کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ ان کی تلواریں آپس ہی میں چل رہی ہیں؟ میرا خیال ہے کہ ان میں اختلاف ہو گیا ہے، اور وہ آپس میں لڑ پڑے ہیں، ان باتوں کو سن کر حضرت مجاعہ رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد سے کہا۔

> كلا ولكنها الهندوانية، خشوا تحطمها فابرزوها للشمس لتلين متونها [۶۵]
>
> نہیں نہیں، یہ ہندی تلواریں ہیں، ان کو ڈر تھا کہ زنگ کی وجہ سے ٹوٹ جائیں گی اس لئے ان کو دھوپ میں ڈال کر نرم و تیز کر رہے ہیں۔

عرب میں زمانہ قدیم سے ہندی تلواریں اپنی برش و جوہریت میں مشہور تھیں اور مختلف ناموں سے یاد کی جاتی تھیں جیسے ہندی، مہند اور ہندوانی، زہیر بن ابی سلمی نے کہا ہے۔

> كالهند و انى لا يخزيك مشهده وسط السيوف اذا ما تضرب البهم
>
> جب اسلحہ بند نوجوانوں سے جنگ کی باری آئے تو تلواروں کے درمیان

۶۵۔ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۶، فتوح البلدان ص ۳۳۷، ۱۱۱ اخبار الطوال ص ۱۱۷ عیون الاخبار ج ۲ ص ۱۹۹۔

ہندی تلوار تم کو رسوا نہیں ہونے دیں گی۔

عرب اور ہندوستان میں اس کے اثرات ونتائج

عرب کے یہ جاٹ اور سیابجہ قدیم زمانہ سے امن وعافیت کی زندگی بسر کرتے تھے، اور تمام عرب پر اسلامی اقتدار و قبضہ کے باوجود مسلمانوں نے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا، بلکہ غیر عرب ہونے کی وجہ سے وہ اپنے قدیم مذہب اور رسم ورواج پر قائم رہے، مگر انہوں نے اسلام کے خلاف پہلے فتنہ میں جس کی حیثیت خانگی اور قومی قضیہ کی تھی دشمنوں کا ساتھ دیا، مسلمانوں کے حسن سلوک کا یہ کچھ اچھا بدلہ نہیں تھا، اس کے نتیجے میں ان کو عرب چھوڑ کر ہندوستان آنا پڑا، مگر اس صورت حال کا ایک اچھا رخ یہ نکل آیا کہ انہوں نے یہاں آ کر مسلمانوں کے عقائد واعمال اور بہادری و جانبازی کا تذکرہ کیا اور یہاں کے باشندے اپنے آدمیوں کے ذریعہ اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کے کردار سے مزید واقف ہوئے اور مخالفیانہ انداز بیان میں بھی اہل نظر کو کچھ اہم باتیں معلوم ہوگئیں اور جس مقصد کے لئے عہد رسالت میں سرندیپ سے ایک مذہبی وفد مدینہ منورہ بھیجا گیا تھا، اس کی واپسی سے پہلے ہی اس کی بعض باتیں معلوم ہوگئیں، جن سے یہاں کے سنجیدہ اور مذہبی طبقہ نے اچھا اثر لیا، نیز حدود عراق میں رہنے والے جاٹ اور سیابجہ نے ہجر اور خط وغیرہ کے جاٹ اور سیابجہ کے اس اقدام اور اس کے انجام سے یہ اثر لیا کہ اس واقعہ کے تین چار سال کے بعد عہد فاروقی میں وہ سب کے سب برضا ورغبت اسلام میں داخل ہوگئے اور ۱۶ھ میں ایرانی فوج کے اساورہ کو دیکھ کر انہوں نے بھی اسلام اور اسلامی معاشرہ میں عزت و احترام کا مقام حاصل کر لیا۔

عہد صدیقی میں عرب کے ان ہندوستانیوں کے طرز عمل کا اثر طبعی طور سے مسلمانوں کے دل پر پڑا ہوگا اور عجب کیا ہے کہ انہوں نے اس معاندانہ اقدام کو شدت سے محسوس کر کے اپنے فاتحانہ عزائم کے سامنے ہندوستان کو بھی رکھ لیا ہو جس کے نتیجہ میں چند ہی سال کے بعد عہد فاروقی میں اسلامی فوج کے چند دستوں نے تھانہ، بھڑوچ اور دیبل پر حملہ کر کے ان سے انتقام لیا ہو، عہد فاروقی میں مکران کے باقاعدہ حملے سے پہلے ان تینوں مقامات پر عربوں کے حملہ آور ہونے کی وجہ غالباً یہی تھی، ورنہ ظاہر یہ ہے کہ ان کو اندرون ہندان ساحلی علاقوں کے دور دراز سفر کرنے کے بجائے ایرانی حدود سے متصل مکران وسندھ کی طرف رخ کرنا چاہئے تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قتال مرتدین میں مسلمانوں کا مقابلہ

کرنے والے جاٹ اور سیابجہ ان ہی علاقوں سے تھے اور شکست کے بعد تھانہ، بھڑوچ اور دیبل چلے آئے تھے۔

ایران کی ابتدائی فتوحات میں ہندوستان کی فتوحات کے امکانات

ہندوستان پر ان غیر منظم اور ابتدائی غزوات وفتوحات کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت (جمادی الاخری ۱۳ھ تا ذوالحجہ ۲۳ھ) کے ابتدائی دور ہی میں فارس کی مہمات تیز کر دی گئیں، عہد صدیقی سے حضرت مثنیٰ بن حارثہ شیبانیؓ اور حضرت سوید بن قطبہ عجلیؓ اپنی اپنی جماعت لے کر حیرہ اور ابلہ کے سامنے ایرانی علاقوں میں چھیڑ چھاڑ کرتے تھے، اسی درمیان میں بحرین کے حاکم حضرت علاء بن حضرمیؓ نے اپنی امارت کے آخری ایام میں ۱۴ھ حضرت ہرثمہ ابن عرفجہ بارقی ازدیؓ کو بلاد ایران کی مہم پر روانہ کیا اور ہرثمہ نے ایک جزیرہ فتح کیا، اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بھی ۱۵ھ کے آخر یا ۱۶ھ کے شروع میں سوق اہواز کو فتح کیا ان ایام میں ۱۶ھ حضرت ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے قادسیہ کی فیصلہ کن جنگ میں فتح مبین پائی، اور ''باب مملکۃ الفرس'' مسلمانوں کے سامنے کھل گیا، یزدجرد کی تخت نشینی اور ایران کی اندرونی ابتری کے بارے میں مثنیٰ بن حارثہ شیبانیؓ نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دیکر ایران پر فوج کشی کا مشورہ دیا تھا اور حضرت عمرؓ نے محضر صحابہ سے مشورہ کر کے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی امارت میں مہم روانہ کی تھی اسی اثناء میں حضرت عمرؓ نے حضرت علاء بن حضرمیؓ کو بحرین سے علیحدہ کر کے حضرت عثمان بن ابوالعاصی ثقفی رضی اللہ عنہ کو طائف سے بلا کر بحرین وعمان کی امارت پر روانہ کیا، انہوں نے اپنے بھائی حکم بن ابی العاصی ثقفی کو بھی بلا لیا اور سال دو سال میں دونوں بھائیوں نے بحرین وعمان کے حالات درست کر لئے، حضرت علاءؓ کی زندگی قتال مرتدین اور ایرانیوں کی چھیڑ چھاڑ میں گزری تھی، بحرین کی امارت سے علیحدگی کے بعد ایرانی علاقوں کی فتوحات خصوصاً قادسیہ کی فتح نے حضرت علاء کے مجاہدانہ حوصلہ کیلئے مہمیز کا کام کیا اور ۱۷ھ میں حضرت عمرؓ کی مرضی ومشورہ اور اجازت کے بغیر اہل بحرین کو جہاد پر آمادہ کر کے حضرت جارود بن معلّیٰ، حضرت سوار بن ہمام عبدی، اور حضرت خلید بن منذر ساوی رضی اللہ عنہم کی قیادت میں بحرین کے راستے سے ایران میں فوجی مہمات روانہ کیں اور خود اس فوج کے امیر بنے، مقام اصطخر میں ایرانی فوجوں سے پہلی مڈبھیڑ ہوئی جس میں ایرانی فوجوں نے اسلامی فوج کو اپنے محاصرہ میں لے لیا اور مسلمانوں کو بہت

زیادہ جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا، جب حضرت عمرؓ کو اس سانحہ کی خبر ملی تو آپ نے ان کی مدد کیلئے بصرہ سے تازہ دم فوج روانہ کرائی اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی، یہ پہلا موقع تھا جبکہ اسلامی فوج بھاری تعداد میں بحری راستے سے ایران میں داخل ہوئی اور اسے نقصان اٹھانا پڑا، حالانکہ اس سے پہلے قادسیہ اور سوق اہواز وغیرہ میں مسلمانوں کو کھلی ہوئی کامیابی ہوئی تھی، اس حادثے کے بعد ایران پر باقاعدہ سرکاری سطح پر بحری حملے کے بارے میں غور کیا گیا۔ اس سے پہلے حضرت عمرؓ اس کے حق میں نہیں تھے اور اسلامی فوج کا ان حالات سے دوچار ہونا پسند نہیں کرتے تھے، جن کا سامنا حضرت علاء اور ان کی بحری فوج کو اصطخر میں کرنا پڑا، مگر اب اس پر غور ہوا اور بعض حالات کی بناء پر ۲۳ھ میں بیک وقت ایران کے سات مقامات پر بحری فوج کشی کی گئی جن میں مکران بھی شامل تھا۔

مگر اس درمیان میں بعض ایسے واقعات پیش آئے جن کی وجہ سے مسلمانوں کو ہندوستان سے خصوصی دلچسپی پیدا ہوگئی اور ان کے فاتحانہ عزائم اس کی سمت اڑنے کیلئے پر تولنے لگے، بلکہ یہاں کے کئی مقامات پر انہوں نے حملہ بھی کردیا، خلافت فاروقی کے دوسرے سال ۱۴ھ میں مسلمانوں نے عراق کے ایرانی مرکز ابلہ کو فتح کرکے اسی کے قریب بصرہ کے نام سے اپنی فوجی چھاؤنی قائم کی، اور بلاد فارس کے سامنے اپنی حربی طاقت کا مستحکم قلعہ تیار کرلیا جو اس سے قبل چین، فارس اور ہندوستان کے تجارتی جہازوں کی بہت بڑی بندرگاہ تھا اور ان ممالک کے لوگ اور سامان تجارت یہاں آتے جاتے تھے، اسی لئے اللہ کو ارض الہند اور فرج ارض الہند کے نام سے یاد کرتے تھے، چنانچہ اسی کے بعد حضرت عمرؓ نے سندھ کے قدیم فوجی اور مرکزی شہر قندابیل کے بارے میں معلومات حاصل کرکے یہاں پر فوج کشی کے امکانات پر غور فرمایا مگر یہاں کے نامناسب حالات کی بناء پر اس طرف فی الحال توجہ نہیں کی۔ [۶۶]

نیز اسی دوران میں ہندوستان اور ہندوستانیوں کے بارے میں مسلمانوں کے سوچنے اور سمجھنے کے لئے ایک نئی راہ کھل گئی ۱۶ھ میں ایران کے شہر سوس کے محاصرہ کے وقت ایرانی فوج کے بہت سے اسوار یعنی شہ سوار سیاہ اسواری کی قیادت میں مسلمان ہوکر عجم کی اسلامی فوج کے ساتھ مل گئے اس کے بعد عراق اور دوسرے علاقوں کے ہندوستانی جاٹ اور سیابجہ بھی اجتماعی طور سے برضاء ورغبت حلقہ بگوش اسلام ہوگئے اور اساورہ کی طرف انہوں نے بھی اسلامی فوج میں شامل ہوکر اپنی بہترین خدمات پیش کیں، اور کہنا چاہئے کہ عہد صدیقی میں جاٹوں اور سیابجہ کے غلط اقدام کی وجہ سے عرب کے

۶۶۔ فتوح البلدان ص ۳۶۶ و ص ۳۶۸۔

۶۷۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۲۰۔

ہندوستانیوں کی حیثیت کو جو زد پہنچی تھی عہد فاروقی میں انہوں نے مسلمان ہو کر اس کا تدارک کر دیا، ان لوگوں کے مسلمان ہونے اور اپنے کو فوجی خدمت کے لئے پیش کرنے کی وجہ سے یقیناً مسلمانوں کو ہندوستان میں جہاد کے لئے مزید امکانات نظر آئے ہوں گے، اور ان نومسلم ہندوستانی مجاہدین نے بھی ان میں زور پیدا کیا ہوگا۔[67]

ایران کے ہندوستانیوں پر فتح و غلبہ

ہندوستان کے جاٹ بڑے جنگ جو اور جنگ باز تھے اور ایران کے مختلف علاقوں میں ان کی بڑی بڑی بستیاں تھیں۔ یہ لوگ ایرانی فوج میں بھی تھے، ایران کے بعض علاقے جاٹوں کی کثرت اور قدیم آبادی کی وجہ سے ان کے نام پر مشہور تھے، ابن خرداذبہ نے لکھا ہے کہ فارس میں تومتہ الزط اور خابران و دنام کا ایک علاقہ تھا اور اس کے دو حلقے دو دریاؤں کے کنارے پر واقع تھے، یہ مقام اہواز سے سترہ فرسخ دوری پر تھا۔[68]

۱۷ھ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری نے اہواز میں جہاد کیا تو یہاں کے جاٹوں سے سخت جنگ ہوئی، شویس عدوی کا بیان ہے کہ ۱۷ھ میں ابوموسیٰ اشعری نے اہواز میں جنگ کی اور جب ہم لوگ وہاں پہنچے تو وہاں کے اساورہ اور جاٹوں (زط) نے ہم سے مقابلہ کیا اور ہم نے ان سے سخت جنگ کے بعد فتح پائی اور بہت سے اساورہ اور جاٹ کو گرفتار کر کے اسلامی لشکر میں تقسیم کیا[69] حضرت ابوموسیٰ کے ہاتھ پر ایرانی اساورہ اور ہندوستانی سیابجہ اور جاٹوں کے مسلمانوں ہو جانے کے بعد ایران کے ان جاٹوں کی شکست اور غلامی یقیناً مسلمانوں کے ارادوں میں طاقت کا باعث بنی ہوگی۔ نیز ۱۷ھ میں ایک اور اہم واقعہ ظاہر ہوا جس کی وجہ سے مسلمانوں کی نظر خاص طور سے ہندوستان کی طرف اٹھنے لگی، اور انہوں نے یہاں پر جہاد کا ارادہ کیا، صورت یہ ہوئی کہ ۱۷ھ میں جب حضرت علاء بن حضرمی نے اصطخر پر حملہ کیا اور اسلامی فوج ایرانیوں کے نرغے میں گھر گئی، اور حضرت عمرؓ نے بصرہ سے بھاری تعداد میں فوج بھیج کر نہ صرف اسلامی فوج کو بچایا بلکہ اسلامی فوج نے ایرانی فوج کے افسر ہرمزان کو بھی اپنی زد میں لے کر زخمی کر دیا، اس واقعہ سے ایرانیوں میں مسلمانوں کے خلاف شدید جوش و خروش پیدا ہو گیا اور انہوں نے شمال میں باب الابواب سے لے کر جنوب میں سندھ تک کے تمام بادشاہوں اور راجوں کو اپنی مدد کیلئے پکارا اور ان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے باب الابواب، خراسان، حلوان اور سندھ وغیرہ

۶۸۔ المسالک والممالک ص ۴۳ و ص ۴۴۔ ۶۹۔ فتوح البلدان ص ۳۷۰۔

کے تمام حکمران اور ان کے نمایندے جنگی آدمیوں اور سامان کے ساتھ جنگ نہاوند (۲۱ھ) میں پہنچے اور اسلامی فوج سے مقابلہ کیا، ؎ جس کے نتیجے میں مسلمانوں نے بھی اسی سال بحری مہمات کی روانگی اور بیک وقت فارس کے سات مرکزی مقامات پر فوج کشی کا انتظام کیا جس میں ہندوستان کے ان راجوں مہاراجوں کے خلاف تادیبی کارروائی بھی شامل تھی جنہوں نے ان کے مقابلے میں ان کے دشمنوں کا ساتھ دیا تھا اور جنگ نہاوند میں ایرانیوں کی طرف سے حصہ لیا تھا ان تمام واقعات کی تفصیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

یہاں واقعات کے تسلسل کے خیال سے مختصر طور پر ان کا بیان کر دیا گیا ہے۔

بہر حال ہندوستان کے تین مرکزی مقامات میں عہد فاروقی میں سرکاری جہاد سے پہلے جہاد کی یہ روایات ہیں جنہیں بلاذری، یعقوبی، ابن حزم، حموی اور علی بن حامد اوچی نے اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے، جن میں بلاذری نے تین مقامات کے ناموں کی تصریح کی ہے اور علامہ ابن حزم نے اجمالی طور سے ''وثلاثۃ من بلاد الہند'' لکھا ہے اور حموی اوچی نے صرف دیبل کا نام لیا ہے، غالباً ان شہروں کے باشندوں نے عہد صدیقی میں مرتدوں کا ساتھ دے کر مسلمانوں سے دشمنی یا ان کی بددلی مول لی تھی، اور ان ہی علاقوں کے راجوں نے عہد فاروقی میں ایرانیوں کا ساتھ دے کر نہاوند کی جنگ میں مسلمانوں سے مقابلہ کیا تھا، ان تین غزوات و فتوحات کے زمانے کی صحیح تعین مشکل ہے، بلاذری اور اوچی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ۱۵ھ یا اس کے معاً بعد کا ہے، ہم نے اپنی کتاب ''عرب و ہند عہد رسالت میں'' اور ''ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں'' میں اسی کو مانا تھا، بعد میں ''اسلامی ہند کی عظمت رفتہ'' میں ۱۵ھ اور ۲۱ھ کے درمیان مانا اور قرین قیاس و تحقیق یہی ہے کیونکہ یہ واقعہ فتح توج کے بعد کا ہے اور خلیفہ بن خیاط کی تصریح کے مطابق ۲۱ھ میں توج آباد کیا گیا اور وہیں سے سواحل پر فوجی مہمات کا سلسلہ جاری ہوا خلیفہ نے لکھا ہے۔

وفیھا نزل عثمان بن ابی العاصی توج و مصرھا و بعث سوار بن ھبار (ھمام) العبدی الی سابور، فقتل فی عقبۃ الطین، و اغار عثمان علی سیف البحر والسواحل ؎

۱۹ھ میں عثمان بن ابو العاصی رضی اللہ عنہ نے توج آ کر اسے آباد کیا اور سوار بن ہمام

وفيها نزل عثمان بن ابى العاصى توج و مصرها و بعث سوار بن هبار (همام) العبدى الى سابزر، فقتل فى عقبة الطين، و اغار عثمان على سيف البحر و السواحل۔[71]

۱۹ھ میں عثمان بن ابوالعاصیؓ نے توج آ کر اسے آباد کیا اور سوار بن ہمام عبدی کو سابور کی مہم پر بھیجا جہاں وہ عقبہ الطین نامی مقام میں شہید ہو گئے اور عثمانؓ نے سمندر کے ساحلی مقامات پر یلغار کی۔

نیز اسی سال حضرت عثمان بن ابوالعاصیؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اصطخر پر فوج کشی کی اور جب محاصرہ طول پکڑ گیا تو دونوں حضرات کے مشورے سے اسلامی فوج نے اطراف و جوانب کے علاقوں پر یلغار کر کے اپنے لئے سامان رسد مہیا کیا، بہت ممکن ہے کہ حضرت عثمانؓ نے توج کے مرکز سے سواحل میں جو مہمات روانہ کی تھیں، ان ہی میں ہندوستان کے یہ مقامات شامل رہے ہوں، یا پھر اصطخر کے محاصرے کے دوران اسلامی فوج کے دستوں نے یہاں بھی حملے کئے ہوں۔

موجودہ زمانہ کے بعض عرب فضلاء نے تھانہ کی فتح کا تذکرہ کر کے لکھا ہے کہ بنوعبدالقیس نے سواحل ہند پر پے در پے حملے کئے اور جزیرہ سیلان کو فتح کیا جسے بلاد یاقوت بھی کہتے ہیں۔ یہ تصریح قدماء کی تصریحات کے خلاف ہے اور جب تک اس پر دلائل و شواہد نہ ہوں صحت میں تامل رہے گا، چونکہ توج کی فوج میں بحرین و عمان کے بنوعبدالقیس، بنوتمیم، بنوازد اور بنوناجیہ وغیرہ شامل تھے اور اسی فوج کے سپاہیوں نے ہندوستان کے سواحل پر فتوحات حاصل کی تھیں اس لئے اس ملک میں سب سے پہلے ان ہی قبائل کے مجاہدین کے قدم آئے، اور قبیلہ ثقیف کے آل ابوالعاصی میں سے تین بھائی عثمانؓ، حکمؓ اور مغیرہؓ ان کے امیر تھے، ان تینوں امرائے لشکر کے علاوہ اور کسی کا نام معلوم نہیں، ان تینوں غزوات و فتوحات کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں ملتی ہے اور ہر کتاب میں اجمالی طور سے ان کا ذکر ہے، البتہ

۷۰۔ علامہ شبلی نعمانی نے الفاروق میں فتح مکران کے سلسلے میں لکھا ہے "چنانچہ فتوحات فاروقی کی اخیر حد یہی مکران ہے، لیکن یہ طبری کا بیان ہے، مورخ بلاذری کی روایت ہے کہ دیبل کے نشیبی حصہ اور تھانہ تک فوجیں آئیں، اگر یہ صحیح ہے تو حضرت عمرؓ کے عہد میں اسلام کا قدم سندھ و ہند میں بھی آ چکا تھا" چونکہ علامہ شبلی کو تینوں غزوات و فتوحات پر صرف مورخ بلاذری کا بیان مل سکا، اس لئے اسے بھی درج کر کے احتمالی نتیجہ ظاہر کیا اگر ان کے سامنے بلاذری کے علاوہ یعقوبی، ابن حزم، اور یاقوت حموی کی تصریحات ہوتیں تو انداز بیان دوسرا ہوتا۔

۷۱۔ تاریخ خلیفہ بن خیاط ج ۱ ص ۱۴۵ و ص ۱۴۶۔

اوچی کے بیان میں دیبل کی جنگ میں مقامی حاکم سے جنگ کا تذکرہ ہے، تھانہ بمبئی سے متصل موجودہ مہاراشتر کا آخری شمالی شہر ہے جو سمندر کی ایک خور (کھاڑی) واقع ہے، بھڑوچ وسط گجرات کا قدیم مرکزی شہر ہے اور دریائے نربدا کے کنارے پر واقع ہے، دیبل صوبہ سندھ میں کراچی سے کچھ دور ساحلی شہر تھا اور موجودہ زمانہ میں اس کے آثار نکلے ہیں، ان غزوات کے دو مرکز تھے پہلا مرکز بحرین تھا اور یہیں کے امیر نے مقامی عرب قبائل کی فوج تیار کی تھی، یہ موجودہ بحرین نہیں ہے بلکہ یہ سعودی حکومت کا منطقہ شرقیہ ہے جس میں احساء اور قصیم وغیرہ واقع ہیں، اسی مقام سے شہر توج فتح کر کے اسے مشرق میں فوجی مہمات کا مرکز بنایا گیا۔ حضرت عثمان بن ابوالعاص گرمی کے ایام میں جہاد کرتے تھے اور جاڑے کے ایام توج میں گزارتے تھے، ان کے اس اصول کے مطابق ہندوستان کی یہ فتوحات گرمی کے زمانہ میں ہوئی تھیں،[۲۷] یہ تینوں فتوحات نہ باقاعدہ جنگ کا نتیجہ تھیں اور نہ ہی ان کا مقصد فی الحال ہندوستان پر قبضہ کرنا تھا بلکہ یہ ایرانیوں سے جنگ کے ضمن میں موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تنبیہی اقدام تھا، اور اسکا مقصد ہندوستانیوں کو ایرانیوں کی امداد کے بارے میں نئے انداز میں سوچنے کی تنبیہ تھی، اس لئے ان غزوات کی حیثیت وقتی چھیڑ چھاڑ سے زیادہ نہ تھی، یہی وجہ ہے کہ ان اقدامات کے بعد نہ یہاں کے کسی مقام پر قبضہ ہوا نہ صلح و مصالحت کی باری آئی اور نہ ہی کسی قسم کا معاہدہ ہوا بلکہ ان کی مثال اس سیلاب کی تھی جو آیا اور چلا گیا، مگر اپنے پیچھے اپنے اثرات نفع و نقصان کی صورت میں چھوڑتا گیا، ان غزوات میں مسلمانوں کو کچھ وقتی فوائد و غنائم حاصل ہو گئے اور اہل ہند کو مسلمانوں کے بارے میں نئے نقطہ نظر سے غور و فکر کرنے اور اپنی روش بدلنے کا موقع مل گیا۔ مسلمانوں کے حق میں ان غزوات کا سب سے بڑا فائدہ یہ ظاہر ہوا کہ ہندوستان کی حربی طاقت و حیثیت اور یہاں کے حالات کے سلسلے میں اسلامی لشکر اور اس کے امیر کو معلومات حاصل ہو گئیں، جن کے لئے خلافت کی طرف سے کوشش ہو رہی تھی، چنانچہ اسی کے بعد ہندوستان میں باقاعدہ فوجی مہم کی روانگی ہوئی اور ۲۳ھ میں ایران کے سات مرکزی مقامات میں بحری مہمات روانہ کرنے کے سلسلے میں مکران میں بھی مجاہدین اسلام اپنے عزم و حوصلہ اور ساز و سامان کے ساتھ داخل ہو گئے، اس لئے ہم ان تینوں غزوات کو آزمائشی اور معلوماتی اقدام قرار دیتے ہیں۔ ہندوستانی کی سرزمین پر ایمان کی ان ہی پہلی کرنوں کے بعد آفتاب اسلام کی ضیاباری پوری آب و تاب کے ساتھ ہوئی اگر یہاں آکر براہ راست قسمت آزمائی نہ کی گئی ہوتی اور یہاں کے نامساعد حالات کے سننے ہی پر اکتفا کیا گیا ہوتا تو شاید کچھ دنوں اور انتظار کرنا پڑتا

۲۷۔ فتوح البلدان ص ۳۸۰۔

امکانات پر غور کرنا تھا، ان دنوں حضرتِ عثمان بن ابوالعاصؓ امیر بحرین اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ امیر بصرہ کی امارت و قیادت میں اسلامی لشکر ایران میں مصروف فتوحات تھا۔ حضرت ابوموسیٰ حضرت عثمان کے معاون کی حیثیت سے ان میں شریک ہوتے اور پھر بصرہ واپس آ جایا کرتے تھے، ان دنوں عثمان بن ابوالعاصؓ نے قلعہ شبیر، قلعہ ستوج، جرہ، گازرون، نوبند جان، شیراز، سینیز، قلعہ بامان، دراجرد، جرم، وغیرہ سابور اور اردشیر خرہ کے مقامات کو فتح کیا، پھر ۲۳ھ یا ۲۴ھ میں شہر سابور کو شرائط صلح پر فتح کیا[۳] غالباً حضرت عثمان بن ابوالعاصی نے ان ہی ایام میں اپنے بھائی حکم بن ابوالعاصی کی امارت میں ایک مہم مکران کی سمت روانہ کی، جہاں ان کو شاندار فتوحات حاصل ہوئیں، اس کا تذکرہ ہماری تحقیق میں بعد کے دو نہایت ثقہ مورخین اسلام نے کیا ہے، قدماء کی کتابوں میں اس کی تصریح نہیں ملتی، امام ذہبیؒ نے تاریخ الاسلام وطبقات المشاہیر الاعلام میں ۲۳ھ کے واقعات و حوادث میں تصریح کی ہے کہ:

> وفيها فتحت مكران، و اميرها الحكم اخو عثمان، و هي بلاد جبل[۴]
>
> ۲۳ھ میں مکران فتح ہوا، اس غزوہ کے امیر عثمانؓ کے بھائی حکم تھے، یہ پہاڑی علاقہ ہے۔

پھر امام ذہبیؒ کے حوالے سے امام ابن کثیرؒ نے اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ:

> وقال شيخنا ابو عبدالله الذهبي في تاريخه في سنة ثلاث و عشرين و فيها فتحت مكران و اميرها الحكم بن ابي العاصي اخو عثمان[۵]
>
> ہمارے استاذ امام ذہبی نے اپنی تاریخ میں ۲۳ھ کے بیان میں ذکر کیا ہے کہ اس سال مکران فتح کیا گیا اس جہاد کے امیر عثمانؓ کے بھائی حکیم بن ابوالعاصی تھے۔

ان دونوں تصریحات کی رو سے مکران کی فتح فارس و کرمان کے بلاد و امصار کی فتوحات کے ضمن میں تھی جو عثمان بن ابوالعاصیؓ کی امارت و قیادت میں ۲۳ھ میں جاری تھیں، اور عثمان نے اپنے بھائی حکم کو براہ کرمان مکران کی طرف روانہ کیا تھا اس وقت تک وہ بحری مہمات بصرہ سے روانہ نہیں ہوئی تھیں

---

[۴] تاریخ الاسلام ج ۲ ص ۴۸، اصل عبارت میں ”حکم بن عثمان“ غلط چھپ گیا ہے۔

جن کی تیاری ۱۷ھ سے جاری تھی اور بیک وقت فارس کے سات مرکزوں پر حملہ کردینے کا انتظام ہورہا تھا بلکہ اس واقعہ کے کچھ دنوں کے بعد ان کی باری آئی اور مکران پر بھی باقاعدہ سرکاری طور پر فوج کشی ہوئی اور اس کے بعد سے اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کا یوں باقاعدہ عمل دخل شروع ہوا کہ اس کے علاقے خلافت کے ماتحت آئے۔

مکران کی دوسری فتح ۲۳ھ

جیسا کہ معلوم ہوا ۱۷ھ میں حضرت علاء بن حضرمیؓ نے خلافت کی مرضی و اجازت حاصل کئے بغیر بحرین سے ایک بھاری جمعیت لے کر فارس کے اہم ترین مرکز اصطخر پر حملہ کیا جس میں ایرانیوں نے اسلامی فوج کا محاصرہ کر کے بہت زیادہ نقصان پہنچایا بعد میں جب حضرت عمرؓ کو اس حادثہ کی خبر لگی تو آپ نے بصرہ سے تازہ دم مدد روانہ کر کے اسلامی فوج کو دشمن کے نرغہ سے نکالا اور ایرانیوں کے بھاری نقصان کے بعد اسلامی فوج مظفر و منصور واپس آئی، اس واقعہ سے حضرت عمرؓ بہت زیادہ متاثر ہوئے، ان کے سامنے ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پیشرو خلیفہ کا اسوہ تھا کہ ان حضرات نے اسلامی غزوات و فتوحات میں بحری مہم سے کام نہیں لیا تھا، دوسری طرف مجاہدین اسلام کے بڑھتے ہوئے حوصلے اور عجمیوں کی شدید مقاومت تھی، جس سے اسلامی فوج کو سخت نقصان پہنچ رہا تھا بالآخر حضرت عمرؓ نے بحری مہمات کے بارے میں مشورہ کیا، حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ ایرانیوں پر بحری راستوں سے بیک وقت متعدد حملے کرنے چاہئیں تاکہ وہ کسی ایک مقام پر اپنی طاقت جمع نہ کرسکیں اور اسلامی فوج ان کی منتشر طاقت کے مقابلہ کامیاب ہو، حضرت عمرؓ نے اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے بصرہ اور کوفہ کی فوجوں پر امراء مقرر کئے اور ۱۷ھ میں اجازت دیدی کہ ایک ہی وقت میں فارس کے مختلف مقامات پر فوج کشی کی جائے اور بصرہ کی اسلامی فوج سے ہر علاقہ کے لئے الگ الگ امیر اور اس کا جھنڈا بنایا اور حضرت سہل بن عدی کو امیر الامراء مقرر کر کے سات مقامات کی فوج کشی کیلئے سات امیر اور سات جھنڈے یوں متعین کئے (۱) لواء خراسان احنف بن قیسؓ کو (۲) لواء اردشیر خرہ اور سابور مجاشع بن مسعود سلمیؓ کو (۳) لواء اصطخر عثمان بن ابو العاصی ثقفیؓ کو (۴) لواء فسا و دار الجبرد سار یہ ابن زنیم کنانیؓ کو (۵) لواء کرمان سہل بن عدیؓ کو (۶) لواء سجستان عاصم بن عمروؓ کو اور (۷) لواء مکران حکم بن عمرو تغلبیؓ کو، اور یہ ساتوں مہمات اپنے اپنے امیر اور لواء کے ساتھ ۱۷ھ ہی میں

۴۷۔ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۴۱۔

مقررہ علاقوں میں روانگی کیلئے تیار ہوئیں، مگر قحط عام الرماد وغیرہ کی وجہ سے ۱۸ھ تک ان کی روانگی نہ ہو سکی، اس درمیان میں حضرت عمرؓ نے کوفہ کی فوج سے ان مہمات کیلئے مزید سپاہی دیئے اور ان کو حکم دیا کہ بصرہ کی ساتوں فوجوں میں شامل ہو جائیں، چنانچہ سہل بن عدیؓ کے ساتھ عبداللہ بن عبداللہ بن عتبانؓ کو، احنف بن قیس کے ساتھ علقمہ بن نضرؓ، عبداللہ بن ابو عقیلؓ ربعی بن عامرؓ اور ابن ام غزالؓ کو عاصم بن عمروؓ کے ساتھ، عبداللہ بن عمیر اشجعی کو اور حکم بن عمرو کے ساتھ شہاب بن مخارق مازنیؓ کو شامل کیا اور یہ تمام حضرات کوفہ سے اپنی اپنی فوج لے کر بصرہ کے لواء بردار امرائے فوج کی مدد کو نکلے تا کہ ایک وقت میں فارس کے ساتھ مرکزی مقامات (بشمولیت مکران) پر حملہ بول دیا جائے اور ایرانی فوجیں کسی خاص مقام پر جم کر مقابلہ نہ کر سکیں، بالآخر خلافت فاروقی کے دسویں اور آخری سال ۲۳ھ میں اس کی باری آئی اور خراسان، اردشیر خرہ، سابور، فسا درابجرد، کرمان، سجستان اور مکران پر منظم طور پر فوج کشی کی گئی، مگر اب بھی قندابیل اور سندھ کے دوسرے علاقوں کا رخ نہیں کیا گیا، بلکہ سجستان کی جنوبی سرحد مکران پر جو کہ سندھ کے شمال میں واقع تھا حملہ ہوا اس جنگ میں سندھ کے راجہ نے مکرانیوں کی طرف سے مسلمانوں کا پورا پورا مقابلہ کر کے مکران کی جنگ کو سندھ کی بھی جنگ بنا دیا، مکران پر حملہ کی اہمیت و شدت کا احساس تھا اور متعدد بار کی معمولی جنگوں اور مخبروں کی اطلاعات کی وجہ سے مسلمانوں نے تیاری بھی خوب کی، اور جب حضرت حکم بن عمرو تغلبی بصرہ کی فوج لے کر روانہ ہوئے تو ان کی مدد کو کوفہ کے فوجی دستے بھی شہاب بن مخارق مازنی اور عبداللہ بن عبداللہ عتبان کی قیادت میں آگئے، نیز کرمان کی جنگ کے امیر حضرت سہل بن عدی اپنی فوج کے ساتھ آپہنچے، اس طرح چار امراء اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ مکران پر حملہ آور ہوئے ادھر مکرانی بھی اس صورت حال سے اچھی طرح واقف تھے، ایرانیوں کی پے درپے شکست اور مسلمانوں کی فتوحات کی خبروں سے ان کو معلوم تھا کہ مکران پر فوج کشی بہت شدید قسم کی ہوگی، اس لئے انہوں نے بھی اطراف و جوانب سے پوری طاقت جمع کر لی تھی، اور سندھ کے راجہ راسل نے تو اس جنگ کو گویا اپنی جنگ سمجھا اور پورے لاؤ لشکر کے ساتھ مکران میں آکر مقابلہ کی تیاری کی، درحقیقت ہندوستان والوں سے مسلمانوں کی یہی پہلی باقاعدہ اور سرکاری جنگ تھی اس لئے دونوں طرف پوری تیاری ہوئی اور پہلی تمام تمہیدی جنگوں اور خبروں کا نتیجہ اب کے باہر ظاہر ہوا۔

طبری کا بیان ہے کہ ۲۳ھ میں طے شدہ تجویز کے ماتحت حکم بن عمرو تغلبی نے بصرہ سے اپنی فوج

۷۵۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۱ و ص ۱۸۳، و کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۸ و تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۱۱۳۔

لے کر مکران کا رخ کیا اور ان کے مکران پہنچنے پر حضرت عمرؓ کے حکم سے شہاب بن مخارق مازنی کوفہ سے اپنی فوج لے کر ان کے ساتھ شامل ہو گئے، ادھر سہل بن عدی کرمان کی فتح سے فارغ ہو گئے تھے لہٰذا وہ اپنی فوج کے ساتھ اور ان کے مددگار عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان اپنی کوفی فوج کے ساتھ مکران آ کر حکم بن عمرو تغلبیؓ سے مل گئے اور یہ تمام امراء دریائے سندھ کے اس پار تھوڑی دور پر فروکش ہوئے، کیونکہ اسلامی فوج کی آمد کی خبر سن کر مکرانیوں کی فوج پہلے ہی دریائے سندھ کی طرف روانہ ہو چکی تھی، اس درمیان میں سندھ کا راجہ راسل بھی سندھیوں اور مکرانیوں کی فوج کو اپنی کمان میں لے کر مسلمانوں کے مقابلے میں ڈٹ گیا، جب مسلمانوں نے دیکھا کہ راجہ راسل سندھی اور مکرانی فوج لے کر آگے بڑھ رہا ہے تو وہ بھی آگے بڑھے، راجہ راسل نے جنگی تدبیر سے اپنی فوج کو دریائے سندھ سے چند دن کی دوری پر رکھا تھا تاکہ مسلمانوں کی پیش قدمی رک جائے اور اگر وہ آگے بڑھیں تو سندھی فوجیں انہیں روک سکیں اور سندھیوں اور مکرانیوں کی مزید فوجیں آ کر اس کی فوج میں مل جائیں، جب وہ اپنے منصوبہ کے مطابق پوری طاقت سے آگے بڑھا تو مسلمانوں نے بھی بڑھ کر مقابلہ کیا اور دونوں طرف گھمسان کی جنگ ہوئی، سندھیوں اور مکرانیوں کی فوجوں نے راجہ راسل کے زیر کمان اپنے جوہر دکھائے، اسلامی فوج نے بھی اپنے چاروں امراء کی قیادت میں شجاعت و مردانگی کی داد دی، اس جنگ کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے راجہ راسل اور اس کی تمام فوج کو شکست دی اور اسلامی فوج مظفر و منصور ہوئی، دشمن کے بہت سے مال و اسباب اور اسلحہ مسلمانوں کے ہاتھ آئے، راجہ کی فوج بڑی تعداد میں میدان جنگ میں کام آئی، اس کے بعد کئی دن تک مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور جب وہ بہت دور نکل گئے تو مسلمانوں نے مکران واپس آ کر وہیں قیام کیا، یہ پہلا دن تھا جب کہ پورا علاقہ مکران اسلام اور مسلمانوں کے زیر تصرف آ گیا اور خلافت راشدہ کا قانونی حصہ بن گیا۔

اس جنگ میں راجہ راسل اور مکرانیوں نے خاص طور سے جنگی ہاتھیوں سے کام لیا کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ عرب میں ہاتھی نہیں ہوتے، عربی گھوڑے ان کو دیکھ کر بدک جاتے ہیں اور میدان میں ہاتھیوں کے سامنے نہیں ٹکتے، مگر اسلامی فوجوں نے ایرانیوں کی لڑائیوں میں جنگی ہاتھیوں سے مقابلہ کی ترکیب معلوم کر لی تھی، اس لئے مکرانیوں کی یہ ترکیب بھی کامیاب نہیں ہوئی اور ان کے بہت سے ہاتھی مال غنیمت میں ہاتھ آئے۔

حضرت حکم بن عمروؓ نے حضرت عمرؓ کے پاس اس فتح کی تحریری بشارت اور مال غنیمت کا پانچواں حصہ حضرت صحار عبدی کے ذریعے مدینہ منورہ روانہ کیا۔ نیز حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ مکران کی فتح میں جو ہاتھی ہاتھ لگے ہیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ صحار عبدی کے پہنچتے ہی حضرت عمر نے سب سے پہلے اپنی عادت کے مطابق مکران کے حالات دریافت کئے اور انہوں نے وہی جواب دیا جسے حضرت عمرؓ اس سے پہلے قندابیل کے بارے میں سن چکے تھے، یعنی حضرت صحار نے بتایا کہ ''اے امیر المومنین مکران ایسی سرزمین ہے کہ اس کی مٹی پہاڑ ہے، پانی ردی ہے، پھل خراب ہے، دشمن بہادر ہے، اچھائی کم ہے، برائی زیادہ ہے، زیادہ فوج وہاں کیلئے کم ہے اور کم فوج وہاں ضائع ہے، اور اس کے بعد کا علاقہ اور بھی برا ہے۔''

حضرت عمرؓ نے ان مقفّٰی و مسجع الفاظ کو سن کر صحار عبدی سے فرمایا کہ تم شاعری کر رہے ہو یا مکران کے بارے میں خبر دے رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں شاعری نہیں کر رہا ہوں بلکہ خبر دے رہا ہوں، اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ جب تک میری اطاعت کی جائے گی میری فوج کا کوئی سپاہی وہاں جہاد نہیں کرے گا، نیز حضرت عمرؓ نے مکران کے امیر لشکر حکم بن عمرو اور ساتھ ہی سہل بن عدی کو خط لکھا کہ تم دونوں کی فوجیں مکران کے آگے ہندوستان کی طرف نہ بڑھیں بلکہ تم دریائے سندھ کے اسی پار ٹھہر جاؤ، اور مال غنیمت کے ہاتھیوں کے بارے میں حکم دیا کہ ان کو مسلمانوں کے ملک میں فروخت کر کے ان کی قیمت مجاہدین میں بقدر حصہ تقسیم کر دی جائے۔ مکران میں اس پہلی جنگ میں کامیابی پر اسلامی فوج میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور اس کے امیر حکم بن عمرو نے اپنے فاتحانہ حوصلے اور مجاہدانہ جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے یہ اشعار کہے:

لقد شبع الارامل غیر فخر
بفیء جاء من مکران

یہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے کہ مکران سے آئے ہوئے مال غنیمت اور فیٔ سے بیوائیں شکم سیر ہوئیں۔

اتاھم بعد مسغبة و جھد
و قد صفر الشتاء من الدخان

یہ مال غنیمت ایسے حال میں آیا کہ سخت بھوک اور تکلیف تھی، اور گھروں میں

۷۶۔ احسن التقاسیم ص ۴۸۳۔

آ گ نہ جلنے کی وجہ سے موسم سرما دھوئیں سے خالی تھا۔

فانی لا یذم الجیش فعلی
ولا سیفی یذم و لا سنانی

اس لئے میرے اس کارنامہ کو نہ میری فوج برا مانتی ہے، اور نہ ہی میری تلوار اور نیزہ اس کی برائی کرتا ہے۔

غداۃ ادفع الاوباش دفعاً
الی السند العریضۃ والمدانی

وہ صبح یاد رہے گی جب کہ میں فوجی دستوں کو سندھ کے دور اور نزدیک علاقوں میں آگے لئے جارہا تھا

و مھران لنا فی ما اردنا
مطیع غیر مسترخی العنان

اور دریائے سندھ ہمارے مقصد کی کامیابی کیلئے پوری مستعدی کے ساتھ ہمارا مطیع و فرمان بردار رہا

فلو لا ما نھی عنہ امیری
قطعناہ الی البدذ الزوانی

اگر امیر المومنین عمرؓ آگے بڑھنے سے نہ روکے ہوتے تو ہم اپنی فوج کو زناکار عورتوں کے بت خانے تک پہنچا دیتے۔ [۷۶]

اس قصیدہ کے آخری شعر میں جس بت خانے کا ذکر ہے اس سے مراد غالباً سندھ میں بھیروا کا بت خانہ ہے جس پر زناکار عورتوں کی آمدنی وقف تھی اور اس کے پجاریوں اور سادھوؤں کی معیشت کا دارومدار اسی آمدنی پر تھا، مقدسی بشاریؒ نے لکھا ہے کہ بھیروا کے بت خانے کے خدام زانیہ عورتوں کی آمدنی کھاتے پیتے ہیں اور اس کے لئے بڑے بڑے اوقاف ہیں، جو شخص اپنی لڑکی کو بہت ہی عزیز سمجھتا ہے اسے اس بت خانے پر وقف کر دیتا ہے، جو اپنے پیشہ کی آمدنی بت خانے کو ادا کرتی ہے اس لئے یہ بت خانہ بہت بڑے فتنہ کی جگہ ہے۔ [۷۷]

۷۷۔ تاریخ طبری ج ۴ص ۱۸۰ و کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۷۔

بلوچستان کی فتح ۲۳ھ

جیسا کہ معلوم ہوا فارس کی سات مہمات میں سے ایک مہم کرمان کے لئے روانہ ہوئی تھی جس کے امیر حضرت سہل بن عدی تھے، کرمان کا علاقہ عملاً ایران میں شامل تھا، مگر اس کے حدود کے کئی مقامات سندھ سے متعلق تھے، چنانچہ بلوچستان جسے عربی میں قفص اور قفس کہتے ہیں وہ بھی حدود کرمان سے ملا ہوا تھا اور کرمان کی فتوحات میں وہ بھی فتح ہوا، نیز اسی سلسلے میں سجستان سے متصل سندھ کے بعض علاقے فتح ہوئے، اس طرح کہنا چاہئے کہ فارس کی فتوحات کے سلسلے میں کئی فتوحات کا تعلق ہندوستان سے تھا اور یہ علاقہ خلافت فاروقی کے آخر میں عالم اسلام میں شامل ہو گئے، فتح بلوچستان کی تفصیل تاریخ طبری اور کامل ابن اثیر میں یوں درج ہے کہ ۲۳ھ میں سہل بن عدی نے بصرہ سے کرمان کا قصد کیا، اور عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان بھی کوفہ کی فوج کے ساتھ ان کی مدد کو آ گئے، ادھر اہل کرمان نے بھی مقابلہ کی پوری تیاری کی، اور بلوچستانیوں کو اپنے ساتھ ملا کر اپنے ملک کے قریبی علاقے میں مسلمانوں سے نبرد آزما ہوئے، حضرت سہل بن عدی نے نسیر بن ثور عجلی کو اپنی فوج کے مقدمہ جیش (ہراول دستہ) کا امیر مقرر کیا، اور دونوں جانب سے میدان کارزار گرم ہوا، اللہ تعالیٰ نے کرمانیوں اور بلوچستانیوں کو شکست دی، اور مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور نسیر بن ثور عجلی نے ان کے حاکم کو قتل کیا، اس کے بعد اسلامی فوجوں نے مقام جیرفت پر دو طرف سے دھاوا بول دیا، سہل بن عدی دیہاتوں کے راستے سے اور عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان مقام شیر کے ریگستانوں کی طرف سے حملہ آور ہوئے، اور کامیابی کے بعد مسلمانوں کو مال غنیمت میں بہت سے اونٹ اور بکریاں ہاتھ آئیں، ان جانوروں کی تقسیم کے وقت ان کی قیمت مقرر کرنے میں دقت پیش آئی، کیونکہ عربی اونٹوں کے مقابلے میں کرمان اور بلوچستان کے بختی اونٹ قد و قامت اور ڈیل ڈول میں بڑے تھے، مگر مسلمان بختی اونٹوں کو زیادہ حیثیت نہیں دینا چاہتے تھے، آخر اس معاملے میں دربارِ خلافت سے رجوع کیا گیا تو حضرت عمرؓ نے لکھا کہ عربی اونٹ کی قدر و قیمت اس کے گوشت کے اندازہ سے مانی جاتی ہے اور بختی اونٹ میں بھی یہی بات ہے، پھر بھی تم لوگوں کے نزدیک بختی اونٹ میں زیادتی ہے۔ ...... اسے مان لو یہ زیادتی بھی اس کی قدر و قیمت میں شامل ہے۔[۷۸] بلوچستان کی یہ پہلی فتح عہد فاروقی میں ہوئی جو کہ کرمان کی فتوحات کے ضمن میں تھی، اور اس کی دوسری اور مستقل فتح عہد عثمانی میں حضرت مجاشع بن مسعود سلمی کے ہاتھوں ہوئی۔

۷۸۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۰ و ص ۱۸۱، البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۳۲۔

بلوچستان مغربی پاکستان میں واقع ہے، اس کے وسطی پہاڑوں کو عربوں نے جبال قفص لکھا ہے جن کو آج کا ساراوان، اور جھالاوان کی پہاڑیاں کہتے ہیں، اور قفص یا قفس وہی قوم ہے جسے بلوص یا بلوچ یعنی بلوچ کہتے ہیں، اس وقت کرمان کے امیر سہل بن عدی ہندوستان کے علاقے بلوچستان کے بھی امیر تھے۔

بجستان سے متصل سندھی علاقوں کی فتح

۲۳ھ میں سندھ کے بعض ایسے علاقے بھی مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے جو بجستان کی حدود سے متصل تھے، اس طرح اس سال تین فتوحات ہندوستان میں ہوئیں ایک مکران کی مستقل فتح اور دوسری بلوچستان کی اور تیسری بجستان سے متصل سندھ کے بعض مقامات کی ضمنی فتوحات، طبری نے لکھا ہے کہ ۲۳ھ میں حضرت عاصم بن عمرو بصرہ کی فوج اور لواء کے ساتھ عازم بجستان ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عمیر بھی کوفہ کی فوج لے کر ان سے جا ملے، جب بجستان والوں نے اسلامی فوج کی آمد کی خبر سنی تو مقابلے کی پوری تیاری کی اور اپنے قریبی علاقے میں نکل کر مسلمانوں سے جنگ کی، مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے مقام زرنگ میں محاصرہ کر لیا، اور جیسے چاہا بجستان کو فتح کیا، بجستانیوں نے شکست کے بعد مسلمانوں سے زرنگ اور کچھ زیر تصرف علاقوں کے بارے میں صلح و مصالحت کا مطالبہ کیا، مسلمانوں نے ان کی گزارش منظور کرتے ہوئے چند شرائط پر صلح کر لی، ان کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ تمام صحراء اور میدان چراگاہ کے طور پر ہمارے زیر استعمال ہوں گے، اور مسلمان ان کو اپنی ملکیت قرار نہیں دیں گے اور نہ اپنے تصرف میں لائیں گے، اس شرط کے احترام میں مسلمانوں کا حال یہ تھا کہ جب وہ کہیں باہر آتے جاتے تھے تو ڈرتے تھے کہ ان چراگاہوں سے کسی قسم کا استفادہ نہ ہو جائے اور ہمارے سواری کے جانور وغیرہ ان میں چر نہ لیں ورنہ بدعہدی ہو جائے گی اور ہم نے اہل بجستان سے جو وعدہ کیا ہے اس میں فرق آ جائے گا، یہاں سے بجستان اپنے حدود کی وسعت کے اعتبار سے خراسان سے بھی بڑا علاقہ تھا، اس کے فتح ہو جانے کے بعد اسلامی فوجیں یہاں سے قندھار اور ترکستان تک جہاد کرتی تھیں، بجستان کا ملک سندھ سے لیکر دریائے بلخ تک پھیلا ہوا تھا، اور اس مرکز سے شمال میں بلخ اور اس کے آگے تک اور جنوب میں سندھ کے حدود تک غزوات و فتوحات کی سرگرمیاں جاری رہتی تھیں، ابن کثیر نے بھی لکھا ہے کہ بجستان کی سرحدیں نہایت لمبی چوڑی تھیں اور اس کے شہر سندھ اور دریائے بلخ کے

۷۹۔ تاریخ خلیفہ ج ۱ ص ۱۹۷، و فتوح البلدان ص ۴۲۱۔

درمیان دور دور تک پھیلے ہوئے تھے[79] الغرض ۲۳ھ میں مکران کے فتح ہو جانے کے بعد جنوب میں حدود سندھ تک میں اسلامی فتوحات ہوئی تھیں اس وقت بجستان کے امیر عاصم بن عمرو ان ہندوستانی علاقوں کے بھی امیر تھے، مکران اور سندھ کی یہ تمام فتوحات ۲۳ھ کے اس منظم حملے کے سلسلے میں تھیں جو فارس کے ساتھ مقامات پر ایک وقت میں کیا گیا، اسی سال ذوالحجہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوگئی جو درحقیقت ایرانیوں کی طرف سے ان فتوحات کے انتقام کا نتیجہ تھی اور ابولولؤ فیروز مجوسی ایرانی نے اپنے یہاں کی اسلامی فتوحات کا بدلہ آپ کے قتل کی صورت میں لیا تھا، ان فتوحات اور حضرت عمرؓ کی شہادت کے درمیان کتنی مدت تھی؟ اس کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکا البتہ اتنا یقینی ہے کہ یہ مدت ایک سال سے کم ہی تھی، ظاہر ہے کہ اتنی سی مختصر مدت میں ایران اور ہندوستان کے مقبوضہ علاقوں میں باقاعدہ امراء کی تقرری اور ملکی انتظامات کی بحالی کا موقع نہیں مل سکتا تھا، خاص طور سے کرمان بجستان، مکران اور ان سے ملحقہ علاقوں میں اس سلسلے میں شدید دشواریاں تھیں، آب و ہوا کی ناسازگاری اشیائے خورونوش کی نایابی اور مقامی باشندوں کی نافرمانی، یہ سب ایسی باتیں تھیں جن پر قابو پانے کے لئے کچھ مدت درکار تھی۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے ان مقبوضہ ممالک کے انتظامات میں بڑی حد تک کمی رہ گئی، اور یہاں کے عوام اور راجے مہاراجے سر اٹھانے لگے، حتی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت (محرم ۲۴ھ تا ذوالحجہ ۳۵ھ) کے ابتدائی ایام میں مکران اور بجستان وغیرہ میں بدعہدی اور سرکشی کی ہوا چل پڑی، تمام سابقہ عہدو پیمان ختم ہوگئے اور چار پانچ سال گزرتے گزرتے یہاں کے حالات میں یوں تبدیلی آگئی کہ خلافت کی طرف سے نئے سرے سے ان پر غور ہوا اور یہاں پر مستقل فوج کشی کی گئی۔

مکران کی تیسری فتح ۲۹ھ

حضرت عثمان نے ۲۹ھ میں عبداللہ بن عامر بن کریز کو عراق کا گورنر بنا کر ان کو لکھا کہ کسی آدمی کو ہندوستان روانہ کریں وہاں کے موجودہ حالات معلوم کرکے دربار خلافت کو خبر کرے تاکہ اس کی روشنی میں وہاں کے نئے حالات ورجحانات کو دیکھ کر آئندہ کوئی قدم اٹھایا جائے، چنانچہ حضرت حکیم بن جبلہ عبدی فوجی مبصر بن کر ہندوستان آئے اور واپسی پر یہاں کے حالات سے حضرت عثمان کو باخبر کیا، خلیفہ بن خیاط نے لکھا ہے کہ خود حضرت عثمان نے حکیم بن جبلہ عبدی کو منتخب کرکے ہندوستان روانہ کیا تھا،

۸۰۔ تاریخ طبری ج ۳ ص ۳۶۰، کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۳۸۔

جس وقت حکیم ہندوستان سے حضرت عثمان کی خدمت میں پہنچے آپ نے بیتابی سے یہاں کے بارے میں سوال فرمایا تو انہوں نے تقریباً وہی الفاظ دہرا دیئے جو حضرت عمرؓ کے زمانے میں یہاں کے متعلق کہے گئے تھے، یعنی ''اے امیر المومنین! میں نے ہندوستان کے شہروں کی چھان بین کر کے وہاں کے حالات معلوم کئے ہیں وہاں کا پانی ردی ہے، پھل خراب ہے، چور بہادر ہے، اگر وہاں فوج کم ہو تو ضائع ہو جائے اور اگر زیادہ ہو تو بھوکوں مر جائے، حضرت عثمانؓ نے بھی ان باتوں کو سن کر حکیم بن جبلہ سے وہی بات کہی جو حضرت عمرؓ نے صحار عبدی سے کہی تھی، یعنی تم خبر دے رہے ہو یا شاعری کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں خبر دے رہا ہوں، اس کے بعد حضرت عثمان نے وہاں کسی کو جہاد کیلئے روانہ نہیں کیا۔[80]

چچ نامہ میں ہے کہ فارس اور ہندوستان میں امن و امان اور نظم و نسق کے قیام و بقاء کے لئے حضرت عثمان کے زمانے میں مکران اور قندابیل میں فوجی طاقت رکھی گئی تھی، اور یہ دونوں مقام جنوبی مشرقی ممالک کے حربی مرکز تھے، جہاں فوجیں اور اسلحہ رکھے جاتے تھے، تاکہ ہنگامی حالات کا فوری مقابلہ کیا جا سکے، مگر چونکہ ان مرکزوں کی طاقت اطراف و جوانب کی بغاوت و سرکشی فرو کرنے کیلئے کافی نہیں تھی اس لئے یہاں کے حالات قابو میں نہیں رہے اور حضرت عثمانؓ نے ہندوستان میں فوجی کارروائی کرنی چاہی اس لئے امیر عراق عبداللہ بن عامر بن کریز کو لکھا کہ وہ کسی نیک اور عقلمند مبصر کو ہندوستان روانہ کریں جو وہاں کے حالات معلوم کر کے دربار خلافت کو خبر دے، عبداللہ بن عامر نے حکیم بن جبلہ عبدی کو اس کام کیلئے مامور کیا اور ایک روایت کے مطابق خود عثمان نے حکیم کا انتخاب کر کے عبداللہ کو لکھا کہ وہ ان کو ہندوستان بھیجیں، حکیم کے واپس آنے پر عثمان نے یہاں کے شہروں، موسموں، آب و ہوا، طور طریقہ اور جنگی طریقوں کے بارے میں سوالات کئے اور حکیم نے جوابات دیئے، پھر آپ نے خاص طور سے پوچھا کہ ہندوستان کے باشندے عہد و پیمان اور وعدہ میں کیسے ہیں، حکیم نے بتایا کہ وہ لوگ معاہدوں اور وعدوں کا کوئی احترام نہیں کرتے، نہ ان کو اس سلسلے میں اپنی ذمہ داری کا احساس رہتا ہے یہ سن کر حضرت عثمان نے سندھ پر فوج کشی کا ارادہ ترک کر دیا، یعنی مستقل طور سے صرف سندھ ہی پر فوج کشی نہیں کی بلکہ چونکہ اطراف و جوانب میں بھی اس کی شدید ضرورت تھی، اس لئے تھوڑے دنوں کے بعد حضرت عمرؓ کی طرف سے حضرت عثمان کو بھی ایران، سندھ اور مکران وغیرہ میں نہایت منظم طریقے پر مہمات روانہ کرنی پڑیں جن روایتوں میں یہ ہے کہ اس کے بعد حضرت عثمان

نے ہندوستان میں جہاد نہیں کیا کرایا اس کا مطلب یہی ہے۔ عہد عثمانی کے ابتدائی دور میں ان علاقوں میں کسی کارروائی کا تذکرہ نہیں ملتا، اس درمیان میں خراسان، کرمان، بجستان، اور سندھ و مکران کے حالات میں بہت زیادہ ابتری پیدا ہو گئی تھی، ہر جگہ سرکشی اور بغاوت کی ہوا چل پڑی۔ مقامی لوگوں نے عہد فاروقی کے تمام شرائط صلح اور معاہدوں کو توڑ دیا۔ دربار خلافت سے بے تعلقی کی فضاء پیدا ہو گئی اور سخت ضرورت تھی کہ باغیوں اور سرکشوں کی سرکوبی کی جائے اور ان کے خلاف نہایت منظم طور سے کارروائی کر کے حالات پر قابو پایا جائے۔ چنانچہ حضرت عثمان نے ۲۹ھ میں ان ممالک کے نظام میں تبدیلی کر کے عمیر بن عثمان بن سعد کو خراسان کا امیر مقرر کیا، عبداللہ بن عمیر لیثی کو بجستان کی امارت دی، عبداللہ بن معمر تیمی کو مکران پر رکھا اور عبدالرحمٰن بن عنبس کو کرمان بھیجا، ساتھ ہی فارس اور اہواز کے حربی و ملکی انتظامات کیلئے چند امراء و حکام مقرر کئے اور سواد بصرہ پر حصین بن ابوالحر کو متعین فرمایا اور فارس، اہواز، سندھ، مکران، بلوچستان اور قندابیل وغیرہ ان کے زیر انتظام آ گئے، اس نئے نظام اور جگہ جگہ امراء و عمال کی تقرری سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد ان علاقوں میں شدید قسم کی ابتری پھیل چکی تھی اور چار پانچ سال کے اندر اندر ہر جگہ لاقانونیت اور خودسری پورے طور سے سرایت کر گئی تھی اس لئے ان کی طرف مزید خاموشی روا نہیں رکھی جا سکتی تھی، چنانچہ ۲۹ھ میں خراسان، کرمان، بجستان اور مکران کے خلاف سخت تادیبی کارروائی کی گئی، اور بدعہدی اور بے وفائی کے نتیجے میں مقامی لوگوں کو بڑے سخت حالات کا مقابلہ کرنا پڑا کیونکہ ان تمام بلاد و امصار کے باشندوں نے بڑی حد تک اپنی شرائط پر صلح و مصالحت کی تھی اور اسلامی فوج نے ان کے مفاد کے پیش نظر ان سے عہد و پیمان کئے اور ان معاہدوں کے پاس اور احترام میں انتہائی احتیاط کی، پھر بھی یہاں کے ذمہ داروں نے شورش و سرکشی کی راہ اختیار کر کے انتشار اور لاقانونیت کی گرم بازاری کی، اس لئے ان کے ساتھ وہی سلوک ہوا جو کسی ملک کے باغیوں کے ساتھ ہوتا ہے، یہ تمام علاقے قانوناً خلافت اسلامیہ کے حصے ہو چکے تھے، اور ان میں بدامنی اور بدعہدی کی وجہ سے خلافت کے اندرونی علاقوں میں بدنظمی اور غیر اطمینان بخش حالات پائے جاتے، اس لئے سخت تادیبی کارروائی کرنا پڑی۔ اس نئے انتظام اور تازہ کارروائی کے تحت مذکورہ بالا مقامات کی شورش ختم کرنے کیلئے امراء فوج نے سخت اقدامات کئے، امیر خراسان عمیر بن عثمان بن سعد نے پورے علاقے خراسان کی ابتری اور بغاوت فرو کرتے ہوئے شمال میں فرغانہ تک کا علاقہ فتح کیا، اور شدید قسم کی سیاست پر عمل کر کے سرکشوں کے جان و مال

۸۱۔ فتوح البلدان ص ۳۸۵۔

کی کوئی پرواہ نہیں کی، امیر سجستان عبداللہ بن عمیر لیثی نے پورے سجستان کو قتل و غارت کے ذریعے رام کیا اور کابل تک کا پورا علاقہ اپنے زیر تصرف کر لیا، اسی طرح امیر مکران عبیداللہ بن معمر تیمی نے شدید جنگ کے بعد دریائے مکران تک فتح کر لیا[۸۱] اور یہ مفتوحہ ممالک چار پانچ سال کی خودسری اور شورش پسندی کے بعد کڑی تادیب و سیاست کے نتیجے میں پھر خلافت اسلامیہ کے قلمرو میں نہ صرف باقاعدہ شامل ہو گئے بلکہ مکران میں پہلی بار دربار خلافت سے امراء وعمال کی تقرری ہوئی اور یہاں خلافت کے احکام و اوامر کا اجراء ہوا۔

پھر اسی سال ۱۹ھ میں مشرقی ممالک کے عراقی مرکز بصرہ کے نظام میں تبدیلی ہوئی اور اسی کے ساتھ اس سے متعلقہ علاقوں اور ممالک میں نظم و نسق میں تغیر و تبدل کیا گیا، چنانچہ حضرت عثمان نے عبداللہ بن عامر بن کریز کو بصرہ کی حکومت دے کر حضرت ابوموسیٰ اشعری کو معزول قرار دیا، اور سواد بصرہ کے تمام علاقوں کے انتظام پر حصین بن ابوالحر کے بجائے عبداللہ بن عامر بن کریز ہی امیر بنائے گئے، اس طرح ان کے اختیارات مشرقی ممالک یعنی خراسان سجستان، کرمان اور سندھ و مکران کے بارے میں اور زیادہ ہو گئے اور ان ممالک کی حربی اور انتظامی امارت بھی ان کے سپرد ہو گئی، نیز حضرت عثمان نے کچھ دنوں کے بعد مشرقی ممالک کی امارتوں میں حسب ضرورت و مصلحت یوں تبدیلی فرمائی کہ عبیداللہ بن معمر تیمی کو مکران کی امارت سے ہٹا کر فارس کی حکومت دی، اور ان کی جگہ مکران میں عمیر بن عثمان بن سعد کو متعین کیا، مگر کچھ دنوں کے بعد یہاں کے انتظام و امارت میں پھر تغیر و تبدل کرنا پڑا، اور عمیر بن عثمان کی جگہ مکران کی امارت ابن کندیر قشیریؒ کو دی گئی جو حضرت عثمان کی شہادت (ذوالحجہ ۳۵ھ) تک اپنے عہدہ پر قائم رہے یعنی ۲۹ھ سے ۳۵ھ تک (چھ سال کی مدت میں) مکران میں خلافت کی طرف سے تین امراء حکام مقرر کیے گئے (۱) فاتح مکران عبیداللہ بن معمر تیمی، (۲) عمیر بن عثمان بن سعد اور (۳) سعید بن کندیر قشیریؒ، عہد فاروقی میں ۲۳ھ کے بعد فاتح مکران حکم بن عمرو تغلبی کے علاوہ کسی اور امیر و حاکم کا نام نہیں ملتا پھر ان کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ فتح کے بعد کتنے دن یہاں مقیم رہے، ابتداء میں سہل بن عدی بھی یہاں کے امور و معاملات میں حکم بن عمرو کے ساتھ تھے چنانچہ حضرت عمرؓ نے دربار خلافت سے آگے نہ بڑھنے کے سلسلے میں جو تحریری ممانعت روانہ کی تھی وہ دونوں بزرگوں کے نام تھی اس اعتبار سے عہد فاروقی میں یہ دونوں حضرات مکران کے امیر و حاکم تھے، باقاعدہ امیر حکم بن عمرو تھے اور سہل بن عدی کی حیثیت معین و مددگار کی تھی۔

۸۲۔ الامالی لابی علی قالی ج ۳ ص ۴۶۔

فہرج اور مکران کی چوتھی فتح ۳۰ھ

۳۰ھ میں کرمان و بجستان کی فتوحات کے ضمن میں سندھ کا مشہور علاقہ فہرج بھی فتح ہوا، بلاذری کا بیان ہے کہ ۳۰ھ میں حضرت عبداللہ بن عامر بن کریز بصرہ سے فوج لے کر کرمان کے علاقے شق شیرجان کی بغاوت فرو کرنے کے ارادے سے چلے اور حضرت ربیع بن زیاد حارثی رضی اللہ عنہ کو بجستان کی سمت روانہ کیا، ربیع بن زیاد بصرہ سے چل کر فہرج آئے اور اسے فتح کر کے پچھتر فرسخ کا صحرا فتح کیا اور مقام زالق پران کے جشن کے دن حملہ کیا وہاں کے حاکم نے بہت زیادہ سونا چاندی دے کر اپنا فدیہ ادا کیا، اس کے بعد ربیع بن زیادہ کرکویہ، ہیسون اور زرنگ فتح کرتے ہوئے دریائے ہندمند کے اس پار گئے اور نوق، دشت، ناشروز وغیرہ فتح کیے[۸۲] اس سے پہلے امیر بصرہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ربیع بن زیاد حارثی کو کرمان اور مکران کے فوجی شہ سواروں کا امیر بنایا تھا، نیز آگے چل کر حضرت معاویہ کے دور خلافت میں ربیع بن زیاد نے بست، رخج اور سندھ کے بلاداور کو فتح کیا۔

ربیع بن زیاد نے ۳۰ھ میں فہرج کے علاوہ مکران اور سندھ کے دیگر علاقوں میں شاندار فتوحات حاصل کیں، چنانچہ ان ہی ایام میں عرب کے مختلف قبائل نے جمع ہو کر اپنے اپنے مجاہدانہ وفتوحات حاصل کیں۔ چنانچہ ان ہی ایام میں عرب کے مختلف قبائل نے جمع ہو کر اپنے اپنے مجاہدانہ و فاتحانہ کارناموں پر مفاخرہ کیا اور اپنی خدمات کے اعتراف واظہار میں قصائد پڑھے، اسی مجمع میں مشہور شہ سوار اور بہادر صحابی حضرت عمرو بن معدیکرب نے تیس اشعار کا ایک رزمیہ وزجریہ قصیدہ سنایا جس کے آخری چار اشعار میں مکران اور سندھ میں حضرت ربیع کے مجاہدانہ کارناموں کا تذکرہ تھا اس قصیدہ کا مطلع یہ ہے۔

لمن الديار بروضة السلان
فالرقمتين، فجانب الصمان

روضہ سلان، مقام رقمتیں اور رحمان کی سمت میں یہ کس محبوبہ کے دیار ہیں اور آخر کے چار اشعار یہ ہیں۔

والقادسية حيث زاحم رستم
كنا الحماة بهن كالا شطان

۸۲۔ فتوح البلدان ص ۳۸۶۔

جنگ قادسیہ میں جب رستم نے سخت مقابلہ کیا تو ہم رسیوں کی طرح عورتوں کے محافظ و نگراں تھے۔

الضاربین بکل ابیض مخزم
والطاعنین مجامع الاضغان

ہم تیز دھار والی چمکتی ہوئی تلواروں سے دشمنوں کو مار رہے تھے اور کینہ سے بھرے ہوئے سینوں پر نیزوں کی بارش کر رہے تھے

ومضی ربیع بالجنود مشرفا
ینوی الجہاد و طاعۃ الرحمن

اور ربیع بن زیادہ فوجوں کو لے کر بڑھتے چلے جاتے تھے، ان کی نیت جہاد اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت تھی۔

حتی استباح قری سواد و فارس
والسہل والاجبال من مکران

یہاں تک کہ انہوں نے سواد عراق کے دیہاتوں اور فارس کو اور مکران کی نرم زمینوں اور دشوار و سخت پہاڑوں کو فتح کیا۔[۸۴]

فہرج یا بہرج سندھ کے مشہور شہروں میں بجستان کی طرف جبال پایہ کے حدود میں واقع تھا، اصطخری نے لکھا ہے کہ مسواہی، بہرج اور سدوسان یہ تینوں شہر دریائے سندھ کے مغرب میں ہیں، مقدسی بشاری نے اسے منصورہ کی سلطنت میں شمار کیا ہے اور یاقوت حموی نے بہرہ نام سے مکران کے ایک شہر کا ذکر کیا ہے، جس سے مراد یہی شہر ہے، چونکہ یہ مکران اور سندھ کی شمالی حدود میں بجستان سے متصل تھا، اس لئے اس کا شمار سندھ اور مکران دونوں میں ہوا ہے، حضرت عمرو بن معدیکرب نے بھی آخری شعر میں اس جہاد کے ذکر میں مکران ہی کا نام لیا ہے، ہمارے خیال میں فہرج، بہرج اور بہرہ تینوں نام کوہ پایہ کی تعریب ہیں اور اس سے مراد پایہ کے پہاڑی علاقے ہیں جو بجستان سے مکران اور سندھ کی طرف آتے ہوئے پڑتے ہیں، حضرت علیؓ کے آخری دور خلافت میں حضرت حارث بن مرہ اپنی فوج لے کر جبال پایہ ہی سے مکران اور قندابیل و قیقان میں فاتحانہ داخل ہوئے تھے، یہ مقام

۸۴۔ معجم البلدان ج ۸ ص ۱۳۲۔ ۸۵۔ فتوح البلدان ص ۳۰۴۔

بجستان مکران اور سندھ کے درمیان میں واقع تھا، اور یہاں سے ان تینوں علاقوں کی سرحدیں ملتی تھیں، اسی لئے کسی نے فہرج کو بجستان کی حد میں شمار کر کے اس کی فتح کو بجستان کی فتوحات میں بیان کیا ہے، کسی نے اسے سندھ کا علاقہ مان کر اس کی فتح کو یہاں کی فتح مانا ہے اور کسی نے اسے مکران کی حدود میں داخل کیا ہے۔

بہرحال فہرج اور اطراف و جوانب کے سرکش علاقوں کو زیر کرنے کے بعد ربیع بن زیاد ڈھائی سال تک مقام زرنگ میں مقیم رہے، اس مدت میں حضرت امام حسن بصریؒ ان کے کاتب اور میر منشی یا سیکرٹری بن کر غزوات و فتوحات اور سفر و حضر میں ساتھ ساتھ رہے۔[۸۴] ظاہر ہے کہ فہرج کی فتح میں حضرت حسن بصریؒ بھی حضرت ربیع بن زیاد کے شریک رہے ہوں گے۔ حضرت ربیع دیگر مقامات کی طرح ڈھائی سال تک (۳۰ھ سے ۳۳ھ) تک فہرج کے بھی امیر تھے یاقوت حموی نے عمرو بن معدیکرب کے قصیدہ کے دو اشعار معمولی اختلاف کے ساتھ یوں نقل کئے ہیں۔

قوم هم ضربوا الجبابر ذبغوا
بالمشرفيه من بني ساسان

انہوں نے بنی ساسان (شاہان ایران) کے جابروں کو جب انہوں نے سرکشی کی تو چمکتی ہوئی تلواروں سے مارا۔

حتى استبيع قرى السواد و فارس
والسهل والاجبال من مكران

یہاں تک کہ سواد عراق کے دیہات اور فارس کے مقامات اور مکران کے نرم وسخت علاقہ جات فتح کر لئے گئے اور لکھا ہے کہ مکران کی عملداری تیز سے قصدار تک بارہ مرحلہ ہے، مکران سے مراد اس شعر میں یہی علاقہ ہے۔[۸۵]

بلوچستان کی دوسری فتح

معلوم ہو چکا ہے کہ عہد فاروقی میں ۲۳ھ میں حضرت سہل بن عدی نے کرمان کی فتوحات کے ضمن میں قفس یعنی بلوچستان کو فتح کیا تھا، مگر بعد میں یہاں کے باشندوں نے بھی مکران وغیرہ کے باشندوں کی طرح بغاوت و شورش اور بدعہدی کا بازار گرم کیا، اس لئے عہد عثانی ۳۱ھ میں پھر کرمان ہی

۸۶۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۴۹۔ ۸۷۔ فتوح البلدان ص ۳۸۶۔

کی مہم میں بلوچستان دوبارہ فتح کیا گیا۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ ۳۱ھ میں حضرت مجاشع بن مسعود سلمی خراسان اور سجستان فتح کرتے ہوئے کرمان پہنچے اور اسے فتح کرنے کے بعد قفص (بلوچستان) آئے تو مقام ہرموز میں کرمان وغیرہ سے بھاگے ہوئے عجمیوں اور ایرانیوں کی ایک جمعیت نے مقابلہ کیا، حضرت مجاشع نے ان سے جنگ کر کے فتح حاصل کی اور بہت سے دشمنوں نے بحری راستے سے راہِ فرار اختیار کی، ان میں سے کچھ تو جنوب میں مکران میں آکر پناہ گزیں ہوئے اور کچھ شمال میں سجستان چلے گئے، ان کے ادھر ادھر بھاگ جانے کی وجہ سے مسلمانوں نے کرمان اور ہرموز میں ان کے مکانات اور کھیتوں پر قبضہ کر لیا اور وہاں آباد ہو کر کھیتی باڑی کی، اور ان کے عشر کی رقم دربارِ خلافت کو روانہ کی، آب پاشی اور پانی پینے کیلئے کنویں بھی کھودے۔[۸۶]

اس سلسلے میں ابن اثیر نے بھی ۳۱ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن عامر بن کریز نے کرمان کو فتح کر کے وہاں کی حکومت مجاشع بن مسعود سلمی کو دی، اور انہوں نے باقی علاقوں کو فتح کیا، پھر شیرجان اور جیرفت کی فتح کے بعد بلوچستان آئے جہاں ہزیمت خوردہ دشمنوں نے بھاری جمعیت اکٹھا کر رکھی تھی، حضرت مجاشع نے ان کو شکست دیکر یہاں پر قبضہ جمایا۔[۸۷]

عہدِ عثمانی میں ہندوستان کے شمالی علاقہ میں مسلمانوں کی مستقل آبادی ہم پہلی بار دیکھ رہے ہیں جہاں وہ کھیتی باڑی، آب پاشی اور مکانات کی تعمیر میں مصروف نظر آتے ہیں اور یہ پہلا موقع ہے کہ اس ملک کے مسلمانوں کی طرف سے عشر کی رقم بیت المال میں داخل کی گئی، اس سے پہلے عہد فاروقی میں یہاں کے مالِ غنیمت کا خمس بیت المال میں داخل کیا جا چکا تھا، مگر عہدِ عثمانی میں یہاں مسلمانوں کی پہلی آبادی ہوئی اور ان کی رقم مدینہ منورہ روانہ کی گئی، متعدد امراء کی تقرری کے بعد اس ملک میں عہدِ عثمانی کی یہ دوسری خصوصیت ہے، اس زمانے میں بلوچستان کرمان میں شامل تھا اس لئے کرمان کے امیر و حاکم حضرت مجاشع بن مسعود سلمی بلوچستان کے بھی امیر تھے جبکہ مکران میں مستقل امراء موجود تھے۔

علاقہ سندھ داور کی فتح ۳۲ھ

اسی عہد میں سندھ کا شمالی علاقہ داور اور کش کے اطراف کے بعض ہندوستانی علاقے بھی فتح ہوئے، بلاذری کا بیان ہے ۳۲ھ میں والیٔ عراق عبداللہ بن عامر بن کریزؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ کو سجستان کی امارت و حکومت دی، اس وقت یہاں بھی بغاوت اور بدعہدی پھیل چکی تھی، عبدالرحمٰن بن سمرہ نے حاکم زرنگ کے قلعہ کا محاصرہ کیا اس وقت وہاں ایرانیوں کا تہوار منایا جا رہا تھا، حاکم زرنگ

۸۸۔ معجم البلدان ج ص ۔ ۸۹۔ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۷۱۔

نے جنگ کرنے کے بجائے مسلمانوں سے صلح کر لی، اس کے بعد عبدالرحمن بن سمرہ نے جنوبی علاقوں کا رخ کیا اور ایک طرف زرنگ اور کش کے درمیان ہندوستان کی سمت کا تمام علاقہ فتح کر لیا اور دوسری طرف رخج اور داور کے درمیان کا سارا علاقہ ان کے قبضہ میں آ گیا، اس کے بعد علاقہ داور میں جا کر زور یا زون نامی پہاڑی مقام پر دشمن کا محاصرہ کیا، اور صلح و مصالحت کے ذریعے فتح حاصل کی، اور زور یا زون کے بت خانے کا رخ کیا، اس میں سونے کا بت تھا جس کی دونوں آنکھیں یاقوت کی تھیں، آپ نے اس کا ہاتھ جدا کر کے آنکھوں سے دونوں یاقوت نکال لئے اور حاکم داور سے کہا کہ تم یہ سونا اور جوہر لے لو، مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے، میں تو تم کو بتا رہا تھا کہ یہ بت نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ داور کی فتح کے موقع پر مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا، اسلامی فوج کی تعداد آٹھ ہزار تھی اور ہر سپاہی کے حصہ میں چار چار ہزار کی رقم آئی۔[۸۸]

یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ سرزمین سندھ کے بلاد داور میں زور نامی سونے کا ایک بت تھا جو جواہر سے مرصع تھا، اسے زون بھی کہتے تھے،[۸۹] ان سرکش علاقوں کی فتوحات کے بعد عبدالرحمن بن سمرہ نے مقام زرنگ میں مستقل طور سے قیام کیا، اور اسی زمانے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اندرونی ابتری پیدا ہونی شروع ہو گئی تو وہ امیر بن احمر یشکری کو اپنی جگہ مقرر کر کے سجستان سے واپس چلے آئے، عبدالرحمن بن سمرہ ۳۳ھ سے ۳۵ھ تک سجستان کی امارت کے زمانہ میں ہندوستان کے ان شمالی علاقوں کے بھی امیر رہے جو کش کی سمت واقع تھے اور جن کو انہوں نے سجستان کی فتوحات کے سلسلے میں فتح کیا تھا، اسی طرح سندھ کے شمالی علاقہ داور کے بھی امیر تھے، جب کہ مکران میں بھی مستقل امراء و حکام موجود رہتے تھے۔

قندابیل کی پہلی فتح

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سندھ کے مرکزی شہر قندابیل کے بارے میں پہلی مرتبہ معلومات حاصل کیں اور وہاں کے ابتر حالات سے آپ کو باخبر کیا گیا، اس کے بعد آپ نے وہاں کوئی مستقل مہم روانہ نہیں فرمائی، اور نہ ضمنی طور سے وہاں پر حملہ کی کوئی روایت ملتی ہے، البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وہاں مجاہدین اسلام کے حملہ آور ہونے کا پتہ چلتا ہے، مگر اس سلسلے میں کوئی مستقل روایت نظر سے نہیں گزری بلکہ طبقات ابن سعد میں حضرت سہیہ بن عمیر شیبانیہ کے ذکر میں ان کے

۹۰۔ فتوح البلدان ص ۳۸۷۔

شوہر حضرت صیفی بن فسیل شیبانی کے عہد عثمانی میں قندابیل میں ہونے کی تصریح پائی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں یہاں فتوحات ہوئی تھیں، وہ اپنے شوہر کے بارے میں بیان کرتی ہیں کہ:

نعی الی زوجی من قندابیل صیفی بن فسیل فتزوجت بعده العباس بن طریف اخا بنی قیس، ثم ان زوجی الاول جاء نافارتفعنا الی عثمان الخ [91]

میرے شوہر صیفی بن فسیل کے مرنے کی خبر میرے پاس قندابیل سے آئی تو میں نے ان کے بعد بنی قیس کے ایک شخص عباس بن طریف سے شادی کرلی اس کے بعد میرے پہلے شوہر آ گئے اور ہم اپنا معاملہ حضرت عثمان کے پاس لئے گئے۔

اس روایت سے صاف طور سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان کے زمانہ میں قندابیل پر فوج کشی کی گئی اور وہاں مجاہدین اسلام کی ایک جماعت موجود تھی، البتہ اس کے زمانہ کی تعیین نہ ہوسکی اور اس روایت سے چچ نامہ کی اس تصریح کی تصدیق ہوتی ہے کہ قندابیل حضرت عثمان کے دور خلافت میں اسلامی فوجی کی چھاؤنی تھا اور یہاں شہسواروں کی ایک جماعت ہر وقت موجود رہا کرتی تھی تاکہ بادقت ضرورت اطراف و جوانب کی حربی سرگرمیوں میں اس سے مدد لی جاسکے الغرض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارہ سالہ دور خلافت میں ۲۹ھ سے ۳۵ھ تک چھ سات سال کی مدت میں ہندوستان کے حدود میں چار زبردست فتوحات ہوئیں اور یہاں خلافت کی طرف سے نہایت اعلیٰ پیمانہ پر سیاسی و ملکی انتظامات کیے گئے ان حدود میں مسلمانوں کی آبادیاں قائم ہوئیں اور کسی علاقہ میں بدعہدی اور بدنظمی نہیں ہونے پائی۔

مکران کی پانچویں اور قہرج' جبال پایہ' قیقان اور قندابیل وغیرہ کی فتوحات ۳۲ھ تا ۳۸ھ

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ کا دور خلافت ذوالحجہ ۳۵ھ تا رمضان ۴۰ھ آیا آپ کا پونے پانچ سالہ دور زیادہ تر باہمی مشاجرات میں گزرا' اور جنگ جمل' جنگ صفین اور جنگ نہروان وغیرہ کی وجہ

۹۱۔ فتوح البلدان ص ۴۸۱۔

سے بیرونی ممالک کی فتوحات وانتظامات کی طرف نسبتاً زیادہ توجہ نہ ہو سکی پھر بھی متعدد فتوحات ہوئیں ' مکران سجستان اور سندھ وغیرہ کی پرانی ابتری لوٹ آئی' اوران کے باشندے اپنی روایت کے مطابق عہد و پیمان کو بالائے طاق رکھ کر خودسری پر اتر آئے' بلکہ حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں میں ایسے افراد پیدا ہوگئے جنھوں نے سندھ ومکران سے متصل ملک سجستان میں مفاد پرستی اور استحصال کی روش اختیار کرکے یہاں کے سرکشوں اور باغیوں سے میل جول پیدا کرلیا' اور حضرت علیؓ کو پہلی فرصت میں ان حالات سے نبٹنا پڑا۔ جیسا کہ معلوم ہوا حضرت عثمان کے آخری دور میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ سجستان کی امارت پر امیر بن احمر لشکیری کو زرنگ میں متعین کرکے واپس چلے آئے تھے' اس کے بعد حضرت عثمانؓ کی شہادت اور حضرت علیؓ کی اندرون کشمکش کی وجہ سے زرنگ والوں نے امیر بن احمر کو نکال کر شہر کا دروازہ بند کردیا اور سرکشی کی راہ اختیار کی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حسکہ بن عتاب حبطی اور عمران بن فیصل برجمی نے عرب کے سرکشوں کی ایک جماعت لے کر سجستان کا رخ کیا پہلے مقام زالق میں آئے جہاں کے باشندے بدعہدی وسرکشی کر چکے تھے، ان لوگوں نے یہاں سے بہت سا مال حاصل کیا، پھر زرنگ پہونچے جہاں سے امیر بن احمر کو نکال دیا گیا تھا، حاکم زرنگ نے ڈر کر ان سے صلح کرلی، اور ان عرب بدخواہوں نے سجستان کے علاقہ میں اپنی امارت وحکومت کا زنگ اختیار کرلیا، جب حضرت علیؓ کو یہ حالات معلوم ہوئے تو آپ نے جنگ جمل سے فارغ ہوتے ہی ۳۶ھ میں عبدالرحمٰن بن جزء طائی کو سجستان روانہ کیا جن کو حسکہ بن عتاب حبطی نے قتل کردیا اسکے بعد عون بن جعدہ مخزومی کو روانہ کیا ان کو بھی بہدالی طائی چور نے راستہ میں قتل کردیا، آخر حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو حکم دیا کو وہ کسی مناسب آدمی کو چار ہزار فوج کے ساتھ روانہ کریں۔ چنانچہ انھوں نے ربعی بن کاس عنبری کو چار ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا، نیز ان کے ساتھ حصین بن ابوالحر عنبری اور ثابت بن زی الحرحمیری کو بھیجا، ربعی بن کاس عنبری نے سجستان پہونچتے ہی تمام خرابیاں دور کیں اور عرب کے ہواپرستوں اور سجستان کے سرکشوں کی سرکوبی کرکے ہر طرف امن وامان قائم کیا[91] اس طرح سجستان کی بدعہدی اور شورش کو بہت جلد ختم کردیا گیا اور سال دو سال کے اندر اندر یہاں خلافت کی طرف باقاعدہ امارت قائم ہوگئی، مگر ۳۵ھ کے بعد سے مکران اور سندھ کی ابتری کئی سال تک جاری رہی، سجستان کی شورش اور بغاوت درحقیقت قدیم ہندوستان کی شورش اور بغاوت

۹۲۔ فتوح البلدان ص ۳۸۱۔ ۹۳۔ تاریخ خلیفہ ج ۱ ص ۲۱۴، و ص ۲۲۹۔

تھی اور اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ مکران اور سندھ وغیرہ پر خلافت سے بغاوت اور عہد و پیمان سے انحراف کا رنگ کس قدر گہرا چڑھ گیا تھا، اور یہاں پر فوج کشی کر کے تادیب و سیاست کی کتنی شدید ضرورت تھی، مگر حضرت علی کو اندرونی خلفشار کی وجہ سے ادھر توجہ کرنے کا موقع چار پانچ سال کے بعد ملا حضرت علی رضی اللہ عنہ ذوالحجہ ۳۵ھ میں خلیفہ ہوئے اس کے چھ سات ماہ کے بعد جمادی الاخریٰ ۳۶ھ میں واقعہ جمل پیش آیا، پھر سات آٹھ ماہ کے بعد صفر ۳۷ھ میں واقعہ صفین رونما ہوا، اور ۳۸ھ میں مقام نہروان میں خوارج سے جنگ ہوئی، خلافت راشدہ کا یہ آخری دور بڑے ابتلاء و آزمائش میں گزرا اور بیرونی معاملات پر بہت کم توجہ ہوسکی، مگر جوں ہی اس سے مہلت ملی فوراً ان کی درستگی کے لئے اقدام کیا گیا اور مکران وسندھ میں پہلی فرصت میں مہم روانہ کی گئی، بلاذری نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کے آخری دور خلافت میں ۳۸ھ کے آخر یا ۳۹ھ کے شروع میں حضرت حارث بن مرہ عبدیؓ حضرت علیؓ کی مرضی واجازت سے فدائیانہ اور متطوعانہ طور سے بھاری فوج لے کر ثغر ہند کا رخ کیا، اور یہاں ان کو شاندار فتوحات حاصل ہوئیں اور اس قدر کثیر مقدار اور تعداد میں مال غنیمت اور جنگی قیدی ہاتھ آئے کہ انھوں نے ایک دن میں ایک ہزار قیدی اپنے سپاہیوں میں تقسیم کئے۔[۹۲]

مگر خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ میں اسے ۳۶ھ کے واقعات میں درج کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس سال حارث بن مرہ عبدی نے مسلمانوں کو غزوہ ہند کی دعوت دی، وہ مکران کے علاقہ کو عبور کرتے ہوئے بلاد قندابیل پہنچ گئے، پھر یہاں غزوات وفتوحات کر کے آگے بڑھے اور قیقان کے اندر پہاڑی علاقوں میں گھستے چلے گئے اس جنگ میں بہت سے قیدی ہاتھ آئے پھر خلیفہ بن خیاط نے آگے چل کر حضرت علیؓ کے عمال و حکام کے ذکر میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کے زمانہ میں حارث بن مرہ عبدیؓ نے ایک لشکر تیار کر کے مکران کا رخ کیا او جنگ کے بعد فتحیاب ہوئے اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ مگر اس کے بعد (۴۲ھ) میں دشمنوں نے ہر طرف سے جمعیت اکٹھا کر کے زبردست فوجی تیاری کی اور حارث بن مرہ بعدیؓ اور دشمنوں کے درمیان سخت مقابلہ ہوا، جس کے نتیجہ میں چند مجاہدوں کے علاوہ حارث بن مرہ اور ان کے تمام ساتھی شہید کر دیے گئے اس کے بعد حضرت معاویہ کے زمانہ تک اس علاقہ میں جہاد نہیں ہوا۔[۹۳] حارث بن مرہ اور ان کی بیشتر فوج کی شہادت ۴۲ھ کا تذکرہ بلاذری وغیرہ نے بھی کیا، یہ حادثہ حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں ہوا انھوں نے اسی سال راشد بن عمرو عبدی

۹۳۔ چچ نامہ ص ۷۷ و ص ۷۸۔

جدیدی کی قیادت میں مکران پر فوج کشی کرائی جیسا کہ آئے گا۔

اس سلسلے میں چچ نامہ کا بیان سب سے زیادہ مفصل ہے مگر اس میں اس مہم کی امارت میں تاغر بن دعر (ان دونوں ناموں میں شدید قسم کی تحریف و تصحیف ہے) کا نام ہے اور حارث بن مرہ عبدی کو اس فوج کا بہادر سپاہی بتایا گیا ہے جو تمام مورخوں کی تصریح کے خلاف ہے اور حارث بن مرہ عبدی کی امارت و قیادت صحیح ہے، بہر حال اس کتاب میں لکھا ہے کہ ۳۸ھ کے آخر میں حضرت علیؓ نے مشائخ و اشراف کی ایک جمعیت کے ساتھ تاغر بن دعر کو ہندوستان کی مہم پر روانہ کیا، اسلامی فوج میں حارث بن مرہ نہایت بہادر اور جاں باز سپاہی تھے، ان کے علاوہ تین غلام تھے جو بہادری میں یکتا تھے، تاغر نے ان تینوں میں سے ایک غلام کو ایک ہزار شہ سواروں کا امیر بنایا اور باقی دو کو پانچ پانچ سو کی پیدل فوج کی امارت دی، اسلامی فوج بہرج اور پایہ کے پہاڑی راستوں سے ہندوستان میں داخل ہوئی اور مکران کو فتح کرتے ہوئے قیقان تک پہنچ گئی، راستہ میں جبال پایہ کے باشندوں نے مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر مقابلہ کی پوری تیاری کی، اور بہت بڑی جمعیت اکٹھا کر کے جنگ کی مگر مسلمانوں نے ان کو شکست دے کر آگے کی راہ لی، اور جب قیقان کے قریب پہنچے تو مقامی باشندوں نے اطراف و جوانب سے مدد طلب کر کے مقابلہ کیا، ان کی تعداد بیس ہزار کے قریب تھی، سخت معرکہ کے بعد اہل قیقان شکست کھا کر پہاڑوں میں پناہ گزین اور روپوش ہو گئے اور مجاہدین اسلام فاتح و غانم بن کر اپنے مرکز پر واپس چلے گئے۔

مگر اہل قیقان اس ہزیمت کے بعد بھی ہمت نہیں ہارے، بلکہ اندر ہی اندر اطراف و جوانب سے زبردست طاقت جمع کر کے اسلامی فوج پر اچانک حملہ آور ہوئے، مجاہدین اسلام نے بھی ہمت اور بہادری سے کام لے کر مقابلہ کیا، اور فرط جوش میں اللہ اکبر کے نعرے اس طرح بلند کئے کہ چاروں طرف سے پہاڑوں کی گھاٹیاں گونج اٹھیں اور قیقانیوں کے دل دہل گئے، ان میں سے بہت سے اس آواز کے رعب و داب کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے، اور کتنے ہی اسی وقت حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، عین اسی جنگ میں اسلامی فوج کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی اور مسلمان اس خبر کو سنتے ہی مکران واپس چلے گئے ۴۰ھ اس کے بعد حضرت حارث بن مرہ عبدی کی امارت و قیادت میں اسلامی فوج مکران، قندابیل اور قیقان وغیرہ کے سرکشوں کو غزوات و فتوحات کے ذریعہ زیر کرتی رہی حتی

کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں ۴۲ھ میں قیقان کے معرکہ میں حارث بن مرہ اور اسلامی فوج کا بیشتر حصہ شہادت سے ہمکنار ہو گیا۔

خلافت راشدہ میں یہ پہلی بار قندابیل اور قیقان کی فتوحات سننے میں آئیں ورنہ اس سے پہلے مکران اور سندھ کے نام آتے تھے، درحقیقت یہ دور علوی کی قلب سندھ میں پیش قدمی تھی، اس سے پہلے مکران مسلمانوں کا آخری مرکز تھا اور وہاں سے وقتاً فوقتاً جنوب میں سندھ کے علاقوں میں مجاہدین کی یلغار اور للکار ہوا کرتی تھی، ۳۶ یا ۳۸ھ میں پہلی بار مسلمانوں نے سندھ کے دو مرکزی شہروں قندابیل اور قیقان پر قبضہ کیا اور حضرت عمر نے قندابیل کے بارے میں جو ارادہ فرمایا تھا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پورا ہوا اور مکران کے بعد سندھ بھی باقاعدہ قانونی طور سے خلافت اسلامیہ کا حصہ قرار پایا، قیقان کیگان کا معرب ہے، قدیم زمانہ میں قلات کو قیقان کے نام سے یاد کرتے تھے یہاں کے قیقانی گھوڑے مشہور ہیں، قندابیل قلات ڈویژن میں واقع ہے، آج کل اسے گنداوہ کہتے ہیں درہ بولان اسی میں واقع ہے۔ یہ دونوں مقامات شمالی ہند میں واقع ہیں۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے وقت ابن کندیر قشیری مکران کی امارت پر فائز تھے اس کے بعد معلوم نہیں عہد علوی میں ان کی امارت باقی رہی یا ختم ہو گئی تھی البتہ ۳۶ھ یا ۳۸ھ سے ۴۲ھ تک مکران اور سندھ دونوں علاقوں کے حربی اور انتظامی امور و معاملات کے ذمہ دار حارث بن مرہ عبدی تھے، حتی کہ ۴۲ھ میں حضرت معاویہ کے ابتدائی دور میں شہید ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے کی طرح حضرت علیؓ کے زمانے میں بھی ہندوستان میں متعدد شاندار فتوحات ہوئیں اور مال غنیمت اور قیدی ہاتھ آئے بہرج، جبال، پایہ، مکران قندابیل اور قیقان وغیرہ کی فتوحات عہد علوی کے خصوصی کارنامے اور روشن خدمات ہیں اور اس دور میں دوررس نتائج ظاہر ہوئے۔

مکران اور سندھ کے بری اور بحری راستے

جیسا کہ معلوم ہوا، خلافت راشدہ میں مکران اور سندھ میں مسلمانوں کی آمد عام طور سے فارس، خراسان، سجستان اور کرمان کی طرف سے ہوئی اور دشوار گزار ریگستانی راستوں اور پہاڑی دروں سے ان کے قافلے اس ملک میں داخل ہوتے اور بعض اوقات بصرہ سے بحری راستے سے بھی آئے۔

مکران کا آخری شہر جو بلاد سجستان سے ملا ہوا تھا۔ وہاں سے سندھ کے آخری شہر برہمناباد تک

۹۵۔ المسالک والممالک ص ۵۵۔ ۹۶۔ فتوح البلدان ص ۳۸۳۔ ۹۷۔ ایضاً ص ۳۸۵۔

جسے بعد میں منصورہ کہتے تھے۔ کل بری مسافت ۳۵۸ فرسخ تھی، اور بعد میں اس علاقے سے گزرنے کیلئے حسب ذیل منزلیں اور مسافتیں طے کرنی پڑتی تھیں۔ (۱) فہرج سے طابران (طوران) دس فرسخ (۲) وہاں سے باسور جاں چودہ فرسخ (۳) وہاں سے قریہ یحییٰ بن عمرو دس فرسخ (۴) وہاں سے ندار دس فرسخ (۵) وہاں سے مدر دس فرسخ (۶) وہاں سے دمارہ نو فرسخ (۷) وہاں سے درک بالو یہ نو فرسخ (۸) وہاں سے تحبین دس فرسخ (۹) وہان سے مقاطقہ البلوص (بلوچستان) بیس فرسخ (۱۰) وہان سے جبل مالح (نمکن پہاڑ) چھ فرسخ (۱۱) وہاں سے نخل نو فرسخ (۱۲) وہاں سے قلمان چھ فرسخ (۱۳) وہاں سے سرائے خلف چار فرسخ (۱۴) وہاں سے فزپور (قنزپور) تین فرسخ (۱۵) وہاں سے حبشہ دس فرسخ (۱۶) وہاں سے قصدار (قزدار) دس فرسخ (۱۷) وہان سے جور چالیس فرسخ (۱۸) وہاں سے اسدوشان (سدوسان) چالیس فرسخ (۱۹) وہاں سے منصورہ (سابق برہمناباد) اسی فرسخ اور بجستان کے شہر درنگ سے پنجاب کے شہر ملتان تک کی درمیانی مسافت دو ماہ کی تھی، یہ تمام راستے جاٹوں کے علاقوں میں تھے اور قافلوں کو ان کی لوٹ مار اور غارت وقتل سے نمٹنا پڑتا تھا ۹۵۔ قدیم اعداد وشمار کے لحاظ سے ایک فرسخ بارہ ہزار ذراع کا ہوتا ہے اور ایک ذراع چوبیس انگلی کا، اور ایک انگلی چھ جو کی اور ایک تہائی فرسخ کو ایک میل کہتے ہیں۔

مکران اور سندھ کے علاقوں میں بری راہ سے مسلمانوں کی آمد عام طور سے تین راستوں سے ہوئی تھی، اور ان سے وہ شمال سے چل کر جنوب میں داخل ہوتے تھے کرمان کی طرف سے بیمند، بروخرہ، شیر جان، بم، اندغار، جیرفت، کو طے کرتے ہوئے قفس یعنی بلوچستان میں داخل ہوتے تھے۔ حضرت مجاشع بن مسعود سلمی ان ہی راہوں سے بلوچستان میں آئے تھے۔ بجستان ۹۶ کی سمت سے دو راستے پڑتے تھے۔ ایک فہرج اور دوسرا اور، ایک طرف سے بجستان کے علاقوں کو طے کرتے ہوئے، سندھ کے انتہائی شمالی علاقہ فہرج میں آتے تھے۔ پھر پچھتر فرسخ کا ریگستانی علاقہ طے کر کے آگے بڑھتے تھے۔ ربیع بن زیاد حارثی اسی راہ سے فہرج میں داخل ہوئے تھے۔ ۹۷ دوسری طرف سے بجستان سے زرنگ اور رخج ہو کر سندھ کی شمالی سرحد یعنی بلاد داور میں آتے تھے۔ عبدالرحمٰن بن سمرہ ان ہی راہوں سے یہاں آئے تھے۔ ۹۸

بعد کے جغرافیہ نویسوں نے عرب و ہند کے درمیان بحری راستوں کی منزلوں اور مسافتوں کا اسی طرح تذکرہ کیا ہے۔ ابن خرداذبہ نے بصرہ سے ہندوستان کے بحری راستوں کی تفصیل دی ہے۔ جن

۹۸۔ ایضاً ص ۳۸۶۔

۹۹۔ المالک والممالک ص ۶۱، ص ۶۲، ص ۶۳۔

سے قدیم زمانہ سے عربوں کے تجارتی اور معاشی تعلقات ہندوستان اور چین سے تھے اور ان کے درمیان جہازوں کی آمد و رفت رہا کرتی تھی۔ اس نے لکھا ہے کہ (۱) بصرہ سے جزیرہ خارک پچاس فرسخ (۲) وہاں سے جزیرہ لاوان آٹھ فرسخ (۳) وہاں سے جزیرہ ابرکاوان سات فرسخ (۴) وہاں سے جزیرہ خین سات فرسخ (۵) وہاں سے جزیرہ کیسی (یا قیس) سات فرسخ (۶) وہاں سے جزیرہ ابن کاوان اٹھارہ فرسخ (۷) وہاں سے ارموز (ہرمز) سات فرسخ (۸) وہاں سے تارات سات دن، یہی مقام فارس اور سندھ کے درمیان حد فاصل تھا۔ (۹) وہاں سے دیبل آٹھ دن (۱۰) دریائے سندھ کا دہانہ سمندر میں دو فرسخ، یہاں پر سندھ کا علاقہ ختم ہو جاتا تھا۔ اور سوراشٹر، کچھ اور گجرات وغیرہ کا ہندوستانی علاقہ شروع ہو جاتا تھا، چنانچہ دریائے سندھ سے ہو کر براہ سمندر ہندوستان کا پہلا علاقہ (۱۱) اوتکین چار دن (۱۲) وہاں سے میدد دو فرسخ (۱۳) وہاں سے کولی دو فرسخ (۱۴) وہاں سے سندان (سنجان بمبئی) اٹھارہ فرسخ (۱۵) وہاں سے ملی وملیبار پانچ دن (۱۶) وہاں سے بلین دو دن، بلین سے دو راستے ہو جاتے تھے، ایک خشکی میں ہندوستان کے اندر دوسرا سمندر میں چین کی طرف جاتا تھا[99]۔ ان بحری راہوں اور منزلوں سے عربوں کے جہاز مشرقی ممالک میں آتے جاتے تھے، اور عہد رسالت عہد بنو امیہ اور عہد بنو عباسیہ میں بھی یہی بحری راستے تھے بلکہ آج بھی بصرہ لائن کے جہاز بمبئی سے ان راستوں سے آتے جاتے ہیں۔

فارس کے علاقے اور شہر یعنی خراسان، سجستان، کرمان، بامیان، جیرفت، داور، بست زرنگ وغیرہ، مکران کے شہر تیز، کیز، ارمائل، قنز پور، ورک وغیرہ۔ طوران کے شہر قصدار، قندابیل، کیز کانان، ایل وغیرہ۔ سندھ کے شہر دیبل، منصورہ (قدیم برہمن آباد) قیقان، سیوستان (سندوستان) الور، تیرون بانیہ، بغرور وغیرہ سوراشٹر و گجرات کے شہر کچھ، کیرج بھڑوچ، گندھارا، دسنج، بھیلمان وغیرہ یہ تمام علاقے اور شہر ہندوستان کے مغربی سواحل پر شمال سے جنوب تک واقع ہیں اور ان کے بالمقابل عرب کے بلاد بحرین، جزائر قطر شط بنی جذیمہ، بلاد عمان، ارض مہرہ، شحر، احقاف وغیرہ کے صحراء اور ریگستانی علاقے واقع ہیں اور دونوں ملکوں کے باشندے ان ہی بحری راستوں سے ایک جگہ سے دوسری جگہ آتے جاتے تھے اور خلافت راشدہ میں ہندوستان میں بحری مہمات ان ہی راہوں سے آتی جاتی تھیں۔

بری اور بحری راہوں سے قافلہ اسلام کی آمد

۱۰۰۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۱۔ ۱۰۱۔ فتوح البلدان ص ۳۸۴۔

تمام غزوات و فتوحات خراسان و سجستان کے بری راستوں سے ہوئیں، مگر بعض اوقات بحری راستوں سے بھی مسلمانوں کی آمدورفت ہوئی ہے، ہماری تحقیق میں اس زمانہ میں دو مرتبہ اسلامی فوجیں بحری راستہ سے اس ملک میں داخل ہوئی ہیں، پہلی مرتبہ توج سے حضرت عثمان ثقفی اور ان کے بھائیوں نے تھانہ، بھروچ اور دیبل پر فوج کشی کی اس کی تصریح اس خط میں موجود ہے جسے حضرت عمرؓ نے عثمان ثقفی کے نام روانہ فرمایا تھا اور لکھا تھا کہ:

یا اخا ثقیف! حملت دودا علی عود

اے ثقفی! تم نے کیڑے کو لکڑی پر سوار کر دیا ہے۔

اور دوسری بار ۲۳ھ میں مکران میں بحری راستے سے اسلامی فوجیں آئی تھیں تاریخ طبری وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مجاہدین اسلام بصرہ سے براہ سمندر آکر دریائے سندھ میں داخل ہوئے۔ اور پھر وہاں سے مکران پہنچے یا پھر مکران کی قدیم بندرگاہ تیز پر اترے۔ ان کے دریائے سندھ کی راہ سے آنے پر حضرت سہل بن عدی کے اس شعر سے روشنی پڑتی ہے۔

وھران لنا فیما اردنا

مطیع غیر مسترخی العنان

دریائے سندھ ہمارے مقصد کی کامیابی کیلئے ہمارا اطاعت گزار و فرمانبردار رہے۔

اس معرکہ میں خود مکران اور سندھ کی فوجوں نے بھی براہ دریا پیش قدمی کی تھی اور سندھ کا راجہ راسل اپنے تمام لشکر اور سامان جنگ کو لیکر دریائے سندھ کے پار آیا طبری نے تصریح کی ہے۔

و عبر الیھم راسل ملکم ملک السند [۱۰۰]

سندھ کا راجہ دریا عبور کر کے مکرانیوں کے پاس آیا۔

اور عہد عثمانی جب کرمان اور بلوچستان کو حضرت مجاشع بن مسعود سلمی نے فتح کیا تو ہزیمت خوردہ فوجیں اور آدمی براہ سمندر مکران اور سجستان میں جا کر پناہ گزیں ہوئے، بلاذری نے لکھا ہے۔

وھرب کثیر من اھل کرمان فرکبوا البحر، ولحق بعضھم الی مکران و اتی بعضھم سجستان [۱۰۱]

ان میں بہت سے بھاگ کھڑے ہوئے اور براہ سمندر کچھ تو مکران پہنچے اور
کچھ سجستان چلے گئے۔

الغرض خلافت راشدہ میں ہندوستان سے تعلقات اور یہاں کی فتوحات میں بعض اوقات بحری اور دریائی راستوں اور کشتیوں اور جہازوں سے کام لیا گیا ہے اور عرب کے مسلمان اور ہندوستان کے باشندے دونوں ہی کبھی کبھی بحری اور دریائی اسفار و مواصلات سے کام لیتے تھے۔ ویسے باقاعدہ بحری بیڑا حضرت معاویہ کے زمانے میں رومیوں سے بحری جنگوں کیلئے تیار کیا گیا تھا، مگر اس سے پہلے خلافت راشدہ میں مشرقی ممالک کی مہمات میں سمندری جہازوں اور دریائی کشتیوں کا استعمال بھی تھا عام طور سے بصرہ سے مجاہدین اور امراء خراسان اور سجستان آتے اور وہاں سے صحراؤں ریگستانوں اور پہاڑوں کو طے کر کے مکران فہرج نادا ور سندھ، قندابیل اور قیقان وغیرہ میں داخل ہوتے تھے۔ چنانچہ اس دور کی عام فتوحات سجستان و کرمان اور خراسان کے امراء یا ان کے ماتحت امراء کے ذریعہ عمل میں آئی ہیں۔ ۲۳ھ میں بلوچستان کی فتح سہل بن عدی کے ہاتھوں ہوئی۔ اسی سال سجستان نے متصل بعض ہندوستانی علاقوں کو عاصم بن عمرو نے فتح کیا، ۳۱ھ میں مجاشع بن مسعود نے بلوچستان پر قبضہ کیا، ۳۳ھ میں عبدالرحمٰن بن سمرہ نے بلاد داور کو شامل کیا اور ۳۸ھ میں اسلامی فوجیں فہرج اور کوہ پایہ کے دشوار گزار صحرائی اور پہاڑی راستوں کو طے کر کے قندابیل، قیقان اور سندھ و مکران کے دیگر علاقوں میں داخل ہوئیں۔

سندھ و مکران میں بصرہ و کوفہ کی فوجیں اور ان کی تعداد

کوفہ کی فوجیں عام حالات میں مشرقی شمالی علاقوں میں روانہ کی جاتی تھیں اور ان کا اثر و نفوذ بلاد ماوراء النہر میں سمرقند کاشغر تک تھا جہاں کے باشندے ترک نسل کے تھے۔ اور بوقت ضرورت کوفہ کی فوجیں دوسرے مقامات کی فوجوں کی مدد کرتی تھیں، اور بصرہ کی فوجوں کی جولان گاہ مشرقی شمالی ممالک تھے۔ جن میں خراسان، سجستان کرمان، مکران، طوران، سندھ، قندابیل، قیقان سب ہی شامل تھے۔ چنانچہ مکران اور سندھ وغیرہ میں عام طور سے بصرہ سے فوجی و انتظامی امور و معاملات کا اجراء ہوتا تھا، اور بصرہ کی فوجیں امراء یہاں آتے تھے البتہ ابتداء میں بحرین و عمان کے قبائل حضرت عثمان ثقفی وغیرہ

کی قیادت میں یہاں آئے تھے اور چونکہ بار بار کی تحقیقات سے ثابت ہو گیا تھا کہ سندھ اور مکران میں ہر اعتبار سے شدید مشکلات ہیں، آب و ہوا ناموافق اشیائے خورونوش کی نایابی، راستے دشوار گزار اور باشندے متوحش اور قبائلی ہیں ان وجوہ سے یہاں فوج کی روانگی میں بڑی دوراندیشی اور مصلحت سے کام لینا پڑتا تھا۔ اگر فوج کم تعداد میں ہو تو دشمن کا لقمہ بن جائے اور اگر زیادہ تعداد میں ہو تو بھوکوں مر جائے اس لئے جیسے حالات ہوتے انہیں کے مناسب فوجیں بھیجی جاتی تھیں مستقل غزوہ اور جہاد کے موقع پر بڑی فوج آتی تھی، جیسے ۲۳ھ اور ۲۹ھ میں فتح مکران کے لئے مستقل فوج کشی ہوئی اور بھاری تعداد میں مجاہدین اسلام پورے ساز و سامان کے ساتھ آئے اسی طرح ۳۸ھ میں مکران، قندابیل اور قیقان کی فتوحات میں بہت بڑی فوج تھی، اور خراسان و سجستان کی فتوحات کے سلسلے میں اگر ہندوستانی علاقوں میں فوجی اقدام کی ضرورت ہوتی تو حسب ضرورت مناسب تعداد میں دستے اور رسالے روانہ کیے جاتے تھے، چنانچہ بلوچستان، قیرج، داور وغیرہ میں خراسان اور سجستان و کرمان وغیرہ کی فوجوں کے دستے اور رسالے آئے تھے۔

۳۳ھ میں عبدالرحمٰن بن سمرہ نے سجستان کی جنگ میں سندھ کے بلاد داور پر فوج کشی کی اس وقت ان کے ساتھ آٹھ ہزار فوج تھی، بلاذری نے لکھا ہے۔

فکانت عدة من معه من المسلمین ثمانیه الاف

ان کے ہمراہ آٹھ ہزار مسلمان تھے۔ (فتوح البلدان ص ۳۸۶)

اور جب ۳۸ھ میں حارث بن مرہ عبدی نے قندابیل وقیقان میں جنگ کی تو ایک موقع پر ایک شخص کو ایک ہزار سوار فوج کا امیر بنایا اور دو شخصوں کو پانچ پانچ سو پیدل فوجوں کی امارت سپرد کی گئی جیسا کہ چچ نامہ میں ہے ان دونوں مثالوں سے سندھ و مکران کی اسلامی فوجوں کی تعداد کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

دعوت توحید و رسالت

ہندوستان میں مجاہدین اسلام کی آمد توحید و رسالت کی تبلیغ کے لیے تھی۔ ان کو خوب معلوم تھا کہ مکران وطوران اور سندھ کا علاقہ زندگی کے وسائل سے محروم ہے چہ جائیکہ وہاں سے مال غنیمت کی توقع

۱۰۲۔ کتاب الامالی ج ۳ ص ۴۶۔ ۱۰۳۔ فتوح البلدان ص ۳۸۶۔

کی جائے۔اس لئے یہاں کے غیر متمدن اور قبائلی انسانوں کو دولت اسلام دیکر ایک جوان بخت اور بلند اقبال قوم میں شامل کرنا ان کا اصلی مقصد تھا۔ چنانچہ مجاہدین اسلام نے اپنے ان دینی و اسلامی جذبات کا اظہار بھی کیا۔عمرو بن معدیکرب نے حضرت ربیع بن زیاد حارثی کی فتح فہرج و مکران کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے۔

ومضی ربیع بالجنود مشرفا
ینوی الجهاد و طاعة الرحمن

ربیع بن زیادہ جہاد اور اطاعت الٰہی کی نیت کرتے ہوئے لشکر کو بڑھاتے چلے گئے۔

حتی اباح قری سواد و فارس
والسهل والاجبال من مكران ۱۰۲

یہاں تک کہ سواد عراق اور فارس کے شہروں اور مکران کی نرم و سخت زمینوں کو فتح کرلیا۔

ان اشعار میں ایک مجاہدین اسلام جس نے خود بھی یرموک، نہاوند، قادسیہ کے غزوات وفتوحات میں شاندار اور بہادرانہ خدمات انجام دی ہیں اپنے ایک مجاہد بھائی کی ترجمانی کرتا ہوا کہہ رہا ہے کہ ربیع بن زیاد حارثی نے جہاد کی نیت اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی واطاعت کے جذبہ سے سواد عراق علاقہ فارس اور مکران کے صحرائی اور پہاڑی مقامات میں مجاہدانہ خدمات پیش کی ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ نے داور کو فتح کرکے اس کے بت خانہ زور میں رکھے ہوئے سونے کے بت کا ایک ہاتھ توڑ دیا اور اس کی یاقوت کی دونوں آنکھیں نکال کر وہاں کے حاکم سے کہا۔

دونک الذهب والجواهر و انما اردت ان اعلمک انه لا یضر و لا ینفع ۱۰۳

یہ سونا اور جواہر تم لے لو، میں نے صرف اس ارادہ سے اس کو توڑا ہے کہ تم کو دکھادوں کہ یہ بت نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتا ہے۔

اصابہ میں واقعہ مجاشع بن مسعود سلمی کی طرف منسوب ہے اور دولابی کے حوالے سے یوں درج ہے۔

۱۰۳۔ الاصابہ ج ۳ ص ۳۴۲۔

انه غزا كابل من بلاد الهند فصالحه الا صيهد فدخل مجاشع بيت الاصنام فاخذ جوهرة من عين الصنم، وقال لم اخذها الا لتعلموا انه لا يضرو لا ينفع [105]

مجاشع بن مسعود نے بلاد ہند سے کابل میں جہاد کیا اور صلح کے بعد بت خانے میں گئے اور بت کی آنکھ سے ایک موتی نکال کر کہا کہ میں نے اسے صرف اس لئے نکالا ہے کہ تم لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ بت نہ تو نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی نقصان دے سکتا ہے۔

اس واقعہ میں اہل ہند کو دکھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز میں نفع یا نقصان پہنچانے کی طاقت نہیں ہے اور معبود صرف اللہ تعالیٰ ہے، یہ کام ایک مسلمان مجاہد و مبلغ ہی کر سکتا ہے کہ یاقوت و جواہر اور سونے چاندی سے مٹھی بھر کر پھینک دے اور ان کے پجاریوں سے کہے کہ تم اسے لے لو مجھے تو تمہاری چیز سے اپنا عقیدہ ثابت کرنا تھا، مال و دولت کی حریص قوم سے ایسے بلند کردار کا ظہور نہیں ہو سکتا۔

اموال غنیمت اور جنگی قیدی

اس میں شک نہیں کہ غزوات وفتوحات میں کبھی کبھی مال غنیمت ہاتھ آیا اور مجاہدین اسلام نے اسے خوشی خوشی لیا۔ مگر خود ان کی جانی و مالی قربانی کے مقابلہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی، اور نہ یہ ان کے مقاصد جہاد میں شامل تھا بلکہ جہاد کی راہ میں اس سے گونہ مدد اور تشجیع ہوئی۔ پھر سندھ و مکران میں زر و اموال کی توقع ہی کیا تھی۔ مسلمانوں کو پہلے سے معلوم تھا کہ اس علاقے میں معاش و معیشت نہایت تنگ ہے، بھوک پیاس کا غلبہ ہے وحشت و بداوت اور فقر و فاقہ عام ہے، حضرت عمرؓ نے قندابیل کے بارے میں سوال کیا تو نہایت ہمت شکن باتیں سامنے آئیں، پھر ایک مرتبہ مکران کے متعلق دریافت کیا تو وہی باتیں معلوم ہوئیں، اور حضرت عثمانؓ نے یہاں بطور خود مبصر و مخبر بھیجا تب بھی وہی نامساعد حالات و واقعات معلوم ہوئے۔ ایسی صورت میں یہاں سے غنائم کے حصول کا تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ ہندوستان اگر سونے کا مور تھا تو سندھ اور مکران اس کے دونوں پاؤں تھے۔ مگر ان حالات میں بھی مجاہدین اسلام کو یہاں کے غزوات وفتوحات میں حربی قوانین کی رو سے کچھ نہ کچھ مال غنیمت اور جنگی

105۔ فتوح البلدان ص ۴۷۰۔ 106۔ سنن ابوداؤد۔

قیدی ہاتھ آئے، اور انہوں نے بڑے استغفار اور بے نیازی کے ساتھ ان سے اپنے حقوق کیلئے بھی اور اسی شان سے ان سے دست بردار بھی ہوئے۔

۱۷ھ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری نے اہواز کے جاٹوں اور اساورہ کو جنگ میں گرفتار کرنے کے بعد ان کو مجاہدین اسلام میں تقسیم بھی کر دیا، مگر بعد میں حضرت عمرؓ کے حکم و مشورہ پر تمام مجاہدین نے ان کو رہا کر دیا، سویش عدوی کا بیان ہے۔

اتینا الاهواز، وبهاناس من الزط والاساورة فقاتلناهم قتالاً شديداً فظهرنا عليهم و ظفرنابهم فاصبنا سبيا كثيراً اقتسمنا، فكتب الينا عمر انه لا طاقة لكم بعمارة الارض فخلوا ما فى ايديكم من السبى واجعلوا عليهم الخراج فرددنا السبى و لم نملكهم ۱۰۵

ہم اہواز آئے تو یہاں جاٹوں اور اساورہ سے ہماری جنگ ہوئی اور شدید قتال کے بعد ہم ان پر غالب آئے اور بہت سے قیدی ہمارے ہاتھ آئے جن کو ہم نے تقسیم کر لیا پھر حضرت عمرؓ نے ہمارے پاس لکھا کہ تم لوگ وہاں کی خالی زمینوں کی کاشت نہیں کر سکتے ہو اس لئے اپنے اپنے قیدیوں کو رہا کر کے ان پر خراج لگا دو چنانچہ ہم نے ان سب کو رہا کر دیا۔

اس ایک واقعہ سے سندھ و بجستان کے مجاہدین کی سیر چشمی، بے نیازی اور اسلامی اصول کی پابندی کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے اگر ان کا مقصد مال غنیمت اور غلام کا حصول ہوتا تو اتنی آسانی سے وہ اپنی ملکیت اور حق سے دست بردار نہ ہو جاتے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ نے جس وقت کابل فتح کیا تو اسلامی لشکر کا ایک ٹکڑا ہنگامی حالات سے متاثر ہو کر مال غنیمت حاصل کرنے میں لگ گیا، اور لوگ اس پر ٹوٹ پڑے یہ بے ضابطگی دیکھ کر عبدالرحمٰن بن سمرہ نے ایک مختصر سی تقریر کی جس میں کہا کہ:

سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهى عن النهبىٰ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے لوٹ سے منع فرمایا ہے۔

اس حدیث رسول کا سننا تھا کہ فوج کے جن افراد نے جو مال لیا تھا فوراً واپس کر دیا اور امیر لشکر نے اسے شرعی اصول کے مطابق تمام سپاہیوں میں تقسیم کیا[106] یقیناً اسلامی فوج کے بعض سپاہی فتح و کامرانی کے بعد اپنے حقوق پر بے تحاشا ٹوٹ پڑے اور اپنی چیز لینے میں عجلت کر بیٹھے، مگر جوں ہی ان کے امیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حکم سنایا سب ''آمنا وصدقنا'' کہہ کر امیر کے سامنے سب کچھ لا کر رکھ دیا۔ اگر ان کو مال و دولت کی طمع ہوتی یا ان کے جان و مال کھپانے کا مقصد جلب منفعت ہوتا تو وہ اتنی بات پر سر تسلیم خم نہ کرتے، اس وقت کے بعض مظاہرے درحقیقت نعمت خداوندی کے حصول میں رغبت کی وجہ سے ہوا کرتے تھے کیونکہ مال غنیمت جہاد کے حسنات و برکات کا عجالہ ہوا کرتا ہے جس میں ہر غازی و مجاہد کا حق ہے اور وہ اپنے حق کیلئے جلدی کرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے کہ شریر و سرکش انسانوں کا مال نیک اور شریف انسانوں کے کام آیا چنانچہ حضرت حکم بن عمرو تغلبیؓ نے فتح مکران کے موقع پر اسی جذبہ تشکر کا اظہار ان شعروں میں کیا تھا۔

لقد شبع الارامل غیر فخر
بفیئ جاء من مکران

مکران سے آئے ہوئے مال غنیمت سے ہوائیں شکم سیر ہوئیں اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے بلکہ اس پر خدا کا شکر ہے۔

اتاھم بعد مسغبة و جھد
وقد صفر الشتاء من الدخان

یہ مال غنیمت ان کو بڑی گرسنگی اور تکلیف کے زمانے میں ملا اور چولہے میں آگ نہ جلنے کی وجہ سے موسم سرما دھوئیں سے خالی تھا۔

خلافت راشدہ میں ہندوستان کے کسی جہاد میں مسلمانوں کو شکست یا ناکامی نہیں ہوئی بلکہ انہوں نے جس علاقے میں قدم رکھا فتح و نصرت ان کے جلو میں رہی اور ہر معرکہ میں مال غنیمت اور قیدی ہاتھ آئے اور اگر طرفین سے صلح ہوئی تو اس میں بھی مسلمان فائدے میں رہے، چنانچہ ۲۳ھ سے پہلے تھانہ بھڑوچ، دیبل اور مکران کی مہمات میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی جس کے ساتھ غنائم بھی ہاتھ آئے، مگر چونکہ یہ فتوحات خلافت کی مرضی و اجازت کے بغیر مجاہدوں نے رضا کارانہ طور پر حاصل کی تھیں۔ اس لئے ان کے غنائم سے دار الخلافہ کو خمس نہیں بھیجا گیا بلکہ جو کچھ حاصل ہوا مجاہدوں پر تقسیم کر دیا گیا،

۱۰۷۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۱۔ ۱۰۸۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۳۔ ۱۰۹۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۰۔

البتہ ۲۳ھ میں فتح مکران کے موقع پر مال غنیمت اور قیدیوں کی بڑی مقدار ہاتھ آئی، اس لئے اس سے خلافت کا حصہ روانہ کیا، اور ہاتھیوں کے بارے میں حضرت عمرؓ سے مشورہ طلب کر کے ان کی ہدایت کے مطابق ان کی قیمت مجاہدین پر بقدر حصہ تقسیم کر دی گئی، ہندوستان کے مال غنیمت کا یہ پہلا خمس تھا جو خلافت فاروقی میں مدینہ منورہ روانہ کیا گیا، اس غزوہ میں مال غنیمت کی کثرت کا انداز طبری کے ان الفاظ سے ہوسکتا ہے۔

فهزم الله رأسل و سلبه و اباح المسلمون عسكره

اللہ تعالیٰ نے راجہ راسل کو ہزیمت دی اور اسکا ساز وسامان مسلمانوں کو دیا، اور مسلمانوں نے اس کے لشکر کو لوٹا۔

مال غنیمت کے خمس کی روانگی اور ہاتھیوں کے بارے میں مشورہ کا ذکر یوں کیا ہے۔

و كتب الحكم الى عمر بالفتح وبعث بالاخماس مع صحار العبدى و استامره فى الفيلة ۱۰۷

حکم بن عمرو نے حضرت عمر کے پاس فتح کی بشارت کا پروانہ روانہ کیا اور صحار عبدی کے ذریعہ یہاں خمس بھیجا، اور ہاتھیوں کے بارے میں مشورہ طلب کیا۔

حضرت عمر نے اس سلسلے میں جو ہدایت نامہ روانہ کیا تھا اس میں یہ تھا کہ:

وامره ببيع الفيلة بارض الاسلام و قسم اثمانها على من افاء ها الله عليه ۱۰۸

آپ نے حکم بن عمرو کو حکم دیا کہ ان ہاتھیوں کو بلاد اسلامیہ میں فروخت کر کے ان کی قیمت مجاہدوں پر تقسیم کر دیں۔

تاریخ کے یہ مختصر و محتاط الفاظ بتا رہے ہیں کہ اس موقع پر مسلمانوں کو غنائم و سبایا سے حصہ وافر ملا تھا، نیز حضرت حکم بن عمرو تغلبی کے اشعار سے مال غنیمت کی کثرت وافادیت معلوم ہوتی ہے۔

اسی سال حضرت سہل بن عدیؓ کی امارت وقیادت میں بلوچستان فتح ہوا، اور مسلمانوں نے جی بھر کر مال غنیمت میں اونٹ، بھیڑ بکری بڑی تعداد میں حاصل کئے اور مکران کے ہاتھیوں کی طرح بلوچستان کے بختی اونٹوں کے بارے میں حضرت عمرؓ سے استصواب کیا گیا، بات یہ تھی کہ یہاں کے بختی

۱۱۰۔ فتوح البلدان ص ۳۸۶۔ ۱۱۱۔ تاریخ خلیفہ ج ۱ ص ۲۱۴۔

اونٹ ڈیل ڈول میں عربی اونٹوں سے آگے تھے اس لئے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت اختلاف ہو گیا کہ ان کو عربی اونٹوں کے معیار پر رکھا جائے، یا ان کی قیمت زیادہ رکھی جائے، بعد میں حضرت عمرؓ کی ہدایت کے مطابق قیمت کے اندازہ پر ان کی تقسیم ہوئی۔۱۰۹

۳۳ھ میں عبدالرحمٰن بن سمرہ نے بجستان اور علاقہ سندھ کی فتوحات میں بہت زیادہ غنائم وسبایا حاصل کئے، زرنگ کا محاصرہ کرنے کے وہاں کے حاکم سے دولاکھ نوکروں اور خادموں کی ادائیگی پر صلح کی، پھر علاقہ سندھ میں آئے تو داور کا محاصرہ کر کے وہاں کے لوگوں سے بھی مال کی بھاری تعداد پر صلح کی، یہاں کے غنائم کی کثرت بلاذری کی اس تصریح سے معلوم ہوتی ہے۔

ثم صالحهم فكانت عدة من معه من المسلمين ثمانية الاف، فاصاب كل رجل منهم اربعة الاف ۱۱۰

اس صلح کے وقت حضرت عبدالرحمٰن کے ساتھ آٹھ ہزار مسلمان تھے، اور ان میں سے ہر شخص کو چار چار ہزار درہم ملے تھے۔

مطلب یہ ہے کہ خلافت کے بیت المال کا خمس نکال کر ہر مجاہد کو چار ہزار درہم ملے، اس طرح آٹھ ہزار مجاہدوں میں ۳۲ کروڑ درہم (تقریباً ۱۶ کروڑ روپے) تقسیم کئے گئے۔

۳۸ھ میں حارث بن مرہ عبدی نے فدائیوں کی بھاری فوج لے کر مکران اور سندھ کے علاقوں میں شاندار فتوحات حاصل کیں اور خوب خوب غنائم وسبایا ہاتھ آئے، خلیفہ بن خیاط کا بیان ہے۔

ووغل في جبال القيقان فاصاب سبايا كثيرة ۱۱۱

وہ قیقان کے پہاڑی علاقوں میں بڑھتے چلے گئے اور بہت سے قیدی ہاتھ آئے۔

بلاذری نے بھی اس مہم کی فتوحات وغنائم کو بیان کر کے لکھا کہ ایک دن میں ایک ہزار جنگی قیدی اسلامی فوج میں تقسیم کئے گئے۔

واصاب مغنما و سبياً و قسم في يوم واحد الف راس ۱۱۲

حارث بن مرہ عبدی نے بہت سے مال غنیمت اور قیدی پائے اور ایک دن میں ایک ہزار غلام تقسیم کئے۔

۱۱۲۔ فتوح البلدان ص ۴۲۱۔

یوں تو دور خلافت میں ہندوستان کی تمام فتوحات میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی اور مال غنیمت اور قیدی ہاتھ آئے، مگر مذکورہ بالا چار فتوحات میں غنائم وسبایا بہت زیادہ ہاتھ آئے، اور اسلامی احکام کے مطابق ان کی تقسیم یوں ہوئی کہ کل مال غنیمت کا پانچواں حصہ (خمس) بیت المال کو روانہ کر دیا گیا اور باقی چار حصے مجاہدوں میں ان کے حصہ اور حق کے مطابق تقسیم کر دیئے گئے، یہاں ایک موقع پر ہر سپاہی کو چار چار ہزار درہم ملے تھے، اور یہ وصیف وسبی اپنے مالکوں کی ولاء اور حمایت میں عرب کی کھلی فضا میں پروان چڑھے، اور آگے چل کر ان میں بڑے بڑے علما، فقہاء، محدثین، شعراء، ادباء اور دیگر علوم وفنون کے ائمہ پیدا ہوئے، جیسا کہ اپنی جگہ پر مذکور ہے۔

انتظامات وتعلقات

خلافت راشدہ میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے تک حجاز کا شہر مدینہ منورہ عالم اسلام کا دارالخلافہ تھا اور اس پچیس سال کی مدت میں پورے ممالک اسلامیہ اور مفتوحہ علاقے اسی مرکز سے وابستہ رہے، مگر اس درمیان میں مشرقی ممالک کے حربی اور انتظامی امور ومعاملات کے دو مرکز عراق میں بنائے گئے تھے، ایک بصرہ جو جنوبی مشرقی ممالک یعنی فارس ومکران اور سندھ کے جملہ معاملات کا مرکز تھا، اور یہاں کا امیر خلیفۃ المسلمین کے نائب کی حیثیت سے ان ممالک کا امیر ہوتا تھا، اور دوسرا کوفہ جو شمالی مشرقی ممالک یعنی بلاد ماوراء النہر سے سمرقند کاشغر تک کا مرکز تھا اور یہاں کا امیر اسی حیثیت سے ان علاقوں کا امیر ہوتا تھا، چنانچہ فارس اور سندھ وغیرہ میں غزوات وفتوحات، امراء وعمال کے عزل ونصب، خروج وبغاوت کی تادیب وسرکوبی اور ملکی انتظامات کے ذمہ دار بصرہ کے امراء ہوتے تھے، اور امیر المومنین کے حکم ومشورہ اور ہدایت کے مطابق ان میں کام کرتے تھے، یہ امراء ان مشرقی ممالک کی مہمات پر خود بھی آتے تھے اور اپنے ماتحت امراء کو بھی روانہ کرتے تھے، یعنی یہ مرکز اصل مرکز کی ماتحتی میں کام کرتا تھا اور اپنے متعلقہ علاقوں کے انتظام وانصرام کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ ۳۵ھ کے بعد مدینہ منورہ کی اصل مرکزیت کوفہ کے حق میں ختم ہوگئی مگر اس دور میں بھی بصرہ کی علاقائی مرکزیت باقی رہی، اور یہاں کے امراء فارس اور ہندوستان میں اپنی نیابت میں ولاۃ وحکام بھیجتے رہے، اس طرح خلافت راشدہ میں مدینہ منورہ سے امیر المومنین کے احکام امیر بصرہ کے پاس اور

وہاں سے مکران اور سندھ وغیرہ کے عمال و حکام تک پہنچتے تھے، بسا اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ براہ راست مدینہ سے ان علاقوں کا تعلق قائم ہو جاتا تھا، درمیان میں بصرہ کا واسطہ نہیں ہوتا تھا مگر عام حالات میں انتظامی طور سے مکران اور سندھ کے مقبوضہ علاقے ان تین مرکزوں سے متعلق رہتے تھے، پہلے یہاں کے مقامی مرکز اور مقامی امیر سے دوسرے بصرہ کے علاقائی مرکز وامیر سے اور تیسرے حجاز کے اصل مرکز اور امیر المومنین سے۔

خلفائے راشدین

حضرات خلفائے اربعہ میں سے کسی خلیفہ کو ہندوستان یا بیرون عرب جانے کا اتفاق نہیں ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک موقع پر ملک شام تشریف لے گئے تھے، البتہ ان حضرات کو ہندوستان سے دلچسپی ضرور رہی، حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں مشرقی ممالک سے تعلقات ہی نہیں تھے، اس لئے اس دور میں ہندوستان سے تعلق کا سوال ہی پیدا نہیں تھا۔ البتہ حضرت عمرؓ کے دور میں جب مشرق کی فتوحات ہوئیں اور ارض الہند یعنی ابلہ فتح ہوا تو آپ کو ہندوستان سے دلچسپی پیدا ہوئی اور سب سے پہلے آپ نے سندھ کے مرکزی مقام قندابیل کے حالات معلوم کئے اس کے بعد جب ۲۳ھ میں صحار عبدی مکران سے مال غنیمت لے کر حاضر ہوئے تو ان سے وہاں کے متعلق استفسار کیا، نیز یہاں کے امیروں اور فاتحوں کو متعدد مواقع پر ہدایات دیں اور سرکاری سطح پر خط وکتابت جاری رکھی اور ذاتی طور سے یہاں کی فتوحات و معاملات میں دلچسپی لی، یہی حال حضرت عثمانؓ کا تھا کہ آپ نے سندھ اور مکران میں حکیم بن جبلہ عبدی کو مخبر و مبصر بنا کر بھیجا۔ اس کے بعد اپنے حکم وامر سے مکران کی بغاوت وسرکشی ختم کرنے کے لئے سخت قسم کی تادیبی کارروائی کی، اور خصوصی توجہ سے ان علاقوں میں بہترین انتظام قائم کر کے یہاں یکے بعد دیگرے تین امراء مقرر کیے، حضرت علی کو اس ملک کے باشندوں سے خصوصی تعلق تھا، یہاں کی مسلمان باندیاں ان کے پاس اور ان کے خاندان میں رہیں، عراق کے مسلمان جاٹوں نے آپ سے محبت و عقیدت کا تعلق قائم کیا اور آپ نے ان کو بصرہ کے بیت المال کا محافظ و نگران بنایا، اور آپ ہی کی مرضی واجازت سے حارث بن مرہ عبدی نے مکران وقندابیل اور قیقان وغیرہ میں شاندار فتوحات حاصل کیں، الغرض خلفائے راشدین کو ہندوستان سے خصوصی تعلق تھا اور یہاں کے ہر معاملہ میں وہ

۱۱۳۔ اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۴۶۔

اپنے امراء کے ذریعے اور بہ نفس نفیس بھی دخیل ہوتے تھے۔ اور ہندوستان اپنے ان خلفاء و امراء کی توجہات و عنایات سے مستفیض ہوتا تھا۔

ہندوستان کے بصری امراء و حکام

مدینہ منورہ کے بعد اسلامی ہند کا علاقائی مرکز بصرہ تھا جسے ۱۴ھ میں حضرت عتبہ بن غزوانؓ نے حضرت عمرؓ کے حکم و مشورہ سے ابلہ کے قریب آباد کیا تھا، یہاں کے امراء مشرقی ممالک اور ہندوستان کے بھی امیر اور گورنر ہوتے تھے، خلافت راشدہ میں (۱) بصرہ کے سب سے پہلے باقاعدہ امیر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ ہوئے جن کو حضرت عمرؓ نے یہاں کی امارت دی، اور جو ۱۷ھ سے ۲۸ھ تک اپنے عہدے پر رہے، (۲) ان کے بعد حضرت عبداللہ بن عامر بن کریزؓ کا دور امارت آیا جو حضرت عثمانؓ کی شہادت ۳۵ھ تک بصرہ کے امیر رہے، (۳) پھر حضرت علیؓ کے ابتدائی دور خلافت میں حضرت عثمان بن حنیفؓ امیر مقرر ہوئے، مگر جلد ہی ۳۶ھ میں جنگ جمل کے موقع پر آپ کی امارت جاتی رہی، اور (۴) حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو امیر بنایا جو آپ کی شہادت ۴۰ھ سے پہلے ہی اس عہدہ سے علیحدہ ہو کر حجاز چلے گئے، خلافت راشدہ میں بصرہ کے یہ چاروں گورنر فارس اور ہندوستان کے بھی حاکم اعلیٰ تھے، اور ہر ایک نے اپنے اپنے دور امارت و حکومت میں ان ممالک کی فتوحات و مہمات اور انتظامات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ہندوستان کے ان بصری امراء و حکام کا مختصر تعارف یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ

آپ کا نام عبداللہ بن قیس ہے، یمن کے اشاعرہ میں سے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کے علاقے زبید کا عامل بنایا تھا، حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ میں مغیرہ بن شعبہ کے بجائے ابوموسیٰ اشعری کو بصرہ کا امیر مقرر کیا، اور وہ آپ کی شہادت ۲۳ھ کے بعد بھی حضرت عثمانؓ کے دور میں بھی بصرہ کی امارت سنبھالے رہے حتی کہ ۲۸ھ میں عبداللہ بن عامر بن کریز یہاں کے امیر ہوئے تو کوفہ چلے آئے اور ۴۲ھ یا ۵۰ھ یا ۵۲ھ میں فوت ہوئے۔[113] آپ نے خراسان اور فارس کے علاقوں میں بہت زیادہ فتوحات حاصل کی ہیں، اور جنوبی مشرقی ممالک کے پورے علاقے میں آپ نے اور آپ کے

۱۱۴۔ اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۹۱ و ص ۱۹۲۔ ۱۱۵۔ اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۷۱۔

امراء و عمال نے اسلام کی بہترین خدمات انجام دی ہیں، بعض روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ مکران بھی تشریف لائے تھے، اور یہاں کے سیاسی و ملکی اور حربی معاملات کی آپ نے دیکھ بھال کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عامر بن کریزؓ

حضرت عثمان کے ماموں زاد بھائی ہیں، عہد رسالت میں پیدا ہوئے اور خدمت نبوی میں لائے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحنیک فرما کر ان کے حق میں بشارت دی اور دعا فرمائی، ۲۹ھ میں حضرت عثمان نے حضرت عبداللہ بن عامر کو حضرت ابوموسیٰ اشعری کی جگہ بصرہ کا گورنر بنا کر پورے مشرقی علاقے کا امیر و حاکم مقرر کیا، اس وقت ان کی عمر چوبیس پچیس سال کی تھی، انہوں نے بھی اپنے دور امارت میں خراسان، اطراف فارس، بحستان، کرمان، زابلستان وغیرہ کو فتح کیا اور ان ممالک میں بیش بہا اسلامی خدمات انجام دیں، بہت ممکن ہے اسی سلسلہ میں مکران و سندھ بھی آئے ہوں میدان عرفات میں سب سے پہلے عبداللہ بن عامر نے حوض تعمیر کرائے، چشمے جاری کئے اور باغات لگوائے، ۳۵ھ تک بصرہ اور مشرقی عالم اسلام کے امیر و حاکم رہے پھر حضرت معاویہ کے زمانہ میں یہاں کے امیر ہوئے اور ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں فوت ہوئے۔ ۱۱۴

حضرت عثمان بن حنیف انصاریؓ

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوۂ احد اور اس کے بعد کے تمام غزوات و مشاہد میں شریک رہے، حضرت عمرؓ نے عراق کی فتح کے بعد سواد عراق کی زمینوں کی پیمائش اور ان پر خراج کی تشخیص کے لئے آپ ہی کی خدمات حاصل کی تھیں اور آپ نے نہایت حسن و خوبی کے ساتھ اس کام کو انجام دیا، حضرت علیؓ نے ۳۵ھ میں عبداللہ بن عامرؓ کی جگہ عثمان بن حنیف کو بصرہ اور مشرقی بلاد و امصار کا حاکم بنایا اور وہ جنگ جمل تک اپنی ذمہ داریاں بوجوہ احسن سنبھالتے رہے، اس کے بعد حضرت علی نے ان کی جگہ حضرت عبداللہ بن عباس کو مقرر کیا، اور عثمان بن حنیف کوفہ میں سکونت پذیر ہو گئے۔ ۱۱۵

حضرت عبداللہ بن عباسؓ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور مشہور و معروف اور جلیل القدر صحابی ہیں،

۱۱۶۔ اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۹۳ فتوح البلدان ۳۸۷۔ ۱۱۷۔ ابن کثیر ج ۱ ص ۸۰۔

حبر الامت لقب ہے، عثمان بن حنیف انصاری کے بعد حضرت علیؓ نے آپ کو بصرہ کا امیر و حاکم مقرر کیا، آپ نے مشرقی ممالک کی شورش و بغاوت ختم کرنے میں شاندار خدمات انجام دی ہیں۔ آپ کے دورِ امارت میں حسکہ بن عتاب حبطی اور اس کے ساتھیوں نے سجستان میں خروج و بغاوت کر کے قتل و غارت اور خود مختاری کی فضا پیدا کر دی تھی، آخر حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباس سے یہاں سخت تادیبی کارروائی کیلئے کہا اور آپ نے چار ہزار سپاہیوں کی فوج ربعی بن کاس عنبری کی امارت میں روانہ کیا اس کے بعد علاقہ سجستان میں امن و امان ہوا اور حضرت حارث بن مرہ عبدی نے مکران اور سندھ میں شاندار فتوحات حاصل کیں۔[۶] ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ابن عباس کا یہ قول ہندوستان کے بارے میں نقل کیا: اھبط آدم بدحناء ارض الھند[۷]

مدینہ منورہ کے خلفائے اربعہ کے بعد بصرہ کے ان امراء اربعہ نے ہندوستان اور مشرقی ممالک میں اسلام کی بہترین خدمات انجام دی ہیں، اور اپنے اپنے دورِ امارت میں یہاں سے ہر قسم کے صلات و تعلقات قائم کرنے میں بہترین کوشش کی ہے، ہندوستان اپنے خلفاء راشدین کی طرح اپنے ان امراء مہدیین کے ذریعے اسلامی ثقافت سے مالا مال ہوا ہے۔

مکران و قندابیل کے مقامی امراء و حکام

حجازی اور عراقی مرکزوں اور یہاں کے خلفاء و امراء کے بعد ہمیں خود ہندی مرکز اور یہاں کے امیروں کا جائزہ لینا ہے کہ ان ہی سے براہ راست اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کے ابتدائی ابواب مرتب و مدون ہوئے ہیں اور ان ہی سے بالواسطہ ہمارا ابتدائی تعلق قائم ہوا ہے۔

جیسا کہ گزشتہ بیانات سے معلوم ہوا خلافت راشدہ میں ہندوستان کا شمالی و مغربی حصہ اسلام کا مرکز بنا، جو شمال میں کابل و سجستان تک جنوب میں مکران و سندھ تک، مشرق میں کرمان اور زابلستان تک اور مغرب میں بحر عرب تک پھیلا ہوا تھا، ان حدودِ اربعہ کے اندر جو وسیع و عریض علاقہ تھا اسے قدیم ہندوستان کہتے تھے، اس میں مکران، بلوچستان، قیقان، داور، بامیان، قندابیل، تیقان، سندھ وغیرہ شامل تھے، یعنی خلافت راشدہ کے ہندوستان میں موجودہ ایران اور افغانستان کا تقریباً تمام رقبہ اور پاکستان کا شمالی مغربی حصہ شامل تھا، کرمان اور سجستان کے درمیان مکران و طوران کا علاقہ پڑتا تھا، جس کا مغربی شمالی حصہ سجستان سے متصل تھا جیسے قیقان اور داور وغیرہ اس کے بعد جنوب میں سندھ واقع

تھا جس کے بعض بعض علاقے بجستان اور مکران وغیرہ کے قریب تھے، اس علاقے سندھ میں قندابیل مشہور مقام تھا اور خلافت راشدہ میں ہندوستان کے ان ہی دونوں مقاموں یعنی مکران وقندابیل میں مقامی امراء و مجاہدین قیام کرتے تھے اور ان ہی اسلامی ہند کا دارالامارہ تھا، ہماری تحقیق میں یہاں کا پہلا دارالامارہ مکران میں مقام کیز یا کیج تھا، مکران کسی خاص شہر کا نام نہیں تھا بلکہ یہ ایک علاقہ تھا اور بعد کی تصریحات کے مطابق یہاں کا والی ؤ امیر مقام کیز میں قیام کرتا تھا جو مکران کا مشہور شہر، اور یہاں کی بندرگاہ تھی یہاں کھجور کے باغات اور نخلستان بہت زیادہ تھے، یہ شہر ساحل سمندر پر واقع ہونے کی وجہ سے عرب وہند کے تعلقات کا بحری دروازہ تھا، اور اس کے ریگستانوں میں کھجوروں کے باغات عربوں کے لئے کشش کا باعث تھے، اس لئے یہی دارالامارۃ قرار پایا، اور یہیں مکران کا امیر اپنے آدمیوں اور فوجیوں کے ساتھ رہتا تھا۔ عہد فاروقی میں فتح مکران ۲۳ھ کے بعد سے شہادت عثمان ۳۵ھ تک اس ملک کا یہی اصل مرکز رہا، اور قندابیل کی حیثیت فوجی چھاؤنی کی تھی، اس کے بعد حضرت علیؓ کے دور میں مسلمانوں نے علاقہ سندھ میں قندابیل کی مرکزیت کو وسعت دی، جو قدیم زمانے سے علاقے بدھ اور علاقہ سندھ کا مرکزی مقام تھا، اور یہاں کا پہاڑی قلعہ ہر طرح سے محفوظ مانا جاتا تھا، خلیفہ بن خیاط کی روایت کے مطابق ۳۶ھ ہی میں حارث بن مرہ عبدی نے اسی سے سندھ و مکران میں فتوحات کیں، مگر اس کے باوجود مکران کی مرکزیت باقی رہی اور کہنا چاہئے کہ اصل مرکز وہی تھا اور قندابیل اس کے ماتحت تھا، اس سے پہلے قندابیل پر مسلمان قابض ہو چکے تھے، اور حضرت عثمان کے زمانے میں یہ مقام مسلمانوں کا حربی وفوجی مرکز تھا جہاں شہ سواروں کے دستہ رہا کرتے تھے، اور بوقت ضرورت اطراف و جوانب میں ان سے کام لیا جاتا تھا، البتہ اس کی باقاعدہ فوجی مرکز کی حیثیت بعد میں ہوئی، مگر ۴۲ھ میں اس علاقے میں اسلامی فوج کی عام شہادت کے بعد باقی ماندہ سپاہی پہلے مرکز مکران میں چلے گئے اور یہاں کی مرکزیت کچھ دنوں کیلئے ختم ہوگئی۔

ہماری تحقیق کے مطابق مکران اور سندھ میں پانچ مستقل امراء و حکام خلافت راشدہ کی طرف سے مقرر کئے گئے تھے، جو انتظامیہ اور حربیہ دونوں شعبوں کے ذمہ دار تھے، اور یہاں کے غیر اطمینان بخش حالات اور رہ رہ کر خروج و بغاوت کی واردات کی وجہ سے دفاعی سیاست پر عمل کرتے تھے۔

(۱) سب سے پہلے عہد فاروقی میں فاتح مکران حکم بن عمرو تغلبی غفاری ۲۳ھ میں یہاں کے امیر ہوئے ان کے ساتھ سہل بن عدی خزرجی انصاریؓ معاون کی حیثیت سے تھے، اسی سال

ذوالحجہ میں حضرت عمرؓ کی شہادت ہوئی، اس کے بعد حکم بن عمرو یہاں کے امیر و حاکم رہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں کوئی تصریح نہیں ملتی ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حالات بدل گئے تھے اور مقامی باشندوں نے بدعہدی کی راہ اختیار کرلی تھی، اسی لئے حضرت عثمانؓ نے خلیفہ ہوتے ہی یہاں کے حالات کی از سر نو چھان بین کرائی، اور سخت قسم کی تادیبی کارروائی کرکے پورے علاقے مکران کو زیر کیا۔ غالباً اس درمیان میں حکم بن عمرو یہاں کے امیر نہیں تھے۔

(۲) دور عثمانی میں عبید اللہ بن معمر تیمی قرشیؓ امیر ہوئے اور انہوں نے جنگ کے ذریعے تمام علاقوں کی بغاوت فرو کی۔

(۳) ان کی امارت کے تھوڑے ہی دن بعد حضرت عثمانؓ نے مشرقی بلاد و امصار کے انتظام میں تبدیلی کرکے مکران کی امارت عمیر بن سعد کو دی، جو نسبتاً زیادہ مدت تک یہاں کی امارت پر رہے۔

(۴) ان کے بعد حضرت عثمانؓ کی زندگی ہی میں ابن کندیر قشیریؓ یہاں کے امیر بنائے گئے جو حضرت عثمانؓ کی شہادت ذوالحجہ ۳۵ھ تک اس عہدہ پر فائز رہے، اس کے بعد معلوم نہیں کہ ابن کندیر یہاں رہے یا نہیں، غالب گمان ہے کہ شہادت عثمانؓ کی خبر سے پھر یہاں سرکشی کی فضا پیدا ہوگئی ہوگی، اور اس درمیان میں ابن کندیر کی امارت ختم یا کمزور ہوگئی۔

(۵) بقول خلیفہ بن خیاط ۳۶ھ میں اور بقول بلاذری ۳۸ھ کے آخر یا ۳۹ھ کے شروع میں حضرت علیؓ کی طرف سے حارث بن مرہ عبدی یہاں کے امیر و فاتح بن کر آئے اور انہوں نے مکران کے آگے علاقے سندھ میں قندابیل کو اپنا فوجی و حربی مرکز قرار دیا، مگر ۴۲ھ میں ان کی اور عام اسلامی لشکر کی شہادت کے بعد مسلمان مکران کے دارالامارہ میں چلے گئے۔

یہاں کے ان پانچ مستقل امراء کے علاوہ کچھ اور امراء بھی تھے، جن کا تعلق علاقہ سندھ و مکران کی فتوحات و انتظامات سے تھا، مگر وہ مستقل طور سے دوسرے مقامات کے امیر تھے، جن میں سندھ و مکران کے علاقے بھی واقع تھے، مثلاً سہل بن عدی انصاری کرمان کے فاتح و امیر تھے، مگر ۲۳ھ میں فتح مکران میں حکم بن عمرو تغلبی کے ساتھ ہونے کی وجہ سے یہاں کے معاملات میں حضرت عمرؓ نے ان کو بھی ذمہ

دار بنایا اور صحار عبدی کی زبانی مکران کے ناگفتہ حالات سن کر حکم اور سہل دونوں حضرات کو آگے نہ بڑھنے کی ہدایت کی، حضرت سہل نے اسی سال کرمان کی فتوحات کے سلسلے میں قفس (بلوچستان) پر بھی قبضہ کیا اور اسے بھی اپنی امارت کے ماتحت رکھا، حضرت عاصم بن عمرو نے سجستان کی فتوحات کے ضمن میں سندھ کے بعض علاقوں کو فتح کر کے اپنی امارت میں شامل کیا، حضرت مجاشع بن مسعود سلمی نے ۳۱ھ میں کرمان پر فوج کشی کر کے بلوچستان کی بغاوت فرو کی اور اسے اپنے زیر انتظام رکھا، حضرت عبدالرحمن بن سمرہ نے ۳۳ھ میں سجستان کی امارت کے زمانے میں سندھ کے علاقے داور پر قبضہ کر کے اپنے تابع کیا، یہ تمام امراء و حکام اپنے اپنے ممالک کے امیر رہتے ہوئے ان سے متصل سندھ و مکران کے مفتوحہ مقامات کے بھی امیر رہے۔

اندرونی حوادث وفتن کا اثر ہندوستان پر

خلافت راشدہ کا ابتدائی پچیس سالہ دور فتوحات و انتظامات کے اعتبار سے اسلام کا عہد زریں تھا۔ اس دور میں مجاہدین اسلام افریقہ میں طرابلس تک پہنچ گئے، شمال میں قفقاز کے برف پوش پہاڑوں پر ان کے گھوڑوں کے قدم گئے، مشرق میں ایک طرف ماوراء النہر، سمرقند، بخارا اور ترکستان غربی تک اور دوسری طرف کوہ ہندوکش، مکران اور سندھ تک ان کے جھنڈے لہرائے، اور ان مفتوحہ ممالک میں خوش آیند اور خوشگوار انتظامات جاری ہوئے امن و امان، تمدن و حضارت اور علم وفن کی بہاریں آگئیں اور انسانیت کو نئی زندگی اور نیا ماحول ملا، حالانکہ اس درمیان میں فارس کی قدیم سلطنت نے موت کا سنبھالا لینا چاہا، اور سازش کر کے ابولولو فیروز مجوسی کے ذریعے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کرایا، اس اقدام سے نہ صرف اپنی شکست کا بدلہ لینا چاہا بلکہ اسلامی اثر ونفوذ کو سرے سے ختم ہی کر دینا چاہا، مگر حضرت عثمانؓ کے بارہ سالہ دور خلافت میں اسلامی فتوحات کا سیل فارس کی حکومت کے بچے کھچے خس و خاشاک کو بہالے گیا بلکہ جنوب میں آگے بڑھ کر ہندوستان کے شمالی مغربی علاقہ جات مکران اور سندھ تک یہ رو چلی آئی۔ البتہ حضرت عمرؓ کی شہادت کا یہ اثر ہندوستان پر پڑا کہ یہاں بدعہدی، بغاوت اور سرکشی کی ہوا چل پڑی اور چند دنوں کیلئے یہاں کی فتوحات و انتظامات میں خلل پڑا مگر حضرت عثمانؓ نے جلد ہی ان اطراف کے تمام سرکش علاقوں میں سخت قسم کی تادیبی کارروائی کرا کر

آخری عہد فاروقی نے فتوحات کو مکمل کر دیا، بلکہ پہلے سے زیادہ مضبوط و منظم حکومت قائم کی، اسی طرح دوسرے ممالک میں فتوحات و انتظامات میں زیادتی و بہتری ہوئی حتی کہ ۳۵ھ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت ہوئی اور ایک بار پھر یہاں کے معاملات میں ابتری کے آثار ظاہر ہوئے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور خلافت کے دو تین سالوں میں اندرونی اختلافات و مشاجرات کی وجہ سے ادھر توجہ نہ ہو سکی، حتی کہ ۳۶ھ میں یا مشہور روایت کے مطابق ۳۸ھ کے آخر یا ۳۹ھ کے ابتداء میں ہندوستان کی طرف اسلامی فتوحات کا سیلاب چلا، اور شاندار فتوحات و غنائم حاصل ہوئیں۔

دور علوی میں حارث بن مرہ عبدیؒ کی قیادت میں معرکہ قیقان میں اسلامی فوج فتح و ظفر سے ہمکنار ہو رہی تھی کہ اسی دوران میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی اور اسلامی فوج اپنے مرکز مکران میں لوٹ آئی، مگر ہنگامی طور پر چند دنوں خاموش رہنے کے بعد پھر اپنے کام میں لگ گئی اور پورے نشاط و انبساط کے ساتھ فتوحات کا سلسلہ جاری تھا کہ ۴۲ھ میں یہاں کی اسلامی فوج کا بیشتر حصہ مع اپنے امیر کے شہادت سے ہمکنار ہو گیا، حضرت علیؓ کے دور میں مسلسل حوادث کا ظہور ہوتا رہا اور مرکز فتنوں کی آماجگاہ بنا رہا، ۳۶ھ میں جنگ جمل، ۳۷ھ میں جنگ صفین اور ۳۸ھ میں جنگ نہروان کے واقعات رونما ہوئے مگر ہندوستان میں ان کے اثرات ظاہر نہیں ہوئے، البتہ عرب کے ہندوستانیوں کو ان کی لپیٹ میں آنا پڑا، اور انہوں نے ناطرفداری کے عہد و پیمان کے باوجود حضرت معاویہ کے طرفداروں کے رویہ کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرفداری کی، جس کی پاداش میں ان کو بڑے مصائب کا سامنا کرنا پڑا، اور وہ مجموعی طور سے بنو امیہ کے مخالفین میں شامل ہو کر شر و فساد پر اتر آئے، ہندوستان میں ان حوادث کے اثر انداز نہ ہونے کی ظاہری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان حوادث سے پہلے جو حضرات یہاں کے فاتح و امیر تھے، اگرچہ ان میں سے کئی افراد بعد میں عثمانی الفکر اور علوی الفکر ہو گئے لیکن وہ بعد میں یہاں نہیں آئے اور یہاں پر ان کے آراء و افکار کی اشاعت نہ ہو سکی، اور جو حضرات بعد میں یہاں آئے وہ علوی الفکر تھے، ان کے مقابلے میں یہاں عثمانی الفکر نہیں تھے، تقریباً یہی حال فارس وغیرہ کا تھا، شاید یہی وجہ ہے کہ فارس اور ہندوستان میں آل علی اور اہل بیت کی موالات و محبت کا سکہ چلا، اور عجم میں شیعیت کو فروغ حاصل ہوا، یہ ضروری ہے کہ بعد میں مکران اور سندھ میں خوارج کا زور ہوا، مگر ہر جگہ کی طرح یہاں بھی ان کو کوئی خاص مقام نہیں مل سکا، چنانچہ حضرت

۱۱۸۔ مسالک الممالک، مروج الذہب، احسن التقاسیم، معجم البلدان۔

علیؓ کے مخالفین میں حضرت خریت بن راشد ناجی سامی آئی زمانہ میں مکران آئے، مگر کسی موقع پر ان کا نام تک نہیں ملتا ہے، یہاں کے سابق امراء و حکام میں سحار عبدیؒ عثمانی ذہن کے تھے، اور جنگ صفین میں حضرت معاویہ کی صف میں تھے، حضرت حکیم بن جبلہ عدیؒ بعد میں حضرت عثمانؓ سے برگشتہ ہو کر حضرت علیؓ کے ہمنوا ہو گئے اور بصرہ میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے مقابلہ میں اپنے قبیلہ عبدالقیس کے سات سو آدمیوں کو لے کر آئے اور بڑی بہادری سے لڑ کر واصل بحق ہوئے، حضرت امام حسن بصری بھی طرفداران علی میں تھے، حضرت صیفی بن فسیل شیبانی بھی طرفداران علی میں بڑے سرگرم تھے، اور اسی راہ میں فوت ہوئے، یہ تمام حضرات دور فتن سے پہلے ہندوستان آئے تھے، البتہ حضرت منذر بن جارود عبدی اور حضرت حارث بن مرہ عبدی علوی ذہن و مزاج کے تھے بلکہ ان امور و معاملات میں پیش پیش تھے۔ یہ حضرات بعد میں یہاں فاتح و امیر بن کر آئے، حضرت حارث عبدی نے حضرت علی کی اجازت و مرضی سے یہاں شاندار فتوحات و غنائم حاصل کیں اور حضرت منذر بن جارود عبدی یزید کے دور میں یہاں کے امیر ہوئے اور یہیں فوت ہوئے۔

ناموافق حالات اور انتظامی مشکلات

مکران اور سندھ میں مسلمانوں نے انتظامات کے سلسلے میں بے پناہ مصائب و مشکلات کا مقابلہ کیا اور اپنی خداداد صلاحیت کا بہترین حصہ اس خطہ ہند پر صرف کر کے امن و امان، تہذیب و تمدن، اور دین و دیانت کی فضاء پیدا کی۔

عرب مورخوں اور جغرافیہ نویسوں کے بیان کے مطابق مکران ایک وسیع و عریض گرم ریگستانی علاقہ تھا، جس پر قحط، گرانی، معاشی تنگی اور وسائل زندگی کی نایابی کا غلبہ تھا، زمین کا اکثر حصہ بے آب و گیاہ صحراؤں اور ریگستانوں پر مشتمل تھا، دریا اور ندیاں نہ ہونے کے برابر تھیں، باشندے غیر متمدن اور وحشی تھے، میدانوں میں جاٹوں کی آبادی تھی، جو اپنی بود و باش اور وحشی زندگی میں عراق کے کردوں کی طرح اجڈ تھے، پھوس کے جھونپڑوں میں زندگی کے دن کاٹتے تھے، مچھلیوں مرغابیوں کا شکار ان کا ذریعہ معاش تھا۔

سندھ اور قندابیل کا علاقہ بھی اس سے کم بدحال نہ تھا، یہاں کے تمام علاقہ جات بھی خشک و گرم تھے، زمین پہاڑی اور ریگستانی تھی، پانی کی سخت قلت تھی، دریا اور ندیاں یہاں بھی تقریباً مفقود تھیں،

۱۱۹۔ عیون الاخبار، ج ۳ ص ۱۹۹، فتوح البلدان ص ۴۲۱۔ ۱۲۰۔ فتوح البلدان ص ۴۲۰۔

صرف ایک دریائے سندھ جسے عرب مہران کہتے تھے سب کچھ تھا، یہاں کے باشندے بھی وحشت و بداوت میں بہت آگے تھے، جو عام طور سے بدھ مذہب کے پیرو تھے اور ان کے علاقے کو طوران کہتے تھے جس کا مرکزی مقام قندابیل تھا، ان لوگوں میں تمدنی زندگی کے آثار سراسر مفقود تھے،۱۱۸ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کو مکران اور سندھ و قندابیل کے بارے میں ان کے مبصروں اور مخبروں نے یہی اطلاع دی تھی کہ ان مقامات کا پانی ردی ہے، پھل خراب ہے، دشمن قوی ہیکل ہیں، ان کی کثرت و طاقت کا حال ہے کہ اگر ان کے مقابلہ میں فوج کم ہو تو ضائع ہو جائے اور خور و نوش کی اشیاء کی نایابی کا یہ عالم ہے کہ اگر فوج زیادہ ہو تو بھوک پیاس سے مر جائے اور اس سے آگے ہندوستانی علاقوں کا حال اور بھی ناگفتہ بہ ہے۔۱۱۹

یہاں کے طبعی حالات کی ناگواری و ناسازگاری کے ساتھ ان مخبروں اور مبصروں نے بڑی فراخدلی اور حوصلہ مندی سے یہاں کے اپنے دشمنوں کی بہادری و شجاعت کا اعتراف کیا ہے، اپنے دشمنوں کا اعتراف عربوں کی قدیم مزاج میں داخل ہے۔ وہ واقعات کے اعتراف میں بخل سے کام نہیں لیتے تھے، ہندوستان کے باشندوں نے ایران کے قدیم بادشاہوں کے مقابلے میں ان جدید فاتحوں سے مدتوں نبرد آزمائی کی، اور ایرانی حکومت کے زوال کے بعد بھی انہوں نے عرب بہادروں کے سامنے سپر نہیں ڈالی، یہ اقدام مفتوح کی زبان میں آزادی و خود مختاری کی جدوجہد کہلاتا ہے، اور فاتح قوم اسی کو غداری، بے وفائی، بدعہدی جیسے ناموں سے یاد کرتی ہے، غالب و مغلوب اور فاتح و مفتوح کی یہ سیاسی اصطلاحات ہمیشہ اسی طرح رہی ہیں، بہر حال سندھ و مکران اور وہاں کے باشندوں کے مذکرہ بالا حالات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان علاقوں میں زندگی کی نئی قدروں کا پھیلانا اور ان میں تہذیب و تمدن کے ساتھ معیشت و معاشرت میں خوشگوار انقلاب برپا کرنا بڑے دل گردہ کا کام تھا، اس دور میں مسلمانوں نے اس خستہ و بدحال علاقے کو کیا دیا، اور اس سے کیا لیا؟ اگر اس کی تفصیل معلوم کی جائے تو یقیناً مسلمان سراسر نقصان میں نظر آئیں گے، مگر وہ "حساب کم و بیش" کا نظریہ لے کر دنیا میں نہیں اٹھے تھے بلکہ اسلام کی اشاعت اور انسانوں کی خدمت کا حوصلہ لے کر نکلے تھے، یہاں کے مہلک شدائد و مصائب کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین نے یہاں کے حالات سننے کے بعد مجاہدین اسلام کو ان خطرناک حالات میں ہندوستان نہ بھیجنے کا پختہ عزم کر لیا تھا، اور انہوں نے تبلیغ

۱۲۱۔ تاریخ طبری ج ۱ ص ۱۸۲۔ ۱۲۲۔ عیون الاخبار ج ۲ ص ۱۹۹۔

اسلام اور جہاد کے نام پر ان کی زندگی کو ابتلاء و آزمائش کے حوالے نہیں کیا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے ہندوستان میں تھانہ، بھڑوچ اور دیبل کی اولین فتوحات کے بعد عثمان ابو العاصی ثقفی کو نہایت تیز الفاظ میں لکھا کہ اگر مسلمانوں کا نقصان ہوا تو میں تمہاری قوم سے بدلہ لوں گا۔[120]

اور فتح مکران کے بعد جب یہاں کے ناگفتہ بہ حالات معلوم کیے تو فرمایا، خدا کی قسم جب تک مسلمان میرا حکم مانتے ہیں میری فوج وہاں جنگ میں نہیں جائے گی۔[121] ساتھ ہی حکم بن عمرو اور سہل بن عدی کو لکھا کہ خبردار تم دونوں کی فوج سے کوئی سپاہی مکران کے آگے حدود ہند میں داخل نہ ہو، قندابیل کے احوال و شدائد کی داستان سن کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے بارے میں مجھ سے محاسبہ نہ کرے جسے میں مکران بھیجوں۔[122]

حضرت عثمانؓ نے حکیم بن جبلہ کو تاکید کی تھی کہ سندھ و مکران کے حالات کا نہایت گہری نظر سے مطالعہ کر کے دربار خلافت کو اطلاع دیں چنانچہ انہوں نے حضرت عثمان کو اس اطمینان کے بعد یہاں کے حالات بتائے کہ میں نے وہاں کے حالات اچھی طرح معلوم کر لئے ہیں۔

تو حضرت عثمان نے اس وقت یہاں فوجی مہم کی روانگی روک دی۔[123]

ان تاثرات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے یہاں پر کن خطرات اور مہلک حالات کا مقابلہ کیا ہے اور یہ کام وہی قوم کر سکتی ہے جس کی نگاہ دنیاوی مفاد سے بہت بلند ہو۔

جو مقامات صلح و معاہدہ سے فتح ہوئے

جو بلاد و امصار صلح و مصالحت کے ذریعہ فتح ہوئے ان کی تفصیل یہ ہے ۲۱ھ یا ۲۲ھ میں عاصم بن عمرو تمیمیؓ نے سجستان کی فتوحات کے سلسلے میں حدود سندھ کے علاقے مقامی باشندوں کے مطالبہ پر صلحاً فتح کئے، طبری کا بیان ہے:

ثم انهم طلبوا الصلح علی زرنج و ما اختار و امن الارضین فاعطوه، و کانوا قد اشترا طوا فی صلحهم ان فوا فدها حمیٌ، فکان المسلمون اذا خرجوا تناذروا خشیة ان یصیبوا منها شیئا فیخضروا فتم اهل سجستان علی الخراج و المسلمون علی الاعطاء[124]

۱۲۳۔ فتوح البلدان ص ۴۳۰ و تاریخ خلیفہ، ج ۱ ص ۱۹۷۔ ۱۲۴۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۱۔

مقامی باشندوں نے زرنگ اور اپنی پسند کی زمینوں پر صلح کا مطالبہ کیا تو
مسلمانوں نے ان کا مطالبہ منظور کرلیا، انہوں نے صلح میں ایک شرط یہ بھی
رکھی تھی کہ یہاں کے صحراء اور میدانی چراگاہ باقی رکھے جائیں گے، اس شرط
کی وجہ سے جب مسلمان باہر نکلتے تھے، تو ایک دوسرے کو اس خوف سے
آگاہ کرتے تھے کہ ان صحراؤں سے کوئی ناجائز اور مالکانہ فائدہ نہ حاصل
کریں کہ اس سے عہد و پیمان میں نقص ہو جائے گا، اس طرح اہل بجستان
خراج پر تیار ہوئے، اور مسلمان شرائط کے پورا کرنے پر آمادہ ہوئے۔

۳۳ھ میں عبدالرحمٰن بن سمرہ نے علاقہ داور کو بھی صلحاً ہی فتح کیا تھا، بلاذری نے لکھا ہے:

فلما انتهى الى الداور حصرهم فى جبل الزور ، ثم صالحهم
...... و فتح بت و ذابل بعهد [۱۲۵]

عبدالرحمٰن بن سمرہ نے داور پہنچ کر جبل زور میں باشندوں کا محاصرہ کیا پھر
انہوں نے صلح کی اور اسی سلسلے میں انہوں نے بست اور ذابل (غزنین)
معاہدے کے ذریعہ فتح کیا۔

ان مفتوحہ علاقوں کی زمینیں مقامی باشندوں کے قبضے میں رہیں اور ان سے مذکورہ شرح یا آپس میں طے شدہ شرح سے خراج وصول کیا گیا، یا پھر وہ رقم متفرق یا یکجائی طور پر وصول کی گئی جو شرائط صلح کی رو سے باہم طے ہو چکی تھی۔

جو مقامات جہاد سے فتح ہوئے

جو ممالک اور بلاد جہاد کے بعد بزور طاقت فتح کیے گئے۔ ان کی تفصیل یہ ہے، عہد فاروقی کی ابتدائی فتوحات جو عثمان بن ابوالعاصی ثقفی اور ان کے بھائیوں کی امارت میں تھانہ، بھڑوچ اور دیبل میں ہوئیں یا ۲۳ھ میں مکران کی جو فتح حکم بن ابوالعاصی ثقفی کی امارت میں ہوئی، وہ سب وقتی اور ہنگامی تھیں، اور ان کے بعد وہاں کی زمینوں اور باشندوں پر خراج اور جزیہ کا قانون جاری نہیں ہوا، البتہ ۲۳ھ میں حکم بن عمرو تغلبیؓ کی امارت میں فتح مکران کے بعد خراج و جزیہ کا معاملہ کیا گیا، کیونکہ یہ مستقل فتح طاقت کے ذریعے اور باقاعدہ جنگ کے بعد ہوئی تھی، طبری نے اس جنگ کا نقشہ ان مختصر الفاظ میں

۱۲۵۔ فتوح البلدان ص ۳۸۶۔ ۱۲۶۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۱ و ص ۱۸۲۔

کھینچا ہے:

و قد انقض اهل مكران اليه حتى نزلوا على شاطنه فعسكروا و عبرا ليهم راسل ملكهم ملك السند، فازدلف بهم مستقبل المسلمين، فالتقوا فاقتتلوا بمكان من مكران من النهر على ايام بعد ما كان قد انتهى اليه اوائلهم، و عسكروا به ليلحق اخراهم فهزم الله راسل و سلبه و اباح المسلمين عسكره و قتلوا في المعركة مقتلة عظيمة واتبعوهم يقتلونهم اياماً حتى انتهوا الى النهر، ثم رجعوا فاقاموا بمكران [۱۲۶]

اہل مکران نے بدعہدی کی اور سابقہ، معاہدوں کو توڑا، اور دریائے سندھ کے کنارے اتر کر فوجوں کو جمع کیا، نیز ان کا راجہ راسل جو کہ سندھ کا راجہ تھا دریا عبور کر کے ان سے مل گیا، اور مسلمانوں کے سامنے پڑاؤ ڈالا نتیجہ یہ ہوا کہ دریائے سندھ سے چند دن کی دوری پر مکران کے ایک مقام میں طرفین میں مڈبھیڑ ہوگئی اور قتال کا بازار گرم ہوگیا، مکرانیوں نے یہ ترکیب کی تھی کہ ان کی فوج کے اگلے حصے پہنچ کر محاذ پر جم گئے تا کہ ان کے پچھلے حصے بھی آ کر مل جائیں، اللہ تعالیٰ نے راجہ راسل کو شکست دی، اور اس کے ساز و سامان لوٹ کر نذر کر دیئے اور مسلمانوں نے اس کی فوج کو یوں مارا کہ میدان جنگ میں زبردست قتال و خون ہوا، پھر مسلمانوں نے کئی دن تک ان کا تعاقب کیا، یہاں تک کہ وہ دریائے سندھ پر پہنچ گئے، اس کے بعد مسلمان مکران میں واپس آ کر ٹھہرے۔

اس فتح کے نتیجے میں مسلمانوں کو بہت زیادہ مال غنیمت اور ہاتھی وغیرہ ہاتھ آئے اور باقاعدہ ان کا خمس حضرت عمرؓ کے پاس روانہ کیا گیا۔

۲۳ھ میں سہل بن عدی نے کرمان اور بلوچستان کو جنگ کے ذریعے فتح کیا، مقامی باشندوں نے پوری طاقت جمع کر کے مقابلہ کیا مگر ان کو ہزیمت اٹھانی پڑی، طبری نے لکھا ہے:

۱۲۷۔ تاریخ طبری، ج ۴ ص ۱۸۰، وکامل ابن اثیر، ج ۳ ص ۱۷۔

وقد حشد له اهل كرمان و استعانوا بالقفس، فاقتتلوا في ادنى ارضهم ففضهم الله فاخذوا عليهم بالطريق و قتل النسير مرز بانها...... فاصابوا ماشائوا من بعير او شاة ۱۲۷

سہل بن عدی کے مقابلے کے لئے اہل کرمان نے پوری طاقت جمع کی اور بلوچوں سے مدد لی، پھر اپنے قریبی علاقے میں مسلمانوں سے جنگ کی، اللہ تعالیٰ نے اس کی جمعیت منتشر کر دی، اور مسلمانوں نے ان کا راستہ گھیر لیا، نسیر نے ان کے حاکم کو قتل کیا اور مسلمانوں نے جو چاہا اونٹ اور بکری مال غنیمت میں پایا۔

۲۹ھ میں، عبیداللہ بن معمر تیمی نے مکران کے جنوب میں نہر سندھ تک پورا علاقہ طاقت کے ذریعے فتح کیا، اور ان اطراف کی بغاوت کو سخت جنگ کے بعد ختم کر کے حالات پر پورا قابو پایا، طبری کا بیان ہے۔

وبعث على مكران عبيدالله بن معمرا التيمي فاثخن فيها حتى بلغ النهر ۱۲۸

حضرت عثمانؓ نے مکران کی مہم پر عبیداللہ بن معمر تیمی کو روانہ کیا اور انہوں نے مکران سے دریائے سندھ تک کو قتل وغارت کے ذریعہ رام کیا۔

۳۱ھ میں مجاشع بن مسعود سلمی نے کرمان کی فتوحات کے ضمن میں قفس یعنی بلوچستان کو قتال اور حرب وضرب کے بعد فتح کیا، بلاذری نے تصریح کی ہے:

فقاتلهم فظفر بهم، و ظهر عليهم ۱۲۹

مجاشع نے اہل قفس سے جنگ کر کے ان پر فتح اور غلبہ پایا۔

اور ۳۶ھ یا ۳۸ھ میں حارث بن مرہ عبدی نے بلاد مکران وقندابیل اور قیقان وغیرہ میں قتال و جہاد کے بعد شاندار فتوحات حاصل کیں اور مقامی لوگوں نے زبردست مقابلہ کیا بعد اپنی ہار مانی خلیفہ بن خیاط نے لکھا ہے:

جمع الحارث بن مرة العبدى جمعاً ايام عليّ، وسارا الى بلاد

۱۲۸۔ تاریخ طبری ج ص ۳۲۰، وکامل ابن اثیر ج ۳ ص ۳۸۔

مکران فظفر و غنم واتاہ الناس من کل وجہ [۱۳۰]

حارث بن مرہ نے حضرت علیؓ کے زمانے میں فوج جمع کر کے بلاد مکران کی راہ لی، اور مظفر و منصور ہو کر غنیمت حاصل کی، اور اطراف و جوانب کے مسلمان ان کے پاس آ گئے۔

دوسری جگہ لکھا ہے:

فجاوز مکران الی بلاد قندابیل و وغل فی جبال القیقان فاصاب سبایا کثیرۃ [۱۳۱]

حارث بن مرہ مکران فتح کرنے کے بعد قندابیل کے شہروں کی طرف گئے اور قیقان کے پہاڑی علاقوں میں گھس کر جنگ کی جس کے نتیجہ میں ان کو بہت سے قیدی ملے۔

بلاذری نے ان فتوحات کے بارے میں لکھا ہے:

توجہ الی ذلک الثغر الحارث بن مرۃ العبدی متطوعاً باذن علی فظفر، واصاب مغنماً و سبیا، و قسم فی یوم واحد الف راس [۱۳۲]

حارث بن مرہ عبدی نے حضرت علی کی اجازت سے رضا کارانہ طور پر ثغر ہند کا قصد کیا اور فتحیاب ہو کر غنیمت پائی اور ایک دن میں ایک ہزار جنگی قیدی تقسیم کئے۔

صاحب چچ نامہ کے بیان کے مطابق قیقان کی جنگ میں تقریباً بیس ہزار سندھی فوجوں نے مسلمانوں سے جم کر مقابلہ کیا مسلمانوں نے بھی پوری طاقت سے جواب دیا جس کے نتیجے میں قیقانی اور سندھی فوجیں شکست کھا کر پہاڑوں میں پناہ گزیں ہو گئیں اور اسلامی فوج مظفر و منصور ہوئی۔[۱۳۳]

یہ تمام ہندوستانی علاقے عنوۃ و جبراً اور طاقت سے فتح ہوئے، ان کی زمینیں عام طور سے فئی کی شکل میں باقی رکھ کر مقامی باشندوں کے پاس ہی رہنے دی گئیں، اور ان پر خراج مقرر کر کے جزیہ وصول کیا گیا، یہ لوگ غلام نہیں بنائے گئے۔

۱۲۹۔ فتوح البلدان ص ۴۸۴ و کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۴۹۔

جنگ اور قتال کے ذریعے مفتوحہ علاقوں اور باشندوں کے بارے میں خلافت کا مجموعی عمل یہی تھا، البتہ اس دور میں ایک مثال ایسی ملتی ہے کہ جنگ سے فتح ہونے والی زمین کو مسلمانوں میں تقسیم کر کے اس سے عشر وصول کیا گیا ہے، چنانچہ عہد عثمانی میں مجاشع بن مسعود سلمی نے کرمان بلوچستان کو سخت جنگ کے بعد فتح کیا اور مقامی باشندے ہزیمت خوردہ ہو کر بجستان اور مکران کی طرف بھاگ گئے، اس لئے ان کی خالی زمینوں اور جائیدادوں پر عربوں نے قبضہ کر کے کھیتی باڑی شروع کر دی اور خلافت کی طرف سے ان کے قبضے کو جائز تسلیم کر کے ان سے عشر وصول کیا گیا، بلاذری کا بیان ہے۔

فاقطعت العرب منازلهم و ارضيهم فعمر دهاوا دوا العشر فيها، و احتفروا القنیٰ فی مواضع منها ۱۳۴

عربوں نے ان کے مکانات اور زمینوں کو آپس میں تقسیم کر لیا اور ان کو سکونت و زراعت سے آباد کر کے ان کا عشر ادا کیا اور وہاں کے کئی مقامات میں کنویں کھود ے۔خ

اس کے علاوہ کسی اور جگہ یہ صورت نظر نہیں آتی، بلکہ یہاں کے تمام مفتوحہ علاقے مقامی باشندوں کے حوالے کر کے ان سے جزیہ اور زمین سے خراج وصول کیا گیا۔

مفتوحہ علاقوں سے دست برداری

مسلمانوں کے حسن سلوک اور وسعت ظرفی کا یہ رخ بھی بہت ہی دلکش ہے کہ جن مقامات پر اسلامی فوج نے حملہ کیا اور مقامی باشندوں نے مقابلہ کے بعد اپنی قوت کا اندازہ کر کے شرائط صلح پر جنگ بندی کی خواہش کی تو مسلمانوں نے اسے منظور کرتے ہوئے جن علاقوں کو ان سے لڑ کر حاصل کیا تھا ان کو بھی شرائط صلح کے ماتحت کر دیا، اور ان پر بھی وہی اسلامی قوانین جاری ہوئے جو صلحاً فتح ہونے والے ملک اور وہاں کے باشندوں پر جاری ہوتے ہیں، امام ابو عبید قاسم بن سلام نے تصریح کی ہے۔

و كذلك لو ان بلاداً افتتحت فكان بعضها عنوةً، و بعضها صلحا، لا يعرف هذا من هذا، امضى كله على الصلح فخافة التقدم على الشبهة ۱۳۵

اگر چند بلاد و امصار میں سے بعض جنگ سے اور بعض صلح سے فتح ہوں اور

۱۳۰۔ تاریخ خلیفہ ج ا ص ۲۲۹۔ ۱۳۱۔ تاریخ خلیفہ ج ا ص ۲۱۴۔

اس کا فرق نہ معلوم ہو تو خلیفہ تمام علاقہ کو صلح کے ذریعہ مفتوح قرار دے گا
تا کہ شبہ پر عمل نہ ہو۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ جو لوگ جنگ کرنے کے بعد مفتوح ہو کر مسلمانوں کے غلام بن گئے تھے، وہ صلح کے تحت آ جاتے ہی آزاد مان لئے جاتے تھے، اور ان کے ساتھ وہی برتاؤ ہوتا تھا، جو صلح والوں کے ساتھ ہونا چاہئے، ابو عبید ہی نے یہ بھی لکھا ہے۔

و سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم والمسلمين ان
الاسباء على اهل الصلح والارق، وانهم احرار ۱۳۶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی سنت یہ ہے کہ اہل صلح پر نہ قید ہے
اور نہ غلامی ہے بلکہ وہ لوگ آزاد ہیں۔

خلافت راشدہ میں مکران اور سندھ کے بعض علاقوں میں یہ صورت حال پیش آئی تھی کہ اسلامی فوج نے چڑھائی کی اور مقامی باشندوں اور فوجوں نے مقابلہ کیا، مگر جب مسلمان فتح کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے تو انہوں نے صلح کر لی، ایسی صورت میں عنوۃ فتح صلحاً فتح میں بدل جاتی تھی، بجستان اور سندھ کے مابین جو علاقے فتح ہوئے تھے، ان میں اس قسم کی صورت پیدا ہوئی تھی، بلکہ جو لوگ جنگ کر کے مغلوب ہو گئے اور اسلامی فوج نے ان کو غلام بنایا وہ بھی مختلف حیلوں اور بہانوں سے آزاد قرار دیئے گئے۔

زمینوں کی واپسی اور غلاموں کی رہائی

ہندوستان میں غلامانہ ذہنیت کا وجود بہت قدیم زمانے سے ہے یہاں کے حکمران خاندانوں اور مذہبی طبقوں کے بارے میں الوہیت کا عقیدہ قدیم مانہ سے پایا جاتا ہے، اور یہاں کے عوام ان دونوں طبقوں کی ذہنی اور فکری غلامی میں رہ کر مگن رہا کرتے ہیں، جس دور کا تذکرہ ہو رہا ہے وہ دور خاص طور سے اسی قسم کے لوگوں پر مشتمل تھا، مسلمانوں نے ان کو اس ذہنیت سے نجات دلانے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کی تاکہ وہ اسلام کے نظام انسانیت سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوں، اس سلسلے میں یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ عہد فاروقی میں مقام اہواز کے جاٹوں اور اساورہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی فوج سے سخت مقابلہ کیا اور ایک شدید معرکہ کے بعد مغلوب ہو کر مسلمانوں کی غلامی میں آ گئے، مگر جب

۱۳۲۔ فتوح البلدان ص ۴۲۱۔ ۱۳۳۔ چچ نامہ ص ۷۷ و ص ۷۸۔

حضرت عمرؓ کو ان کی غلامی کی خبر ملی تو آپ نے ایک بہانے سے ان کو بالکل آزادی دیدی اور مسلمانوں نے ان پر قبضہ کرنے کے بعد آزاد کر دیا، ایک مجاہد شویس عدوی کا بیان ہے کہ اہواز کے جاٹ اور اساورہ نے ہم سے شدید جنگ کی مگر ہم ان پر غالب آ کر فتح یاب ہوئے۔

فاصبنا سبیاً کثیراً اقتسمناهم

اور اس فتح میں ہم نے بہت سے قیدی پائے جن کو آپس میں تقسیم کرلیا۔

جب حضرت عمر کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ نے ان کو آزاد کر دینے کا حکم دیا، چنانچہ ہم نے ان کو آزاد کر دیا۔

فکتب الینا عمر: انه لا طاقة لکم بعمارة الارض فخلوا ما فی ایدیکم من السبی، واجعلوا علیهم الخراج، فردونا السبی ولم نملکهم ۱۳۷

حضرت عمرؓ نے ہمارے پاس لکھا کہ تم لوگ ان کی زمینوں کو آباد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ہو اس لئے جس قدر قیدی تمہارے پاس ہیں سب کو رہا کر دو اور ان پر خراج مقرر کردوں، چنانچہ ہم نے سب کو آزاد کر دیا، اور ان کو اپنی ملکیت نہیں بنایا۔

یہ ۱۷ھ کا واقعہ ہے، اس کے بعد ۳۱ھ میں مجاشع بن مسعود نے کرمان اور بلوچستان کو فتح کیا اور مقامی باشندوں نے پوری طاقت سے جنگ کے بعد ہزیمت اٹھائی، بلکہ ان علاقوں کے تمام باشندے اپنی اپنی جائیداد و املاک کو چھوڑ کر مکران اور بجستان چلے گئے تو مسلمانوں نے ان کی زمینوں پر قبضہ کر کے خود کھیتی باڑی شروع کر دی، اگر مقامی باشندے رہ جاتے تو بظاہر حضرت عمرؓ کے حکم کے پیش نظر حضرت عثمان بھی ان کو غلامی سے نجات دے کر ان کی زمینیں واپس کر دیتے اور صرف خراج و جزیہ کے قانون پر اکتفاء کرتے۔

ذمیوں پر چند معمولی ذمہ داریاں اور ان کے مصالح

اسلامی قلمرو (بشمولیت ہندوستان) کے غیر مسلم ذمی رعایا معمولی رقم ادا کر کے خلافت کی طرف سے پروانہ امن عافیت پا جاتے تھے، اور ان کے مال و دولت اور عزت و آبرو کی حفاظت مسلمانوں کے

۱۳۷۔ کتاب الاموال ص ۱۷۶۔

ذمہ ہوتی تھی، خراج و جزیہ کے علاوہ اور کسی طرح کوئی رقم ان سے وصول نہیں کی جاتی تھی اور نہ ان پر کوئی بڑی ذمہ داری ڈالی جاتی تھی، البتہ چند وقتی باتوں میں وہ مجبوری کی وجہ سے ذمہ دار قرار دیئے گئے تھے، مثلاً ضیافت مسلمان یعنی اگر اتفاق سے مسلمانوں کی جماعت کا کوئی شخص کسی وجہ سے ذمیوں میں رات گزارے تو اس کو کھلانا پلانا ان پر ضروری تھا، لیکن اپنے کسی کام یا کسی ناگہانی وجہ سے زیادہ ٹھہرے تو کھانے پینے کا انتظام خود کرے، ذمیوں پر بار ڈالنا جائز نہیں ہے، اس زمانے کے تمدنی حالات کے پیش نظر ضیافت مسلمین ضروری تھی، ورنہ مسلمان بھوکوں مرجاتے، ایسی دعوت عام حالات میں ایک رات دن ضروری تھی، مگر بعض مقامات پر کسی خاص وجہ سے تین رات تین دن تک ضروری تھی، کتاب الاموال میں ہے۔

ضرب عمر الجزیة علی اهل العراق ...... و مع ذلک ارزاق المسلمین و ضیافتهم ثلاثة ایام

حضرت عمرؓ نے عراق کے ذمیوں پر جزیہ کے ساتھ یہ بھی ضروری قرار دیا تھا کہ وہ تین دن تک مسلمانوں کی ضیافت کریں۔

نیز اس سلسلے میں حضرت عمرؓ نے ایک حکمانہ امراء و اعمال کے نام روانہ فرمایا تھا جس کا مضمون یہ تھا۔

انا جعلنا الضیافة علی اهل السواد یوماً و لیلة نان جلسه مطر او مرض انفق من ماله [۱۳۶]

ہم نے اہل سواد پر ایک رات ایک دن مسلمان کی ضیافت ضروری قرار دی ہے، اس کے بعد اگر کوئی شخص بارش یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے رک جائے تو اپنا مال خرچ کر کے کھائے پئے۔

ذمیوں کے ایک دن یا تین دن کی یہ دعوت درحقیقت اخلاقی تعلیم تھی، اور اس کی حیثیت انسانی برادری میں امداد باہمی کی تھی، اس سے بڑی حد تک مسلموں اور غیر مسلموں میں تعارف و تعلق اور اعتماد پیدا ہوتا تھا، اور باہمی اختلاط سے جانبین کی بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جاتی تھیں بلکہ میل جول کی صورت نکل آئی تھی، اور چونکہ اس زمانہ میں اشیائے خورونوش عام طور پر بازاروں میں نہیں ملتی تھیں،

۱۳۵۔ کتاب الاموال ص ۱۸۳۔ ۱۳۶۔ فتوح البلدان ص ۲۷۰۔

اس لئے اس ضیافت کی حیثیت ذمیوں پر مسلمانوں کی حق کی کر دی گئی تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ کا یہ حکمنامہ ہر ملک میں بھیجا گیا تھا۔

ایما رفقة من المهاجرین او اهم اللیل الی اهل قریة من المعاهدین فلم یووھم فقد برئت منهم الذمة ۱۳۹

بے وطن مسلمانوں میں سے کچھ لوگ معاہدوں کے کسی گاؤں میں رات کو پہنچ جائیں اور وہ ان کے کھانے وغیرہ کا انتظام نہ کریں تو ان سے ہماری ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔

نیز ذمی رعایا کیلئے اپنی بستیوں کے کچھ رفاہ عام کے کام ضروری تھے، جیسے پلوں کی مرمت یعنی اگر کسی وقت ہنگامی طور سے کوئی پل ٹوٹ جائے یا اس میں خلل پڑ جائے تو مرمت کریں تا کہ مواصلات بند نہ ہو اور ان کی ضروریات میں یکبارگی فتور نہ پڑ جائے، یہ درحقیقت ذمیوں کا آپس میں تعاون تھا، جسے قانونی شکل دیدی گئی تھی، واضح ہو کہ یہ پلوں کی تعمیر نہیں تھی بلکہ ان کی مرمت تھی، اسی طرح ذمیوں کی بستی میں اگر کسی مسلمان کو قتل کیا جاتا تھا تو پوری بستی پر اجتماعی جرمانہ ہوتا تھا، اور ان سے دیت وصول کی جاتی تھی، اگر کسی ذمی نے کسی مسلمان کو قتل کیا ہے تو پھر قصاص کا قانون جاری ہوتا تھا اور اگر قاتلوں کا پتہ نہیں چلتا تھا تو پوری بستی سے دیت لی جاتی تھی، اگر ایسا نہ کیا جاتا تو بہت سے مقامات پر مسلمانوں کا چلنا پھرنا دوبر ہو جاتا اور ان کو تنہا پا کر جالے اندھیرے میں قتل کر دیا جاتا۔

ان عمر اشترط الضیافة علی اهل الذمة یوماً و لیلة و ان یصلحوا القناطر و ان قتل رجل من المسلمین بارضهم فعلیهم دیته ۱۴۰

حضرت عمرؓ نے ذمیوں پر ایک رات ایک دن کی ضیافت ضروری قرار دی تھی اور یہ کہ وہ پلوں درست کریں، اور اگر ان کی بستی میں کوئی مسلمان قتل ہوا تو ان سب کے ذمہ اس کی دیت لازم ہے۔

بعض مقامات میں باہمی بات چیت کے ذریعے ذمیوں سے کچھ مزید رعایتیں لے لی جاتی

۱۳۷۔ کتاب الاموال ص ۱۴۵۔
۱۳۸۔ کتاب اموال ص ۱۴۵۔
۱۳۹۔ کتاب اموال ص ۱۴۵۔
۱۴۰۔ کتاب الاموال ص ۱۵۰۔
۱۴۱۔ فتوح البلدان ص ۳۸۴۔

تھیں، مثلاً حضرت عمرؓ نے شام کے قبطی ذمیوں کے ساتھ یہ شرط رکھی تھی کہ مسلمان بوقت ضرورت مناسب مقدار میں ان کے پھلوں اور گھاسوں کو استعمال کر سکتے ہیں۔مگر ان کو لے جا نہیں سکتے، یہی چند ہلکی پھلکی ذمہ داریاں ہندوستان کے ذمیوں پر بھی عائد تھیں، اور ان کے بارے میں مسلمانوں کی شدت احتیاط اور احساس ذمہ داری کا یہ حال تھا کہ مدائن کے حاکم حضرت سلمان فارسی نے ایک مرتبہ ایک سپاہی کو ذمی کا پھل توڑتے ہوئے دیکھا تو اسے سختی سے روکا، اور جب اس نے دریافت کیا کہ ہم مسلمانوں کیلئے ذمیوں کی کیا چیز جائز ہے تو آپ نے فرمایا کہ صرف تین چیزیں جائز ہیں، تم راستہ بھول جاؤ تو ان سے راستہ معلوم کرو، اور بوقت اشد ضرورت ان کی کوئی چیز بقدر ضرورت لو اور جب تم ان کے ساتھ سفر کرو تو تم ان کے کھانے سے کھاؤ اور وہ تمہارے کھانے سے کھائیں گے، وہ تمہاری سواری پر چلیں گے، تم ان کی سواری پر چلو گے، اور وہ جس سمت جانا چاہتے ہیں تم ان کو اس سے نہ پھیرو۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ جب ذمیوں کے کسی گاؤں میں جاتے تھے تو ان سے اس سے زیادہ کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے تھے کہ ان کا پانی پیتے اور ان کے سایہ میں بیٹھتے، اور ان کی سواری اگر ذمیوں کی چراگاہ میں چرتی تھی تو ان کو کچھ رقم دیدیا کرتے تھے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے غلام ابو عبداللہ کے ساتھ ایک ذمی کے یہاں رات کو پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم کو اس بات سے خوشی ہے کہ تم کل اللہ تعالیٰ کے سامنے مسلمان بن کر جاؤ تو اس ذمی سے کچھ نہ لو، چنانچہ حضرت سعد اور ان کے غلام نے وہ رات بھوکے رہ کر بسر کی۔[141]

جو فتوحات معاہدات وشرائط کے ذریعہ ہوئی تھیں ان میں مجاہدین اسلام اور ان کے امراء اپنے مقابلہ میں مفتوح ومغلوب قوموں کی سہولت کو مقدم رکھتے تھے اور ان کی مرضی کے بغیر کوئی ایسی شرط نہیں لگاتے تھے جو ان کے حق میں مضر ہو، پھر معاہدات وشرائط پر نہایت احتیاط سے عمل کرتے تھے، لیکن اگر کوئی معاہدہ نہ ہوتا اور مفتوح غیر مسلم جہاد وغزوات میں مسلمان امیر کی زیر قیادت اپنی فوج بنا کر شریک ہوتے تو خمس سے جو حق مجاہدین اسلام کو ملتا تھا وہی ان کو بھی ملتا تھا۔اور اگر وہ انفرادی طور سے اسلامی فوج کے ساتھ غزوات وفتوحات میں شریک ہوتے تو ان کی خدمات کے پیش نظر ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی، اور مناسب حصہ دیا جاتا تھا جیسا کہ سیر ومغازی کی کتابوں میں مذکور ہے، لیکن اگر وہ انفرادی یا اجتماعی طور سے اسلامی غزوات میں شریک نہ ہونا چاہتے تو ان پر کسی قسم کا کوئی جبر اور دباؤ نہیں ہوتا تھا،

یا کسی وجہ سے ان کی شرکت سے خطرات کا اندیشہ ہوتا تو ان کو علیحدہ رکھا جاتا تھا، اور ایسی صورت میں ان سے جزیہ وصول کر کے امن وامان کا پروانہ دیدیا جاتا تھا، جزیہ کا مقصد دولت جمع کرنا نہیں ہوتا تھا بلکہ جزوی تدارک ہوتا تھا، اسی لئے جو لوگ مسلمانوں کے ساتھ دفاع یا جہاد کی جسمانی و ذہنی صلاحیت نہیں رکھتے تھے اور ہر حال میں ان کا دفاع مسلمانوں کے ذمہ ہوتا تھا ان سے جزیہ کی رقم نہیں لی جاتی تھی، اور عورتوں، بچوں، اپاہجوں، سیاست سے کنارہ کشوں، تارک الدنیا لوگوں کو اس سے مستثنیٰ رکھا جاتا تھا۔

عرب کے مسلمان ہندوستان میں

ہندوستان میں مسلمانوں کی پہلی آبادی

ہماری تحقیق میں مشرقی ممالک میں مسلمانوں کی سب سے پہلی آبادی فارس کے ساحلی اور مرکزی شہر توج میں اس طرح قائم ہوئی کہ حضرت عثمان ابوالعاصی ثقفی اور ان کے بھائی حکم بن ابوالعاصی ثقفی نے بحرین کی راہ سے اس شہر کو فتح کر کے بنو عبدالقیس، بنو تمیم اور بحرین وعمان کے دوسرے قبائل کو آباد کیا اور جامع مسجد تعمیر کی، ویسے بھی بنو تمیم کا خاص علاقہ گویا فارس تھا اور بنو عبدالقیس بھی اس سے بہت قریب تھے، نیز ان دونوں قبائل کا تجارتی تعلق ہندوستان سے بہت قدیم تھا، اس لئے وہ لوگ یہاں سے ایک گونہ مانوس تھے، اور اسی مرکز سے فارس کے دوسرے مقامات پر اور آگے چل کر ہندوستان کے سواحل پر فوجی مہمات روانہ کی گئیں، عہد فاروقی تک ہم کو یہاں مسلمانوں کی مستقل آبادی کا پتہ نہیں چلتا، ویسے علاقہ مکران میں اسلامی فوجیں رہتی تھیں، اور امراء وعمال بھی یہاں اپنے عملہ کے ساتھ سکونت پذیر تھے، قندابیل میں عہد عثمانی سے مستقل طور سے گویا فوجی چھاؤنی تھی، جہاں ہر وقت فوجیں اور اسلحہ رہا کرتے تھے، ظاہر ہے کہ ان فوجی مسلمانوں کے مکانات رہے ہوں گے اور ان کے مستقل حلقے اور منطقے بنائے گئے ہوں گے۔ البتہ عہد فاروقی تک ان دونوں مقامات میں مسلمانوں کی کسی بڑی اور مستقل آبادی کا پتہ نہیں چلتا جس میں وہ امن وآزادی سے بودوباش اختیار کئے ہوں، غالباً اس کی وجہ یہاں کے نیم فوجی اور ہنگامی حالات تھے جن میں وقتاً فوقتاً بدعہدی، سرکشی

۱۴۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۷ ص ۱۹۰۔

اور بغاوت ہوا کرتی تھی اور بار بار تادیبی اور فوجی کاروائی کرنی پڑتی تھی۔

حتی کہ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں کرمان اور بلوچستان کے علاقہ میں مسلمانوں نے آباد ہو کر زمینوں پر قبضہ کیا، کھیتی باڑی کی اور خلافت کو یہاں کی پیداوار کا عشر روانہ کیا۔ بلوچستان کی فتح ۳۱ ھ کے سلسلے میں بلاذری نے لکھا ہے:

فاقطعت العرب منازلهم وارضيهم، فعمروها وادوا العشر فيها واحتفروا القنى في مواضع منها۔

عربوں نے ان کے گھروں اور زمینوں کو منقسم دار تقسیم کرلیا اور ان کو کاشتکاری اور رہائش سے آباد کر کے ان کا عشر ادا کیا اور کئی مقامات پر کنویں کھودے۔

اس دور میں مکران سے کابل و سجستان تک کا تمام علاقہ مسلمانوں کے حق میں بڑا پرسکون اور اطمینان بخش ہوگیا تھا، ۲۹ھ میں عبید اللہ بن معمر تمیمیؓ نے یہ سارا علاقہ سخت جنگ کے بعد زیر کرلیا تھا، اس دور میں یہاں کئی امراء آئے اور عہدۂ قضاء کا بھی انتظام ہوا۔

الغرض مکران اور قندابیل میں اسلامی فوج اور امرائے فوج کی رہائش تھی اور بلوچستان کے علاقہ میں مسلمانوں کی مستقل آبادی تھی، اور جس طرح اس دور میں مشرقی بلاد اسلام میں مسلمانوں کی آبادی اور رہائش گاہوں میں مکانات و مساجد اور دوسری تمدنی و دینی ضرورتیں مہیا تھیں اسی طرح بلوچستان، مکران اور قندابیل وغیرہ میں مسلمانوں کے مکانات ان کی حیثیات کے مطابق تھے، اور ضرورت کے مطابق چھوٹی بڑی مسجدیں تھیں نیز دینی و علمی مراکز حسب موقع و ضرورت تھے۔

افتاء، قضاء اور فقہی و دینی تعلیم

عہد رسالت اور خلافت راشدہ میں عام طور سے امرائے فوج اور امرائے بلاد صحابہ کرام ہوتے تھے جو براہ راست رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے تعلیم و تربیت یافتہ اور دینی اسلامی علوم کے حامل ہوا کرتے تھے، وہ اپنے حلقہ امارت میں بیک وقت امیر و قاضی اور فقیہ سب کچھ ہوتے تھے، اور ایسا بھی تھا کہ احداث و انتظامات کے امیر کے ساتھ دینی و فقہی تعلیم کے لئے علیحدہ قاضی و معلم روانہ کئے جاتے تھے، ہندوستان میں یہ دونوں ہی صورتیں موجود تھیں، یہاں کے امراء و عمال میں حضرات صحابہ بھی تھے اور

۱۲۳۔ تاریخ خلیفہ ج ا ص۔

قضاء و فقہی تعلیم کے لئے علیحدہ معلم و قاضی اور مفتی بھی تھے۔

۳۰ھ میں ربیع بن زیاد حارثی نے سجستان اور علاقہ سندھ فہرج کو فتح کیا، اور ڈھائی سال تک مقام زرنگ میں قیام کیا، اس پوری مدت میں امام حسن بصری ان کے ساتھ میر منشی اور سیکر یٹری کی حیثیت سے رہے اور جہاد کرنے کے ساتھ ساتھ فتوی بھی دیا کرتے تھے، اور ان سے پہلے یہ خدمت جابر بن یزید انجام دیتے تھے، ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے۔

كان الحسن يغزو، و كان مفتي الناس ههنا جابر بن يزيد، قال : ثم جاء الحسن فكان يفتي ۱۴۴

جس زمانے میں امام حسن بصری جہاد میں تھے، وہاں کے مفتی حضرت جابر بن یزید تھے، پھر جب امام حسن بصری آ گئے تو وہ فتوی دینے لگے۔

خلاصہ یہ کہ ۳۰ھ سے ۳۲ھ تک (ڈھائی سال تک) امام حسن بصری اس علاقے میں مفتی رہے، اور مسلمانوں نے ان سے دینی وفقہی مسائل وفتاوی معلوم کئے۔ نیز عہد عثانی میں سندھ میں باقاعدہ محکمہ قضاء کا قیام ہو گیا تھا جہاں سے مسلمانوں کے معاملات وقضایا کے فیصلے دیئے جاتے تھے، خلیفہ بن خیاط نے مختلف بلاد وامصار کے قضاۃ کی فہرست دی ہے اور اس میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان کے زمانے میں سندھ کے قاضی حضرت حکیم بن جبلہ عبدی تھے۔

حکیم بن جبلہ عبدی وہی بزرگ ہیں جن کو حضرت عثمان نے ثغر ہند کے حالات معلوم کرنے کیلئے یہاں روانہ کیا تھا، غالباً عہد عثانی میں مکران کے تینوں امراء کے زمانے میں یہ یہاں کے قاضی تھے۔

نیز بعض اوقات یہاں کے مسلمان اپنے دینی مسائل میں حضرات صحابہ اور علمائے عرب سے رجوع کرتے تھے، چنانچہ فاتح مکران عبداللہ بن معمر تیمی نے فارس کی امارت کے زمانے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے استفسار کیا کہ:

انا استقررنا فلا نخاف عدونا و قد اتى علينا سبع سنين و ولدنا فكم صلاتنا؟

یہاں ہم کو سکون وقرار حاصل ہے اور اب ہم دشمنوں سے نہیں ڈرتے ہیں، سات سال سے یہاں رہتے ہیں اور ہمارے بال بچے ہو گئے ہیں تو ان

۱۴۴۔ اصابہ، ج ۳ ص ۳۳۳۔ ۱۴۵۔ تاریخ طبری، ج ۳ ص ۳۲۲۔

حالات میں ہم قصر نماز پڑھیں یا پوری نماز پڑھیں؟

تو حضرت ابن عمرؓ نے اس کے جواب میں لکھا:

ان صلاتکم رکعتان ۱۴۳

اب بھی تم لوگوں کی نماز دو ہی رکعت یعنی قصر ہے۔

گزر چکا ہے کہ یہاں کے امراء نے متعدد بار مختلف امور میں حضرت عمر کو لکھ کر ہدایت چاہی اور آپ نے ان کو جوابات دیئے۔

اسلامی زندگی اور دینی چرچا

اس دور کے مسلمان اسلامی عقائد و اعمال میں ترو تازہ تھے اور ان کی پوری زندگی دینی اور اسلامی قالب میں ڈھلی ہوئی تھی، اس لئے رزم اور بزم دونوں میں دین اور دینی تعلیمات کے چرچے رہا کرتے تھے، اور عام مسلمانوں اور اسلامی فوجوں کو ان کے امراء و قضاۃ اور اصحاب فتویٰ دینی احکام سناتے اور بتاتے رہتے تھے، اور یہی صورت حال فارس اور سندھ و مکران وغیرہ کے مسلمانوں اور فوجوں میں بھی برپا تھی کہ ان کو موقع بہ موقع دینی باتیں بتائی جاتی تھیں۔ ہندوستان کے سب سے پہلے مجاہد و فاتح حضرت عثمان بن ابوالعاصی ثقفی نے فتح اصطخر کے موقع پر مجاہدین اسلام کو مخاطب کر کے یہ نصیحت فرمائی تھی۔

ان اللّٰہ اذا اراد بقوم خیرا کفھم وزفّر امانتھم فاحفظوھا فان اول ما تفقدون من دینکم الامانۃ، فاذا نقد تموھا جددلک فی کل یوم فقد ان شیء من امور کم ۱۴۴

جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ خیر کا معاملہ کرنا چاہتا ہے تو ان کو شر اور خیانت سے روک دیتا ہے۔ اور ان میں امانت داروں کی کثرت کر دیتا ہے، تمہاری دیانت سے سب سے پہلے امانتداری ختم ہوگی اور جب تم سے امانتداری جاتی رہے گی تو ہر روز تمہارے معاملات میں نیا نیا نقصان و فقدان ہوتا رہے گا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ نے بجستان کی فتح کے ساتھ سندھ کے علاقے داور کو بھی فتح کیا ہے،

فتح کابل کے موقع پر اسلامی لشکر مال غنیمت میں مصروف ہو گیا اور ایک طرح کی لوٹ مچ گئی تو آپ نے وہیں کھڑے ہو کر فرمایا:

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینھی عن النھبی ۱۴۵؎

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوٹ سے منع کرتے ہوئے سنا ہے۔

یہ سننا تھا کہ جس نے جو کچھ لیا تھا واپس کر دیا، پھر آپ نے شرعی احکام کے مطابق سب کو مال غنیمت تقسیم کیا۔

ہندوستان میں علم حدیث اور علماء و محدثین

خلافت راشدہ میں ہندوستان کے مقبوضہ علاقوں میں دینی علوم و رجال کا چرچا اور ان کا وجود پایا جاتا تھا۔ اس دور کے مطابق حدیث کا مذاکرہ بھی جاری تھا، باقاعدہ ''اخبرنا وحدثنا'' کا سلسلہ پہلی صدی کے بعد شروع ہوا جبکہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم سے احادیث کو مدون کر کے مصحف مرتب کئے گئے اور ان کی روایت کا سلسلہ جاری ہوا، اس سے پہلے حضرات صحابہ و تابعین حسب موقع احادیث و آثار بیان کیا کرتے تھے، جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور مختلف بلاد و امصار میں صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم دینی و فقہی تعلیم کیلئے روانہ کئے گئے تو انہوں نے وہاں احادیث و شرائع کی اشاعت کی، چنانچہ ہندوستان میں بھی یہ حضرات تشریف لائے اور انہوں نے یہاں پر حسب ضرورت اس وقت کے طریقہ کے مطابق احادیث کا درس دیا، اس دعویٰ کی دلیل امام ابن ابی حاتم رازیؒ کے اس بیان میں موجود ہے وہ ''تقدمۃ الجرح والتعدیل'' میں لکھتے ہیں۔

ثم تفرقت الصحابة رضی اللہ عنھم فی النواحی والامصار، والثغور فی فتوح البلدان والمغازی والامارة والقضاء فبعث کل واحد منھم فی ناحیته وبا لبلد الذی ھوبه، ماوعاہ و حفظه عن رسول اللبه صلی اللہ علیه وسلم و حکموا بحکم اللہ عزوجل، وامضوا الامور علی ماسن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم، وافتوا فیما سئلوا عنه مما حضرھم من جواب رسول اللہ ﷺ عن نظائرھا من المسائل، و جردوا انفسھم

۱۴۶؎ سنن ابوداؤد۔

مع تقدمة حسن النية والقربة الى اللّٰه تقدس اسمه لتعليم الناس الفرائض والاحكام والسنن والحلال والحرام حتى قبضهم اللّٰه عزوجل رضوان اللّٰه و مغفرته و رحمته عليهم اجمعين. فخلف بعدهم التابعون الذى اختارهم اللّٰه عزوجل لاقامة دينه و خصهم بحفظ فرائضه و حدوده وامره و نهيه و احكامه و سنن رسوله صلى اللّٰه عليه وسلمو اثاره فحفظوا عن صحابة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ما نشروه و ثبوه من الاحكام والسنن و الاثار و سائر ما وصفنا الصحابة به رضى اللّٰه عنهم فاتقنوه و علموه وفقهوا فيه، فكانوا من الاسلام والدين و مراعاة امر اللّٰه عزو جل، ونهيه بحيث وصفهم اللّٰه عزوجل و نصبهم اللّٰه اذ يقول اللّٰه عزوجل والذين اتبعوهم باحسان رضى اللّٰه عنهم و رضوا عنه ۱۴۷؎

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم مختلف شہروں، علاقوں اور سرحدوں میں فتوحات، مغازی، امارت اور قضاء کے سلسلے میں پھیل گئے، اوران میں سے ہر ایک نے اپنے علاقے اور شہر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سن کر یاد کیا تھا سب کو عام کیا اوران حضرات نے اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سنن جاری کئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر امور و معاملات کو چلایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسائل کے جواب میں جو کچھ سنا تھا ان جیسے مسائل میں اسی کے مطابق فتویٰ دیا، اور حسن نیت اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے ساتھ لوگوں کو فرائض واحکام سنن، حلال وحرام کی تعلیم کیلئے اپنے آپ کو ہمہ تن تیار کیا، اور اپنے کام میں لگے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو اٹھالیا۔ ان کے بعد حضرات تابعین آئے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی اقامت اور اپنے فرائض، حدود، امر الٰہی احکام اور رسول اللہ

۱۴۷۔ تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۸، ۹۔

صلی اللہ علیہ وسلم کے سنن و آثار کی حفاظت کے لئے مختار و مخصوص فرمایا تھا، اور انہوں نے حضرات صحابہ سے حاصل کر کے احکام، سنن، آثار وغیرہ کو عام کیا اور ان میں اتقان، تفقہ اور علم کا حق ادا کر کے اسلام اور خدائی امر ونہی میں اس مقام پر تھے جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو رکھا ہے اور ان کی شان میں کہا ''والذین اتبوھم باحسان رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ، یعنی جن لوگوں نے حسن وخوبی کے ساتھ صحابہ کی اتباع کی ان سے اللہ راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

پس جس طرح حضرات صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم نے بلاد اسلامیہ کے غزوات، فتوحات، امارات اور قضاء وغیرہ کے سلسلے میں رہ کر کتاب وسنت کے اوامر ونواہی جاری کئے اور احادیث و فقہ کی تعلیم دی، اسی طرح انہوں نے ہندوستان میں تشریف لا کر یہاں بھی فرائض، سنن، احکام، حلال، حرام، احادیث، آثار، فقہ وغیرہ کی اشاعت فرمائی، امام ابن کثیرؒ نے ''البدایہ والنہایہ'' میں سندھ میں محمد بن قاسم کی فتوحات کے ذکر میں لکھا ہے کہ اس سے پہلے خلافت راشدہ میں اوائل بلاد الہند میں صحابہ کرام فاتح بن کر تشریف لا چکے ہیں، وہ لکھتے ہیں۔

و قبل ذلک قد کان الصحابة فی زمن عمر رضی اللّٰہ عنه و عثمان رضی اللّٰہ عنه فتحوا غالب هذه النواحی و دخلوا مابینها بعد هذا الاقالیم الکبار مثل الشام و مصر والعراق، والیمن، واوائل بلاد الترک و دخلوا الی ما وراء النهر و اوائل بلاد المغرب و اوائل بلاد الهند ١٤٨

سندھ میں محمد بن قاسم کی فتوحات سے پہلے حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانے میں صحابہ کرام نے ان اطراف کے اکثر حصہ کو فتح کیا، اور شام، مصر، عراق، یمن اور اوائل بلاد ترکستان کے وسیع وعریض اقالیم میں پہنچے، نیز وہ حضرات علاقہ ماوراء النہر، اوائل بلا مغرب اور اوائل ہند میں

١٤٨۔ البدایہ والنہایہ ج ٩ ص ٨٨۔

داخل ہو گئے۔

اوران صحابہ کرام نے اپنی ذات کے چلتے پھرتے مدرسوں سے یہاں دین کی تعلیم عام کی۔

ہماری تحقیق میں ایسے سترہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام مل سکے جو یہاں تشریف لائے ہیں جن میں دو حضرات حضرت معاویہ کے دور میں آئے، اسی طرح صرف تابعین رحمہم اللہ کے نام مل سکے ہیں جبکہ ان کی یہ تعداد یہاں آنے والے صحابہ و تابعین کی تعداد کے مقابلے میں "کھانے میں نمک کے برابر" بھی نہیں ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ تعداد میں یہ حضرات یہاں آئے ہیں، اورانہوں نے کتاب وسنت اوراحادیث وفقہ کی تعلیم اس زمانے کے طریقہ کے مطابق جاری کی، اس وقت باقاعدہ "اخبرنا وحدثنا" کا رواج نہیں ہوا تھا، اور صحابہ و تابعین کی مجلسیں اور مسجدیں دینی علوم ومعارف کے مدرسے ہوا کرتی تھیں، بعد میں جب باقاعدہ تعلیم کا دور آیا توان ہی حضرات سے احادیث کی روایت کا سلسلہ چلا۔

علمائے صحابہ

یہاں آنے والے صحابہ کرام میں سے جن حضرات کے نام اور حالات معلوم ہو چکے ہیں، ان میں مندرجہ ذیل صحابہ واحادیث وآثار اور علوم اسلامیہ کے حامل تھے۔

(۱) عثمان بن ابوالعاصی ثقفی خیار صحابہ میں سے تھے، ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ ان سے اہل مدینہ اوراہل بصرہ نے روایت کی، جن میں امام حسن بصری سب سے آگے ہیں، امام احمد نے حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے عثمان سے افضل کسی کو نہیں دیکھا، ہم ان کے گھر جا کر حدیث کی روایت کرتے تھے، ایک مرتبہ عبداللہ بن بریدہ نے خدا کی قسم کھا کر ان کی توثیق کی۔ ۱۴۸

(۲) ان کے بھائی حکم بن ابوالعاصیؓ کے بارے میں امام بخاریؒ نے لکھا ہے کہ ان کا شمار بصرہ کے علماء ومحدثین اور رواۃ حدیث میں ہوتا ہے، اورابن عبدالبر نے بھی لکھا ہے کہ ان کا شمار بصرہ کے علماء میں ہوتا ہے، اور بعض لوگ ان کی احادیث کو مرسل بتاتے ہیں ۱۴۹ ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا تذکرہ کر کے لکھا ہے کہ ان کا شمار اہل بصرہ میں ہے، ان سے معاویہ بن قرہ نے روایت کی ہے۔

۱۴۹۔ استیعاب بذیل الاصابہ، ج ۳ ص ۹۲، کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ص ۲۳۴ و ۲۵۵۔

(۳) ربیع بن زیاد حارثی سے مطرف بن شخیر، اور حفصہ بنت سیرین وغیرہ نے روایت کی، محدثین کے نزدیک ان کی کوئی مسند حدیث نہیں ہے۔

(۴) حکم بن عمرو ثعلبی سے ابوحاجب سوادہ بن عاصم، ابوالشعثاء، ولجہ بن قیس، جابر بن زید، اور عبداللہ ابن صامت نے روایت کی ہے، صحیح بخاری میں ان کی ایک حدیث مروی ہے۔

(۵) صحار بن عباس عبدی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو یا تین احادیث کی روایت کی ہے، ان کا شمار علمائے بصرہ میں تھا، ان سے ان کے دو صاحبزادوں عبدالرحمٰن ابن صحار اور جعفر بن صحار کے علاوہ منصور بن ابو منصور نے روایت کی ہے۔

(۶) عبداللہ بن عمیر اشجعی سے ابن وقدان نے روایت کی ہے۔

(۷) عبیداللہ بن معمر تیمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت طلحہ سے روایت کی ہے اور ان سے عروہ بن زبیر اور محمد بن سیرین نے روایت کی ہے۔

(۸) مجاشع بن مسعود سلمی سے ابوساسان حصین بن منذر، یحییٰ بن اسحاق، ابوعثمان مہدی، کلیب بن شہاب اور عبدالملک بن عمیر نے روایت کی ہے، ان کی احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہیں۔

(۹) عبدالرحمٰن بن سمرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور معاذ بن جبل سے روایت کی ہے، اور ان سے عبداللہ بن عباس، قتاب بن عمیر، ہصان بن کاہلی، سعید بن مسیب، محمد بن سیرین، عبدالرحمٰن بن ابولیلیٰ، حسن بصری، ابولبید، عمار بن ابوعمار مولیٰ بن ہاشم وغیرہ نے روایت کی ہے، ان کی احادیث صحاح کی کتابوں میں موجود ہیں۔

(۱۰) سنان بن سلمہ ہذلی نے اپنے والد سلمہ بن محبق، حضرت عمر، اور حضرت ابن عباس سے مرسل احادیث کی روایت کی ہے، اور ان سے سلم بن جنادہ، معاذ بن سعود، ابوعبدالصمد حبیب نے روایت کی ہے۔

علمائے تابعین

جو حضرت تابعین یہاں آئے ان میں احادیث و آثار اور علوم دینیہ کے کئی اساطین تھے۔

(۱) حکیم بن عبدیؒ عہد عثمانی میں یہاں عہدہ قضا پر فائز تھے کتاب و سنت اور احکام و فرائض کے ماہر

تھے اور مسلمانوں کے جملہ امور اور معاملات میں ان علوم کی روشنی میں فیصلہ کرتے تھے۔

(۲) امام حسن بصریؒ کی ذات شیخ الکل فی الکل کی حیثیت رکھتی تھی، اور ان کے دینی و روحانی فیوض و برکات سے یہاں کے مسلمان کو حصہ وافر ملا، اور کم از کم ڈھائی سال تک خلافت راشدہ میں انہوں نے ان اطراف میں جہاد کے ساتھ ساتھ افتا و انشاء کی خدمت انجام دی، انہوں نے جن اصحاب کرام سے روایت کی تھی ان میں یہ حضرات قابل ذکر ہیں، علی بن ابی طالب، عمر بن خطاب، ابی بن کعب، سعد بن عبادہ، ثوبان مولی رسول اللہ، عمار بن یاسر، ابو ہریرہ، عثمان بن ابوالعاصی ثقفی، معقل بن سنان، ابوموسی اشعری، ابوبکرہ، عمران بن حصین، جندب بجلی، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو بن عاص، معاویہ بن ابی سفیان معقل بن یسار، انس بن مالک اور جابر رضی اللہ عنہم، ان ناموں کے لکھنے کے بعد علماء نے لکھا ہے کہ آپ نے ان کے علاوہ صحابہ و تابعین کی ایک بڑی جماعت سے روایت کی ہے، اور ابن حبان نے کتاب الثقات میں لکھا ہے آپ نے ایک سو بیس صحابہ کو دیکھا ہے، آپ سے اکتساب فیض کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

(۳) سعد بن ہشام انصاریؒ حضرت انس بن مالک کے چچازاد بھائی ہیں۔ انہوں نے اپنے والد ہشام بن عامر، انس بن مالک، ام المومنین عائشہ، عبداللہ بن عباس، ابو ہریرہ اور سمرہ بن جندب سے روایت کی ہے، اوران سے حمید بن ہلال، زرارہ بن ابی اوفی، حمید بن عبدالرحمن حمیری اور امام حسن بصری نے روایت کی ہے، ثقہ رواۃ حدیث میں سے ہیں، دین و دیانت اور علم و فضل کے مظہر تھے اور اسی معیار پر رہ کر مکران میں شہید ہوئے۔

ان حضرات نے صحابہ کرام کے بعد اس ملک میں اپنے اپنے علوم و معارف عام کیے، انہوں نے سفر و حضر، رحلت و اقامت، غزوات و فتوحات، قضاء و امارت کے مقامات و اوقات میں کتاب و سنت کی شمع سے اس علاقے کو بقعۂ نور بنایا، اور فرائض، سنن، احکام، اوامر، نواہی کی تعلیم کیلئے اس دور کی ضرورت اور طور و طریقے کے مطابق وہ تمام دینی و علمی خدمات انجام دیں جو تمام بلاد اسلامیہ میں عام تھیں، اور جس طرح ہر ملک میں صحابہ و تابعین ان کی اشاعت میں اپنے اپنے طور پر مشغول تھے، یہاں بھی یہ حضرات اپنے کام میں مشغول تھے۔

لسانی علوم اور شعراء وادباء

یہاں کے نو وارد اور مقیم مسلمانوں میں کتاب وسنت اور دینی علوم کے حاملین کے علاوہ اس دور کے دیگر مروجہ علوم وفنون کے فضلاء ومشاہیر بھی موجود تھے، چنانچہ شعر وادب اور فصاحت وبلاغت میں یہ حضرات سرنامہ کی حیثیت رکھتے ہیں، فاتح مکران حکم بن عمرو تغلبی زبردست شاعر تھے، اور ان سے سندھ کے ریگستان نے پہلی بار عربی نغمہ سنا، ہماری تحقیق میں ہندوستان کے اسلامی ادب میں یہ پہلا شعری سرمایہ ہے عاصم بن عمرو تمیمی بھی مشہور بہادر شعراء میں سے تھے، عراق کی فتوحات کے سلسلے میں ان کے بہت سے اشعار ہیں، عبیداللہ بن معمر تیمی بھی شاعر تھے۔ حضرت معاویہ کے بارے میں ان کے اشعار ہیں حکیم بن جبلہ عبدی کے اشعار کتابوں میں مذکور ہیں نسیر بن دیسم عجلی بہادر شراء میں سے تھے اور فتح قادسیہ کے موقع پر ان کے بھی اشعار ہیں۔

صحار عبدی کئی لسانی اور ادبی علوم وفنون کے ماہر تھے، فن خطابت، فصاحت و بلاغت اور حاضر جوابی میں اپنے زمانے کے مشہور آدمی تھے، ساتھ ہی علم الانساب میں شہرت کے مالک تھے، ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں ان کی کتاب الامثال کا ذکر کیا ہے، انہوں نے حضرت عمرؓ کے سامنے سندھ اور مکران کا جو نقشہ کھینچا ہے، وہ فصاحت وبلاغت اور ایجاز کا بہترین نمونہ ہے، انشاء میں امام حسن بصری شہرت رکھتے تھے۔

سیاحت وسیاح

سب سے پہلے اسلامی سیاح حکیم بن جبلہ عبدی ہیں جنہوں نے سیر وسیاحت کر کے یہاں کے سرکاری، سیاسی، معاشی، معاشرتی، اور جغرافیائی حالات نہایت تحقیق وتفصیل کے ساتھ معلوم کیئے۔ انہوں نے حضرت عثمان کو ثغر ہند کے حالات بتانے سے پہلے بتایا تھا۔

یا امیر المو منین قد عرفتها وتنحرتها (فتوح ص۴۲۱)

اے امیر المومنین! میں نے ہندوستان کے حالات کو نہایت تحقیق کے ساتھ معلوم کیا ہے۔ ان سے پہلے صحار عبدی نے بھی اپنی تحقیق وتلاش سے مکران کے آگے حدود ہند کے حالات کا پتہ چلا لیا تھا، انہوں نے حضرت عمر کو مکران کے حالات سناتے ہوئے آخر میں یہ بھی کہا تھا۔

وما ورائها شر منها۔ (طبری ج ۴ ص ۱۸۳) مکران کے بعد ہندوستان کے حالات اس سے بھی برے ہیں۔

ہم ان دونوں بزرگوں کو خلافت راشدہ میں ہندستان کے جغرافیہ کا عالم بھی مانتے ہیں۔

اعیان واشراف اور ارباب حیثیت

یہاں کے امراء وفاتحین میں اپنے زمانے کے نامی گرامی اور صاحب حیثیت اعیان واشراف بھی تھے، جو خلافت راشدہ میں عزت وشہرت اور ناموری کے مالک تھے اور بعد پشتہا پشت ان میں عزت وشرافت دولت وثروت اور اثر واقتدار کا دور دورہ رہا، عثمان بن ابی العاصی ثقفیؓ اور ان کے بھائی، نجبائے عرب میں سے تھے، اور ان سب کی اولاد اپنے اپنے زمانے میں اعیان واشراف میں شمار ہوتی تھی، یہ خاندان بصرہ میں صدیوں تک جاہ حشمت اور نجابت وکرامت کا وارث ومالک رہا، ان کے نام سے بصرہ میں ایک مستقل علاقہ 'شط عثمان، تھا جہاں وہ اور ان کے تمام بھائی مع اولاد کے رہتے تھے، اس علاقہ کا سرکاری انتظام بھی علیحدہ تھا، فاتح مکران عبیداللہ بن معمر تیمیؓ کی اولاد میں بھی نامی گرامی افراد اور ارباب جاہ وحشم تھے، ان کے لڑکے عمر بن عبیداللہ نے ارمائیل فتح کیا اور ان کے پوتے جعفر بن طلحہ بن عبیداللہ 'صاحب ام العیال'' کے لقب سے مشہور تھے ام العیال ایک چشمہ تھا جس پر جعفر نے اسی ہزار دینار خرچ کیے تھے، اور اس سے جو باغ سیراب ہوتا تھا اس سے سالانہ چار ہزار دینار کی آمد ہوتی تھی، اس چشمہ سے بیس ہزار سے زائد کھجور کے درخت سیراب ہوتے تھے، نسیر بن وسیم بن ثور عجلی ''صاحب قلعة النسير '' کے لقب سے مشہور تھے، یہ فارس کے شہر ہمدان میں ایک قلعہ تھا ۲ عبدالرحمٰن بن سمرہ نے بصرہ کے جس علاقہ میں سکونت اختیار کی تھی۔ وہ ''سکتہ سمرہ'' کی نسبت سے مشہور تھا۔ اسی میں ان کا قصر تھا جس کی مسجد کابل کے طرز تعمیر پر تعمیر ہوئی تھی، مجاشع بن مسعود سلمیؓ کے پاس 'دبساء'' نامی ایک مشہور گھوڑا تھا جس کی دوڑ سے انعام حاصل کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ اسی سے پچاس ہزار درہم کا انعام حاصل کیا، چنانچہ ایک بار عثمان بن ابوالعاصی ثقفی کے بارے میں ابن حزم نے من خیار الصحابہ لکھا ہے۔ حکم بن عمرو تغلبی غفاری کو ابن کثیر نے صحابی جلیل بتایا ہے، عبداللہ بن عتبان انصاری کے بارے میں ابن حجر نے تصریح کی ہے، وكان بطلاً شجاعاً من اشراف الصحابة.

بہادران اسلام

بسالت وشجاعت، اور بہادری ومردانگی عربوں کی خاص صنعت تھی جو صحابہ وتابعین میں بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی، اور اسی کے ساتھ ایمان ویقین کی روحانی وخدائی طاقت نے ان میں بے پناہ حوصلہ مندی پیدا کردی تھی، اس صفت میں کئی حضرات ممتاز مقام کے مالک تھے، حکیم بن جبلہ عبدیؓ اپنے زمانے میں بہادری وشجاعت میں بے مثال تھے۔ ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ فمارئی اشجع منہ، یعنی ان سے زیادہ بہادر آدمی نہیں دیکھا گیا، حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان انصاریؓ کے متعلق کان بطلاً شجاعاً کا وصف گزر چکا ہے۔ شہاب بن مخارق تمیمیؒ عجم کے غزوات کے شہ سواروں میں خاص شہرت رکھتے تھے ان کی بہادری کے بارے میں امام طبری نے ایک عجیب وغریب واقعہ لکھا ہے، اسی طرح حارث بن مرہ عبدیؒ، صحارؒ اور دیگر کئی حضرات شہ سواری وبہادری میں مشہور تھے، عربوں کی روایتی جود وسخا اور عطاء وبخشش کی پہلی بارش اس سرزمین پر اسی عہد میں ہوئی حارث بن مرہ عبدی عہد اسلام کے مشہور اسخیاء میں شمار ہوتے تھے، انہوں نے یہاں پر ایک دن میں ایک ہزار غلام اپنی فوجوں میں تقسیم کیے اور پانچ سو شہ سواروں کو ساز وسامان دیا، محمد بن حبیب بغدادی نے لکھا ہے:

وَمن اجواد الاسلام ...... ربیعة الحارث بن مرة العبدی۔

عبّادو زہّاد

زہد وتقویٰ حضرات صحابہ وتابعین کا شعار وورثہ تھا مگر اس بارے میں بعض بعض اپنے اقران و معاصرین میں خاص نظر سے دیکھے جاتے تھے، ان میں سہل بن عدی انصاری بڑے مقام ورتبہ کے مالک تھے، وہ اصحاب بدر میں سے تھے، صحار عبدی نہایت نیک وعابد وزاہد اور فاضل انسان تھے، ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ وکان خیراً فاضلاً عابداً، ربیع بن زیاد حارثی کے بارے میں لکھا ہے وکان متواضعاً خیراً، فقر ودرویشی کا یہ حال تھا کہ امارت وولایت کے زمانے میں عامی آدمی معلوم ہوتے تھے، اور عزت و احترام اور جلالت کا یہ عالم تھا کہ امیر نہ ہوتے ہوئے امیر وحاکم نظر آتے تھے، اس خاص وصف میں اپنے معاصرین میں مشہور تھے، عبدالرحمٰن بن سمرہ کی تواضع وفروتنی مشہور تھی، بقول ابن اثیر "وکان

متواضعاً" ان کی تواضع اس وقت قابل دید و عبرت ہوتی تھی جبکہ بارش میں ٹوپی پہن کر اور ہاتھ میں پھاوڑا لے کر راستہ صاف کیا کرتے تھے، حکیم بن جبلہ عبدی کی ذات مجمع صفات تھی، اور اپنی نیکی و دینداری کی وجہ سے بڑی مقبولیت رکھتی تھی، ابن عبدالبر نے لکھا ہے:

"وکان رجلاً صالحاً له دین مطاعاً فی قومه

حسن بصری اپنے زہد وتقویٰ اور خیر و برکت میں امامت کے مرتبے کے مالک تھے۔

عہد رسالت اور دور صحابہ کی یہی بابرکت و برگزیدہ ہستیاں ہیں جن کے زہد وتقویٰ اور اخلاص و للّٰہیت کی قدریں آگے امت مسلمہ کے عباد و زہاد کا مرجع و ماویٰ بنیں، اور اصفیاء و اتقیاء نے اسوہ بنایا، خلافت راشدہ ہی میں ہندوستان ان قدوسیوں کے انفاس گرم کی برکتوں سے فیضیاب ہوا، اور انہوں نے دینی و اسلامی زندگی میں ایمان و احسان کی کشش پیدا کی، معلوم ہونا چاہئے کہ سلف صالحین کا زہد و تصوف کسی خاص نقطہ نظر یا مکتب فکر میں محدود و محصور نہیں تھا بلکہ ہر طبقہ اور ہر خیال میں زہد وتقویٰ کی قدریں ابھریں اور ان کے حاملین کو زاہدین و اصفیاء میں شمار کیا گیا، چنانچہ اس دور کے تمام فرقوں میں اس طرح عباد و زہاد گزرے ہیں۔

ہندوستان کے مسلمان عرب میں

اگر مجاہدین اسلام نے اپنی تلواروں سے بلاد و امصار فتح کیے تو ان کے اخلاق و کردار نے باشندوں کے دلوں کو فتح کیا، اور انہوں نے اپنی عقیدت و محبت کی ساری متاع گراں اسلام اور مسلمانوں کے حوالہ کر دی۔ اس تاریخی حقیقت کی متعدد مثالیں اسلامی ہند کی ابتدائی تاریخ میں موجود ہیں کہ یہاں کے لوگوں نے برضا و رغبت اسلام قبول کیا، اور مسلمانوں نے اپنے ان دینی ملی بھائیوں کو عزت و کرامت اور اخوت و محبت کی بھرپور قدروں سے نوازا۔

زط و سیابجہ، اور جنگی قیدی!

یہ واقعہ تفصیل سے گزر چکا ہے کہ جب ایرانی فوج کے اسوار یعنی شہسوار اجتماعی طور سے چند شرائط کے ساتھ اسلام میں داخل ہوئے تو ان کے ساتھ ہندوستان کے لوگ بھی مسلمان ہوئے جن میں جاٹ، سیابجہ، سب ہی شامل تھے، اساورہ کی طرح وہ بھی عرب کے ایک معزز قبیلہ کے ساتھ ولاء اور

۱۵۰۔ التاریخ الکبیر ج ا قسم ص ۳۲۹، استیعاب ج ا ص ۳۰۲۔

دوستی کا معاملہ کر کے مجد و اشرف کے مستحق بنے، ان کو بھی بصرہ میں آباد کر کے دیگر مجاہدین اسلام کی طرح اسلامی بیت المال سے وظیفہ دیا گیا، اور ان نومسلم جاٹ اور سیابجہ کی شان وشوکت اور بصرہ کے اسلامی معاشرہ میں ان کی عزت و کرامت نے عرب کے ان ہندوستانیوں کی آنکھیں کھول دیں جو قدیم زمانے سے یہاں کے سواحل میں گئی گزری زندگی بسر کر رہے تھے، اور تمدن وحضارت سے کوسوں دور رہ کر بداوت وخشونت پر قانع تھے چنانچہ عرب کے ان جاٹ اور سیابجہ نے بھی خوشی خوشی اسلام قبول کرلیا، مسلمانوں نے ان کو بھی اپنے سینے سے لگایا اور اپنی حلف وولاء میں لے کر مجد و شرف کا مالک قرار دیا۔

اس سلسلے میں علامہ بلاذری کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ جب ان نومسلم ہندوستانیوں کو معلوم ہوا کہ بصرہ کے عربوں میں بنو تمیم کا قبیلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب کا نسبی تعلق رکھتا ہے تو اساورہ کی طرح انہوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت ومحبت کا اظہار کرتے ہوئے بنو تمیم ہی کی معیت وصحبت میں زندگی بسر کرنی چاہی، اور بنو تمیم کے مختلف بطون وقبائل کی شیفتگی وفریفتگی کا یہ عالم تھا کہ ان کا ہر قبیلہ ان ہندوستانی نومسلموں کو اپنی ولاء اور دوستی میں لینے کے لئے کوشش کر رہا تھا اور نوبت کشمکش کی آ گئی تھی، مگر فیصلہ کے طور پر اس کی دو شاخوں نے ان کو آپس میں یوں تقسیم کرلیا کہ ایران کے اسوار بنو سعد کے ساتھ ہو گئے اور ہندوستان کے جاٹ اور سیابجہ بنو حنظلہ کی حلف وولاء میں چلے گئے، ان ہی کے ساتھ اسلام کے عسکری نظام میں داخل ہو کر عطایا و وظائف کے مستحق ٹھہرے، اور اسلامی فوج کے ساتھ ایران اور ہندوستان میں کفار ومشرکین کے ساتھ جنگ کی۔

غلاموں کے ساتھ حسن سلوک

ایرانی فوج کے ہندوستانیوں اور عرب میں آباد ہندوستانیوں ہی کو دولت اسلام نصیب نہیں ہوئی، بلکہ یہاں کا ایک طبقہ اور ہے جسے عرب میں جا کر یہ سعادت ملی، یعنی وہ لوگ جو یہاں سے جنگی قیدی اور غلام بنا کر عرب لے جائے گئے اور انہوں نے اسلام قبول کر کے مختلف قبائل اور افراد کی ملکیت اور ولاء میں زندگی بسر کی، اس طبقہ نے بھی اپنے آقاؤں کے حسن سلوک سے شاندار اور زندگی پائی اور کہنا چاہئے کہ ان کو اپنے بڑوں اور مربیوں کی نگرانی میں آگے بڑھنے کے مواقع ہاتھ آئے۔

۱۵۱۔ کتاب الاموال ص ۱۳۵ و ص ۱۳۶۔ ۱۵۲۔ فتوح البلدان ص ۳۷۰۔

اسلامی قانون جہاد کی رو سے جنگی قیدیوں کے ساتھ چار قسم کا معاملہ کیا جاتا تھا، اور خلیفہ وقت ان میں سے کسی ایک قسم پر حالات کی مناسبت سے عمل کرتا تھا، اور اپنی صوابدید کے مطابق ان میں سے کسی ایک صورت کے اختیار کرنے کا مجاز تھا۔

(۱) من یعنی یونہی بغیر فدیہ لئے بطور احسان اور حسن سلوک کے ان کو چھوڑ دے۔

(۲) فداء یعنی فدیہ کے بدلے میں رہائی دے۔

(۳) قتل یعنی لڑنے والے جنگی قیدیوں کو قتل کردے۔

(۴) رق یعنی ایسے مجرموں کو غلام قرار دیدے، واضح ہو کہ یہ تمام صورتیں ان قیدیوں کے کفر وشرک پر قائم رہنے کی صورت میں ہیں، اور اگر یہ قیدی گرفتاری کے بعد مال غنیمت کے ساتھ مجاہدوں میں تقسیم کردیئے گئے اور ان کی ذاتی ملکیت میں آجانے کے بعد ان کے پاس رہے، یا فروخت ہو کر دوسرے کی ملکیت بن گئے۔ تو ایسی صورت میں ان کو صرف غلام بنایا جائے گا، اور غلام و آقا کے درمیان غلامی اور آزادی کا معاملہ رہے گا، امام ابو عبید قاسم بن سلام نے لکھا ہے:

> افتتح المسلمون بلاد العجم فاسترقوا الاسارى ايضاً مع الاحكام الثلاثة، فامر الناس على هذا ان الامام مخير فى الاسير من الرجال فى اربعة احكام المن، والفداء، والقتل، والرق، قال ابو عبيد، وانما يكون للامام الخيار فى الاسارى مالم يقروا بالاسلام فاذا اقروا به زالت عنهم هذه الاحكام كلها ولم يكن عليهم سبيل الاسبيل الرق خاصة ان كانوا قد بيعوا او قسموا۔ ۱۵۰
>
> مسلمانوں نے بلاد عجم فتح کر کے وہاں کے قیدیوں کو غلام بنایا اور تین صورتوں پر عمل کیا، اور بعد میں بھی اسی پر لوگوں کا عمل رہا، قیدی کے بارے

میں خلیفہ وقت چار احکام میں جسے چاہے اختیار کرے، (۱) احسان کر کے چھوڑ دے (۲) فدیہ لے کر چھوڑ دے، (۳) قتل کر دے (۴) غلام قرار دے دے، خلیفہ کا اختیار اس وقت تک ہے جب تک کہ قیدی اسلام کا اقرار نہ کرے، مگر جب مسلمان ہو جائیں گے تو ان پر یہ احکام لاگو نہیں ہوں گے اور اس کے بعد اگر وہ فروخت کر دیئے گئے، یا تقسیم کر دیئے گئے تو ان کی غلامی کے سوا اور کوئی صورت باقی نہیں رہے گی۔

عجم کے قیدیوں کی طرح ہندوستان کے قیدیوں کے ساتھ بھی ان چار طریقوں میں سے بعض طریقے اختیار کیے گئے، ہماری تحقیق میں ان کے ساتھ صرف دو صورتیں پیش آئیں، یعنی مَن اور رِق، اور ان کے بارے میں اس دور میں فداء یا قتل کا کوئی روایت نظر سے نہیں گزری، یعنی ہندوستان کے جنگی اسیروں کو عرب جا کر نہ قتل کیا گیا، اور نہ ان سے فدیہ وصول کیا گیا بلکہ وہ یونہی آزاد کر دیئے گئے یا پھر غلام بنائے گئے، اور ان کے ساتھ وہ حسن سلوک کیا گیا جو اسلامی تعلیمات کی رو سے آقاؤں اور مالکوں پر واجب ہے، مَن کے طور پر یعنی بغیر فدیہ لئے اہواز کے جاٹوں کی رہائی ہوئی تھی، جن کو ۱۷ھ میں شدید جنگ کے بعد مسلمانوں نے گرفتار کر کے آپس میں تقسیم کر لیا تھا، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے ان کو آزادی دے دی، ۱۵۱ اور بعض اوقات یہاں کے قیدیوں کو غلام بنا کر فوج میں تقسیم کر دیا گیا، چنانچہ ۳۶ھ یا ۳۸ھ میں حارث بن مرہ عبدی نے مکران، قندابیل اور قیقان وغیرہ میں فتوحات حاصل کر کے بہت سے قیدی گرفتار کیے حتی کہ ایک فتح کے موقع پر ایک دن میں ایک ہزار جنگی قیدی فوج میں تقسیم کیے، ۱۵۲ نیز بعض دیگر فتوحات میں یہاں کے قیدی عرب گئے اور غلام بنائے گئے، جن میں سے اکثر و بیشتر وہاں جا کر مسلمان ہو گئے اور اپنے آقاؤں کے خاندان و قبائل سے ان کے ولاء کا تعلق یوں قائم ہوا کہ وہ بھی ان میں شمار کیے گئے اور ان کی طرف منسوب ہوئے آگے چل کر ان میں بڑے بڑے علماء، فقہاء، محدثین، ادباء، شعراء اور ہر علم و فن کے امام پیدا ہوئے، ان کے متعدد خاندانوں میں صدیوں تک ائمہ دین اور حفاظ حدیث کا سلسلہ چلا، اور ان میں بہت سے خاندان و افراد دنیاوی حشمت و جاہ کے مالک ہوئے۔

فوجی ملازمت

۱۵۳۔ تاریخ خلیفہ ج ۱ ص ۲۱۴، فتوح البلدان ص ۴۲۱۔

یہ تمام ہندوستانی مسلمان اپنے یہاں کے راجوں مہاراجوں کی بندگی و غلامی اور ایران کے شہنشاہوں کی نوکری اور چاکری سے نکل کر عرب مسلمانوں کی ولاء اور حمایت و حفاظت میں کیا گئے ان کو کھلی فضا مل گئی جس میں انہوں نے آزادی اور زندگی کا سانس لیا اور اپنے کو دین و دیانت اور تمدن و حضارت کے نئے قالب میں ڈھال دیا، مسلمانوں نے بھی اپنے ان بھائیوں کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں پوری کوشش کی، ایران کے اساورکی طرح ہندوستان کے ان باشندوں نے بھی عزت نفس، احترام ذات، اور خود اعتمادی و خودشناسی کے ساتھ برضا و رغبت اسلام قبول کیا، اور اپنے متعلق خلیفہ وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ شرطیں منظور کرائیں۔

(۱) ہم مسلمان ہوکر دشمنان اسلام عجمیوں سے جنگ کریں گے۔

(۲) اگر مسلمانوں میں باہمی اختلاف ہوا تو ہم کسی ایک فریق کی طرف سے جنگ نہیں کریں گے۔

(۳) اگر عربوں نے ہم سے جنگ کی تو مسلمان ہماری مدد کر کے ہماری حفاظت کریں گے۔

(۴) ہم عرب کے جس شہر میں اور مسلمانوں کی جس جماعت کے ساتھ چاہیں گے۔

(۵) وظیفہ و عطیہ کے شرف میں ہم کو بھی شامل کیا جائے گا۔

ان شرائط و مواعید پر ہندوستان کے لوگ اسلام لائے اور مسلمانوں نے ان کی یہ تمام شرطیں پوری کیں، چنانچہ ایرانی فوج کے ہندوستانی سپاہی اور عرب کے ہندوستانی باشندے عراق کے نوآباد اسلامی شہر بصرہ جیسے دینی و علمی اور علوم ورجال سے معمور شہر میں سکونت پذیر ہوئے اور وہاں کے معزز و محترم قبیلہ بنوتمیم کے ساتھ ہوکر ان کے علاقے میں اپنے مکانات تعمیر کئے، اور ان کی ولاء و دوستی میں اسلامی زندگی کے ہر میدان میں آگے بڑھے، ان دونوں قسم کے ہندوستانی مسلمان عام طور سے اسلامی فوج میں شامل ہوئے، اور وظائف وغنائم سے ان کو وہی حصہ ملا جو عرب کے ہر مسلمان فوجی اور مجاہد کو ملتا تھا، انہوں نے ایران کی فوجی مہمات میں انشراح قلب اور حوصلہ مندی کے ساتھ شریک ہوکر کل تک جس سلطنت کی غلامی کی تھی، آج اس سے مردانگی اور بہادری سے مقابلہ کیا اور کل تک جس عقیدہ کی طرف سے جنگ کرتے تھے آج اسی سے جنگ کی، بلاذری نے تصریح کی ہے۔

والزط والسيابجه في بني حنظلة فاقاموا معهم يقاتلون المشركين و خرجوا مع ابن عامر الى خراسان[۱۵۴]

جاٹ اور سیابجہ بنو حنظلہ سے مل گئے اور ان ہی کے ساتھ رہ کر مشرکوں سے

۱۵۴۔ فتوح البلدان ص ۳۶۹۔ ۱۵۵۔ مجمع البحرین، مادۂ زط۔

جنگ کرنے لگے، اور وہ لوگ عبداللہ بن عامر کے ساتھ خراسان کی جنگ میں شریک ہوئے۔

عہد عثمانی میں ۳۰ھ میں امیر بصرہ حضرت عبداللہ بن عامرؓ نے کابل و سجستان سے لے کر سندھ و مکران تک جہاد کیا کرایا تھا، اسی جنگ میں یہ نو مسلم جاٹ اور سیابجہ نکلے تھے، اس غزوہ میں ابن عامر نے ربیع بن زیاد حارثی کو بھاری فوج دیگر اطراف و جوانب میں روانہ کیا تھا اور انہوں نے سجستان وسندھ کے درمیان مقام زرنگ کو مرکز بنا کر ڈھائی سال میں آس پاس کے تمام علاقے فتح کئے۔ اس ضمن میں علاقہ داور کو بھی فتح کیا جو اس زمانے میں شمال کی طرف سندھ کی آخری سرحد تھا، ظاہر ہے کہ ان فتوحات میں ابن عامرؓ اور ربیع بن زیاد کے ساتھ ہندوستانی سپاہی بھی رہے ہوں گے۔

شہری ملازمت

ان ہندوستانی مسلمانوں کے حسن عمل اور جذبہ خدمت نے ان کو صرف رزم کے میدان ہی میں عزت و ناموری نہیں بخشی بلکہ انتظامی امور و معاملات کی بزم میں بھی ان کو معتمد و معتبر قرار دیا، خلافت کے بعض اہم شعبے ان کی حفاظت و نگرانی اور معتمدی میں دیئے گئے اور اعیان و اشراف اور ارباب دولت و تجارت کی ملازمت میں رہ کران کے بہترین معاون ثابت ہوئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بصرہ کے سرکاری بیت المال کے محافظ و نگراں یہی نو مسلم جاٹ اور سیابجہ تھے، اور انہوں نے اپنی فرض شناسی اور ذمہ داریوں کا یوں ثبوت پیش کیا کہ جان دیدی مگر اسلامی خزانہ کی ایک پائی جانے نہیں دی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس زمانے میں بصرہ کے بیت المال کی حفاظت کیلئے جاٹ اور سیابجہ کی ایک جماعت جو چالیس افراد اور ایک روایت کی رو سے چار سو افراد پر مشتمل تھی، اس وقت بصرہ کے امیر حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت عثمان بن حنیف انصاری تھے، جنگ جمل ۳۶ھ سے کچھ پہلے حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور حضرت زبیر بن عوام وغیرہ اپنے آدمیوں کی جماعت لے کر بصرہ گئے، اور امیر بصرہ عثمان بن حنیف انصاری کو امارت سے برطرف کر کے وہاں کے خزانے پر قبضہ کرنا چاہا مگر ان ہندی محافظوں نے حوال کرنے سے شدت کے ساتھ انکار کر دیا اور کہا کہ حضرت علی کے آنے تک ہم اسے کسی کے حوالے نہیں کریں گے، اس وقت اس گروہ کے سربراہ اور

۱۵۶۔ لسان العرب، ج ۲ ص ۲۹۴، مادہ سبج۔ ۱۵۷۔ لسان العرب ج ۲ ص ۲۹۴، مادہ سبج۔

رئیس ابو سامہ زطی نامی ایک نہایت صالح اور بزرگ شخص تھے، ان کا یہ جواب سن کر عبداللہ بن زبیر نے رات میں ایک جماعت لے کر ان پر حملہ کر دیا اور صبح ہوتے ہوتے سب کے سب قتل کر دیئے گئے۔
۱۵۴؎ یہ واقعہ انساب الاشراف اور دوسری کتابوں میں بھی موجود ہے، یہ پہلا موقع تھا جبکہ خود مسلمانوں کی طرف سے ان نو مسلم ہندوستانیوں کے ساتھ وعدہ خلافی کا ظہور نہایت غیر ذمہ دارانہ طریقہ پر ہوا، انہوں نے یہ شرط بھی رکھی تھی کہ ہم مسلمانوں کے باہمی جھگڑوں سے الگ رہیں گے اور اگر ہم پر کسی جماعت کی طرف سے زیادتی ہوئی تو مسلمان ہمارا مگر افسوس کہ اندرونی مشاجرات نے انکے ساتھ زیادتی روا رکھی، حضرت علی کوفہ میں ہنگامی حالات سے دوچار تھے، اور ان کے امیر بصرہ اس حادثہ سے پہلے ہی معزول کر دیئے گئے تھے، پھر ان مظلوموں اور وفادار ملازموں کی مدد کون کرتا؟ اسی حادثہ فاجعہ کا ردعمل تھا کہ عراق کے مسلمان جاٹ اور سیابجہ حضرت علی کے ہمنوا بن گئے، اور ان میں جانبداری کا رجحان پیدا ہو گیا ورنہ انہوں نے اپنی شرائط میں نہایت صفائی سے طے کر لیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے باہمی جھگڑوں میں کسی ایک گروہ کا ساتھ نہیں دیں گے، مگر اپنے آدمیوں کے قتل عام کے بعد مجمع عام میں اپنے نظریہ کا اظہار کرنے لگے اور حضرت علیؓ کے ہمنوا بن گئے، چنانچہ جب اس جنگ کے بعد حضرت علیؓ بصرہ میں داخل ہوئے تو ستر جاٹوں کے ایک نمائندہ نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی مادری زبان میں حضرت علی کی طرفداری اور ان کے حریفوں سے بیزاری کا اظہار کیا۔

انہ لما فرغ من قتال اهل البصره اتاه سبعون رجلا من الزط فكلموه بلسانهم، فقالوا لعنهم الله، بل انت ، انت ۱۵۵؎

جب حضرت علیؓ اہل بصرہ سے جنگ کر کے فارغ ہوئے تو ان کے پاس ستر جاٹوں نے آکر اپنی زبان میں کہا کہ آپ کے مخالفوں پر لعنت ہو، جو کچھ ہیں آپ ہیں۔

جنگ جمل جمادی الاخری ۳۶ھ میں ہوئی، اسی زمانہ میں بصرہ کے مسلمان جاٹوں اور سیابجہ کا قتل ہوا، اور وہ مجموعی طور سے حضرت علیؓ کے طرفدار بن گئے، نیز حضرت علیؓ نے بھی ان سے تعلقات خوشگوار طور پر قائم رکھے خولہ سندیہ حنفیہ پہلے ہی سے ان کی باندی اور کنیز تھیں، بعد میں حضرت حسین بن

۱۵۸؎ احسن التقاسیم ص ۱۵۸۔

۱۵۹؎ فتوح البلدان ص ۳۸۸۔

علی کی باندی سلافہ یا غزالہ سندیہ اور حضرت علی بن حسین بن علی کی باندی حیدان سندیہ ہوئیں اور ان تینوں ہی سے اولاد کا سلسلہ چلا۔

نیز ہندوستان کے یہ باشندے عراق وغیرہ میں اجتماعی اور انفرادی کاموں میں حصہ لیتے تھے، اور ان کے خلوص، خدمت اور ذمہ داری نے عربوں میں بڑا اعتماد پیدا کر دیا تھا، چنانچہ یہ لوگ تجارتی جہازوں پر بحری قزاقوں سے جنگ کرنے کیلئے ملازم رکھے جاتے تھے، لسان العرب میں ہے۔

والسیابجه قوم ذو وجلد من السند والهند یکونون مع رئیس السفینه البحریه یبدرقونها ۱۵٦؎

سیابجہ سندھ اور ہندوستان کی ایک طاقتور قوم ہے یہ لوگ بحری جہازوں کے افسروں کے ساتھ رہتے ہیں اور ان کی حفاظت کرتے ہیں۔

جاحظ نے یہاں کے بیاسرہ کے بارے میں لکھا ہے کہ جہازوں کے ناخدا ان لوگوں کو دشمنوں سے لڑنے کیلئے اجرت پر رکھتے تھے، ہندوستان کے بحری قزاق اپنی غارت گری میں قدیم زمانے سے مشہور تھے، ان کو مید کہتے تھے، یہ عرب اور ہندوچین کے درمیان آنے جانے والے تجارتی جہازوں کو لوٹ لیا کرتے تھے، اس لئے ہندوستانی بحری ڈاکوؤں سے مقابلہ کے لئے یہیں کے لوگ رکھے جاتے تھے، جو ان ڈاکوؤں کے داؤ پیچ سے اچھی طرح واقف تھے، اور ان سے بحری جنگ کرنے میں ماہر تھے، قرین قیاس ہے کہ خلافت راشدہ کی بحری مہمات میں یہی لوگ بحری بیڑے کے نگراں اور محافظ ہوتے تھے۔

نیز یہ ہندوستان کے جاٹ اور سیابجہ سرکاری جیل خانہ کے محافظ اور داروغہ ہوتے تھے، اور بیت المال کی حفاظت کی طرح جیل خانوں کی نگرانی بھی کرتے تھے، لسان العرب میں ہے۔

السیابجة قوم من السند کانوا بالبصره جلاوز و حراس السجن ۱۵۷؎

سیابجہ سندھ کی ایک قوم ہے، یہ لوگ بصرہ میں پہرہ داری کرتے تھے اور جیل خانے کے نگران ومحافظ تھے۔

غالب گمان ہے کہ یہ لوگ اس زمانے کے اعیان واشراف اشخاص کی املاک وجائیداد اور قصور ومحلات کی پہرہ داری اور دربانی بھی کرتے تھے، ہندوستان کے باشندے اپنے جسم وجسامت، شکل و

۱٦۰۔ فتوح البلدان ص ٤٣٦۔

ہیئت اور قوت و طاقت کی وجہ سے اس قسم کے ذمہ دارانہ کاموں کیلئے بہت مناسب ہوتے تھے۔

یہ لوگ فن تعمیر میں ماہر مانے جاتے تھے، اور قصور و محلات اور مساجد کی تعمیر میں ان کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں، بلکہ بہت بعد تک فن تعمیر میں شہرت و مہارت کی وجہ سے ہندوستان سے عرب بلائے جاتے تھے، چنانچہ خلیفہ ولید نے جامع دمشق کی تعمیر میں دنیا بھر کے ماہر و مشہور معماروں اور مہندسوں کو بلایا تو یہاں کے کاریگر بھی اس کی تعمیر میں شریک ہوئے ۱۵۸، ان معماروں نے عرب کی اسلامی تعمیرات و عمارات میں عجمی اور ہندوستانی طرز تعمیر کی آمیزش کی، حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ نے ۳۳ھ میں کابل و سجستان اور علاقہ سندھ داور وغیرہ کی فتوحات کے سلسلے میں حاکم زرنگ سے دولاکھ (دصیف) نوکروں اور مزدوروں پر صلح کی تھی، بعد میں جب مستقل طور سے بصرہ میں سکونت اختیار کی تو ان ہی مزدوروں نے ان کے قصر میں ایک مسجد یہاں کے طرز تعمیر پر بنائی، بلاذری نے لکھا ہے۔

> وكان قدم عبدالرحمن بغلمان من سبي كابل فعملوا له مسجداً في قصره بالبصرة على بناء كابل ۱۵۹
>
> عبدالرحمٰن بن سمرہؓ کابل سے قیدی غلام لائے تھے، جنہوں نے بصرہ میں ان کے محل کے اندر کابل کے طرز پر ایک مسجد بنائی۔

ان ہندوستانی معماروں اور مہندسوں نے عراق میں کوفہ اور بصرہ وغیرہ کی تعمیر و آبادی میں نمایاں خدمات پیش کی ہوں گی، اور ان میں قصور و محلات اور مساجد تعمیر کر کے ہندوستانی طرز تعمیر کا نمونہ پیش کیا ہوگا۔

عطایا و وظائف میں مساوات

۱۶ھ میں ایرانی فوج کے اساورہ اور ہندی سپاہی اسلام میں داخل ہو کر عجم کی محاربات میں شریک ہوئے، اس کے بعد ہی عرب کے قدیم ہندوستانی بھی مسلمان ہو کر اساورہ کی شرطوں پر اسلامی معاشرہ میں آئے، اور ان میں سے بھی بہت سے لوگوں نے اسلامی فوج میں شرکت کی، اور جو لوگ ہندوستان سے جنگی قیدی بنا کر عرب لے جائے گئے اور انہوں نے وہاں جا کر اسلام قبول کر لیا وہ اپنے آقاؤں کی ماتحتی میں رہے، ان کو فوجی ملازمت یا کسی اور قسم کی ملازمت کے مواقع کم مل سکے، مگر بیت المال کے عطایا اور وظائف میں حسب قاعدہ ان سب کا حصہ رہا اور سب کے سب اس شرف سے مشرف ہوئے

۱۶۱۔ فتوح البلدان ص ۴۴۴۔ ۱۶۲۔ فتوح البلدان ص ۴۴۴۔

جس کیلئے اساورہ نے شرط لگائی تھی، فوجیوں کو ان کے حساب سے اور مسلمان غلاموں کو ان کے آقاؤں کے حساب سے وظیفہ ملتا تھا۔

۲۰ھ سے پہلے فتوحات وغنائم سے خمس کی جو رقم دارالخلافہ میں آئی تھی مسلمانوں میں فوراً تقسیم کر دی جاتی تھی، اور اس کا کوئی خاص انتظام نہیں تھا، مگر محرم ۲۰ھ میں حضرت عمرؓ نے صحابہ کے مشورہ سے بیت المال کا قیام کر کے وظائف وعطایا کا باقاعدہ انتظام فرمایا، دفتر اور دیوان تیار کرایا قبائل و افراد کی دینی وملی اور نسبی وحسبی حیثیات کے مطابق ان کیلئے سالانہ وظیفے مقرر کئے اور عربی النسل مسلمانوں کے ساتھ ہی عجمی النسل مسلمانوں اور غیر عرب موالی اور غلاموں کا وظیفہ بھی مقرر کیا، عجمیوں کے وظائف کے سلسلے میں ایک مرتبہ بنوعدی نے حضرت عمرؓ سے کچھ باتیں کیں تو حضرت عمرؓ نے ان کو جواب دیتے ہوئے فرمایا:

> واللّٰہ لئن جاءت العجم بعمل و جئنا بغیر عمل، لھم اولیٰ بمحمد منا یوم القیامۃ، فان من قصر بہ عملہ لم یسرع بہ نسبہ ۱۶۰
>
> عرب بغیر عمل کے آئیں تو یقیناً عجم کے لوگ قیامت کے دن ہمارے مقابلہ میں رسول اللہ سے زیادہ قریب ہوں گے، کیونکہ جس کو اسکا عمل پیچھے کر دے، اس کا نسب اسے آگے نہیں کر سکتا۔

اس قول سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے وظیفہ میں عرب اور غیر عرب کا فرق روا نہیں رکھا، بلکہ دین اور دینی خدمات کو معیار بنا کر اسی کے مطابق عمل کیا، چنانچہ سب کے لئے یکساں وظیفہ مقرر کیا۔

ایک مرتبہ عربوں اور عجمی موالی اور غلاموں کی ایک جماعت ایک عامل کے دربار میں حاضر ہوئی، اور اس نے عربی روایت کے مطابق عربوں کو اپنی داد و دہش سے نوازا اور عجمی موالی کو چھوڑ دیا، جب حضرت عمرؓ کو اس تفریق کی خبر لگی تو آپ نے اس عامل کو یہ تہدیدی خط لکھا۔

> اما بعد فبحسب المومن الشر ان یحقر اخاہ المسلم والسلام ۱۶۱

۱۶۳۔ فتوح البلدان ص ۳۶۷۔

آدمی کے برا ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر و کمتر سمجھے، والسلام۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے تمام فوجی امراء کو یہ مکتوب روانہ فرمایا:

ومن اعتقتم من الحمراء فاسلموا فالحقوهم بمواليهم، لهم مالهم و عليهم ما عليهم و ان احبوا ان يكونوا قبيلة و حدهم فاجعلهم اسوتهم في العطاء ۱۶۲

تم لوگوں نے جن غلاموں کو آزاد کر دیا ہے اور وہ مسلمان ہو گئے ہیں عطیہ میں ان کو ان کے سابق آقاؤں کے ساتھ ملا دو، ان کے لئے وہی رعایت ہے جو ان کے آقاؤں کیلئے ہے اور ان پر وہی ذمہ داری ہے جو ان کے آقاؤں پر ہے اور وہ آزاد کردہ مسلمان غلام چاہیں تو ایک وحدت اور قبیلہ بن جائیں ایسی صورت میں ان سب کو برابر برابر عطیہ دو۔

اس مکتوب کے مطابق عجم کے جو غلام آزادی کے بعد اسلام قبول کر لیتے تھے، ان کے عطیہ و وظیفہ کی تعداد وہی ہوتی تھی جو ان کے سابق آقاؤں کی ہوتی تھی، اور ایسی صورت میں آقا اور موالی دونوں برابر مانے جاتے تھے، البتہ اگر ایسے مسلمان غلام آپس میں اپنی کوئی قبائلی وحدت قائم کر لیتے تھے تو ان میں سے ہر ایک کا وظیفہ عام مسلمانوں کے برابر ہوتا تھا، اس قاعدہ کی رو سے ہندوستان کے جو جنگی قیدی غلام بن کر عرب میں گئے اور پھر مسلمان ہو کر آزادی پا گئے ان کے وظائف کی تعداد اور ان کے سابق آقاؤں کے وظائف کی مقدار برابر ہوتی تھی، اور اگر ان میں کچھ لوگوں نے اسلام اور آزادی کے بعد بطور خاندان اور قبیلہ کے اپنی وحدت قائم کر لی تھی تو ان کو عام مسلمانوں کے برابر رقم ملتی تھی۔

خلافت راشدہ میں ان ہندوستانی نومسلموں کی جو وظیفہ کی تعداد مقرر ہوئی وہ اموی دور میں بھی جاری رہی، مگر عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں ابن اشعث کی تحریک میں (۸۱ھ تا ۸۵ھ) جاٹوں نے حصہ لیا تو حجاج بن یوسف نے ان کے عطایا بند کر دیئے، بلاذری نے لکھا ہے۔

و شهدوا امر ابن الاشعث معه فاضربهم الحجاج فهدم

دورھم و حط عطیاتھم و اجلی بعضھم ۱۶۳

جاٹوں نے ابن اشعث کے خروج میں ان کے ساتھ شرکت کی اس لئے حجاج نے ان کو تتر بتر کردیا، ان کے مکان گرادیئے اور ان کے عطیے بند کر کے بعضوں کو جلاوطن کردیا۔

واضح ہو کہ سرکاری بیت المال سے وظیفہ شہر والوں کو ملتا تھا جو غزوات وفتوحات میں شریک ہوتے تھے، یا ہنگامی حالات وضرورت میں جہاد پر نکلتے تھے، اور جو لوگ دیہاتوں اور صحراؤں میں زندگی بسر کرتے تھے اور غزوات سے سروکار نہیں رکھتے تھے ان کو مستقل طور سے وظیفہ نہیں ملتا تھا، البتہ خاص خاص تشریفات وتقریبات میں ان کو عطایا وہدایا سے نوازا جاتا تھا۔

عام وظیفہ کی رقم کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے حکم سے عراق کے یمنیوں اور بنو قیس میں سے حسب حیثیت وخدمت کسی کو دو ہزار، کسی کو ایک ہزار کسی کو نوسو، کسی کو پانچ اور کسی کو تین سو درہم سالانہ ملتے تھے، اور تین سو سے کم کسی کو نہیں ملتا تھا، ایک موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ اگر خزانہ میں مال زیادہ ہوا تو میں ہر شخص کا وظیفہ چار ہزار درہم سالانہ مقرر کردوں گا۔ ایک ہزار سفر جہاد کیلئے، ایک ہزار اسلحہ کیلئے، ایک ہزار گھر کیلئے، ایک ہزار گھوڑے وغیرہ کیلئے، مگر اس منصوبہ کی تکمیل سے پہلے ہی آپ کا وصال ہوگیا، حضرت عثمان کے زمانے میں جب مال ودولت کی فراوانی ہوئی تو عطیہ ووظیفہ میں اضافہ ہوا۔ ۲۔ عرب کے ہندوستانی مسلمانوں کے تین طبقوں کو وظائف ملتے تھے (۱) جو ہندوستانی سپاہی ایرانی فوج میں تھے اور بعد میں مسلمان ہوکر اسلامی فوج میں شامل ہوگئے، ان کے وظائف عام مجاہدین اسلام کے برابر تھے، (۲) جو ہندوستانی قدیم زمانے سے عرب میں مقیم تھے، ان میں سے جو مسلمان ہوکر کوفہ بصرہ وغیرہ آگئے اور شہری زندگی بسر کرنے لگے ان کو عام شہریوں کے وظائف ملتے تھے اور اس بارے میں عرب اور غیر عرب کا فرق نہیں تھا، (۳) جو ہندوستانی غلام بن کر عرب پہنچے اور مسلمان ہوکر آزاد ہوگئے، ان کو وہی وظیفے ملتے تھے جو ان کے سابق آقاؤں کو ملتے تھے اور غلام وآقا کا فرق نہیں تھا، چنانچہ آل ابی معشر سندی مولی بنی ہاشم، آل بیلمانی مولی آل عمر، اور آل مقسم قیقانی مولی بنی اسعد کو وہی وظیفہ ملتا تھا جو بنی ہاشم، آل عمر، اور بنی اسعد کو ملتا تھا۔

کوفہ اور بصرہ میں ہندوستانیوں کی آبادی

۱۶۳۔ فتوح البلدان ص ۴۳۸، الفخری ص ۸۴۔

عراق عرب وعجم کا مجمع البحرین تھا، اور اس کے شہروں میں عرب وعجم، آقا و مولیٰ، اور ملکی و غیر ملکی کی ملی جلی آبادیاں تھیں، جن میں ہندوستانیوں کی اچھی خاصی تعداد آباد تھی، خاص طور سے عراق کے دونوں مرکزی شہروں کوفہ اور بصرہ میں "جالیہ ہندیہ" اپنی خصوصیات و امتیازات کی وجہ سے نمایاں زندگی کی مالک تھی، گزشتہ بیانات میں بصرہ کے جاٹوں اور سیابجہ کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے کہ یہ لوگ سرکاری بیت المال، جیل خانہ، تجارتی جہاز وغیرہ کی ملازمت میں نمایاں تھے، اور بنو تمیم کی شاخ بنو حنظلہ کے علاقے میں ان کی آبادیاں اور مکانات تھے، اسی طرح کوفہ میں ان ہندوستانیوں کی بہت بڑی آبادی تھی، اور ان کے بوڑھے اور جوان اپنی حیثیت و ہیئت میں نمایاں تھے، جس وقت حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو دینی و فقہی تعلیم کیلئے کوفہ روانہ کیا اور انہوں نے یہاں آ کر بوڑھے جاٹوں کی کثرت دیکھی تو گھبرا کر ان کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور ان کو دیکھ کر حضرت ابن مسعود کو لیلۃ الجن کا واقعہ یاد آ گیا، امام طبری نے اپنی تفسیر میں حضرت قتادہ سے روایت کی ہے:

ذکر لنا ان ابن مسعود لما قدم الکوفه رای شیوخا شمطا من الزط فراعوه، وقال من هولاء؟ قالوا: هولاء نفر من الاعاجم، قال: ما رایت الذین قرء علیهم النبی صلی اللّٰه علیه وسلم القرآن من الجن شبها ادنی من هولاء

جب حضرت عبداللہ بن مسعود کوفہ آئے اور کھچڑی بالوں والے جاٹوں کو دیکھا تو گھبرا کر دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ عجمی لوگ ہیں، تو آپ نے کہا کہ جن جنات کے سامنے رسول اللہ نے قرآن پیش فرمایا میں نے ان کے مشابہ ان لوگوں سے زیادہ کسی مخلوق کو نہیں دیکھا۔

نیز حضرت قتادہ کی دوسری روایت میں ہے۔

فلما قدم ابن مسعود الکوفه رای الزط، وهم قوم طوال سود، فافزعوا فقال: اظهروا فقیل له: ان هولاء قوم من الزط، فقال: ما اشبهم بالنفر الذین صرفوا الی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم [۱۶۴]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کوفہ میں آ کر سیاہ رنگ، دراز قامت جاٹوں کو دیکھا تو گھبرا کر کہا بتاؤ یہ کون لوگ ہیں؟ اس پر لوگوں نے بتایا کہ یہ جاٹ ہیں، آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ ان جنات سے کس قدر مشابہ ہیں جو رسول اللہ کی خدمت میں بھیجے گئے تھے۔

اس گفتگو میں حضرت ابن مسعودؓ نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے جس میں رسول اللہؐ ایک رات ان کو بطحاء مکہ کی طرف لے گئے تھے، اور ایک دائرے میں ان کو بٹھا کر خود جنات میں تبلیغ اسلام کے لئے تشریف لے گئے تھے، اور جنات کی ایک جماعت حضرت ابن مسعودؓ کے قریب آئی مگر دائرے کے اندر داخل نہ ہوسکی، یہ جنات اپنے جسم و رنگ اور بال میں جاٹوں کے مشابہ تھے مفصل روایت عہد رسالت میں بیان کی جاچکی ہے۔

عرق کے شہر کوفہ بصرہ کے علاوہ خلافت راشدہ میں عرب کے دوسرے مقامات میں بھی ہندوستانی مسلمانوں کی آبادی تھی، چنانچہ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، نجران سواحل یمن، سواحل بحرین اور شامی علاقوں میں بھی یہ لوگ آباد تھے۔

ہندوستانی روایات وتقالید

ہندوستان کا ملک اور یہاں کے لوگ اپنی قدیم تقالید و روایات کی حفاظت میں بڑے سخت جان واقع ہوئے ہیں۔ عرب میں بھی انہوں نے اپنے ملکی وخاندانی آداب و رسوم کو یوں باقی رکھا کہ دوسروں سے ممتاز اور جدا رہے، رنگ، نسل اور زبان یہ تین چیزیں دنیا کی قوموں کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہیں مغرب کے ہندوستانیوں پر ان کی گہری چھاپ پڑی ہوئی تھے اور ان کے باعث وہ ہر جگہ اور ہر حال میں نمایاں رہتے تھے، چنانچہ انہوں نے ہندی زبان ولب ولہجہ کو اس طرح باقی رکھا کہ جن علاقوں میں وہ کثرت سے آباد تھے وہاں کے عرب قبائل کی عربی زبان ان سے اختلاط وتاثر کی وجہ سے درجہ استناد سے گر گئی، اور اس میں عجمیت و ہندیت پیدا ہوگئی، بحرین وعمان کی عربی زبان ان ہی ہندیوں اور عجمیوں کی زبان کے اثرات سے فصاحت سے محروم ہوگئی اور یہاں کے بنو عبدالقیس، ازد اور بنو تمیم وغیرہ کی زبان معیاری نہیں رہی، عرب کے ہندوستانی باشندے بلا تکلف عام بول چال میں عربوں کے ساتھ ہندی زبان بول دیا کرتے تھے، چنانہ ایک موقع پر ستر جاٹوں نے حضرت علیؓ سے اپنی

۱۶۵۔ تفسیر طبری ج۔۔۔ص۔۔ طبع ۱۳۲۳ھ

زبان میں گفتگو کی تھی، اس کے علاوہ یہ ہندوستانی باشندے عربی زبان والفاظ کی ادائیگی سے عام طور سے قاصر ہوتے تھے اور ان کی عجمیت عربی زبان بولتے وقت بھی نمایاں رہتی تھی۔ مثلاً یہ لوگ ک کو ق، ج کو ز، ز کو ج، ش کو س کہہ دیا کرتے تھے، اور عربی بولنے کے باوجود ان کی ہندیت نمایاں ہو جاتی تھی۔

جسم و جسمانیت، شکل و ہیئت اور رنگ، بال، لباس وغیرہ میں بھی یہ لوگ نمایاں تھے اور ان کو دیکھتے ہی معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ ہندوستانی ہیں، قد و قامت اور ڈیل ڈول کی وجہ سے مہیب نظر آتے تھے، سیاہ رنگ کے ساتھ بالوں کے لمبے ہونے کی وجہ سے ان کی ہیئت عراق کی مختلف قوموں کے درمیان نمایاں تھی، اور وہ جنات معلوم ہوتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود نے مکہ اور کوفہ میں یہاں کے جاٹوں کو جنات سے تشبیہ دی ہے۔

ان کے لباس اور کپڑے بھی عام طور سے عربوں سے جدا ہوتے اور ان میں ہندوستانی طرز و تراش پائی جاتی تھی، ''ثیاب زطیہ'' اور ''ثیاب سندیہ'' عرب میں مشہور تھے، جو عرب کے جاٹوں اور سندھیوں کے مخصوص لباس تھے، ان میں قرطق یعنی کرتہ، فوطہ یعنی دھوتی، کساء یعنی کمبل کا استعمال عام تھا، ان کے کپڑوں کا رنگ عموماً شوخ ہوتا تھا، وہ سیاہ کمبل اور دھاری دار کپڑے زیادہ استعمال کرتے تھے، ان کی حجامت بھی جداگانہ ہوتی تھی، وہ اس طرح موتراشی کرتے کراتے تھے کہ سر پر صلیب کی شکل بن جاتی تھی۔

موسیقیت اور غناء ہندوستان کا قدیم ترین اور محبوب ذوقی فن ہے، اس میں بھی عرب کے ہندوستانی خاص شہرت رکھتے تھے، اور وہاں انہوں نے اپنے سر اور لے باقی رکھ کر ہندی نغمہ میں عربی ترنم کی آمیزش کی تھی، بعد کے بعض شعراء عرب نے مچھروں کی آواز کو ''غناء الزط'' (جاٹوں کے ترنم) سے تشبیہ دی ہے۔

الغرض خلافت راشدہ میں ہندوستان کے باشندے عراق اور عرب کے دوسرے علاقوں میں اپنی تہذیبی تقالید و روایات کو باقی رکھے ہوئے تھے، اور اس بارے میں ان پر کوئی پابندی نہیں تھی، مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انہوں نے ظروف و احوال کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا اور وہ عربی و اسلامی معاشرہ سے علیحدہ رہے، بلکہ وہ عربی اور اسلامی زندگی کے جزو بن کر عربوں میں گھل مل گئے تھے، خاص طور سے

۱۶۶۔ اصابہ ج، ص، بعض کتابوں میں ''التاجر الداری،، ہے، جو مقام دارین کی طرف منسوب ہے، یہ عرب کے مشرقی ساحل کی مشہور بندرگاہ تھی، جہاں ہندوستان سے مشک بھیجی جاتی تھی اور مشک دوری یا صدف داری کی نسبت سے مشہور تھی۔

ان میں سے اہل علم وفضل اور باحیثیت حضرات کی زندگی عوام سے ممتاز ہوتی تھی، اور وہ ہر اعتبار سے عربی معاشرہ کے ترجمان تھے، البتہ رنگ ونسل اور زبان کی عجمیت ان میں باقی رہی، جس کی وجہ سے وہ اپنی ہندیت کے نمایندے بھی تھے۔

عرب کے وہ ہندی مسلمان جو پہلے ایرانی فوج میں تھے، اسلام قبول کرنے کے بعد عام طور سے اسلامی فوج میں شامل ہو گئے، اور جو قدیم زمانہ سے وہاں تھے، اور مسلمان ہو گئے۔ وہ زیادہ تر ملازمت، تجارت، صنعت، رفحت ؟؟؟ اور معاش ومعیشت کے دوسرے کاموں میں مشغول ہو گئے اور جو لوگ غلام بن کر وہاں پہنچے ان میں سے اکثر آزادی کے بعد دینی علوم اور اسلامی تعلیمات کے حامل ہوئے، اور مجموعی طور سے ان تینوں طبقوں نے اپنی اپنی حد میں رہ کر اسلام کی بے نظیر خدمات انجام دیں۔

تجارتی تعلقات

عرب وہند کے درمیان تجارتی روابط تاریخ کے قدیم دور سے استوار تھے، اسلامی فتوحات نے اس میں نہایت اہم اور خوشگوار تبدیلی پیدا کردی، دینی وملی تعلق نے تجارتی تعلق میں تنوع اور پائیداری کی راہ نکالی، اور تجارت ومعیشت کے قدیم صلات وتعلقات میں دین ودیانت نے عقیدت ومحبت کی رنگ آمیزی کی، خلافت راشدہ میں ہندوستان کے تاجر عرب میں آتے جاتے تھے، اور وہاں ہندوستانی اشیاء کا استعمال عام تھا، عہد فاروقی کے ایک عامل کے بارے میں یزید بن قیس کلابی نے ہندی تاجر کا تذکرہ کیا، اور کہا ہے۔

اذا التاجر الهند جاء بفارة من المسلک ضمت فی سوالفهم تجری [165]

جب ہندی تاجر نافہ مشک لے کر آتا ہے تو ان کی گردنوں میں مشک بہنے لگتی ہے۔

یہ ہندی تاجر یہاں سے عود، کافور، زنجبیل، تلواریں، نیزوں کی لکڑیاں، ساگوان کی لکڑیاں، کپڑے اور اسی قسم کے سامان عرب میں لے جا کر فروخت کرتے تھے، اور وہاں ان کا استعمال عام تھا، عود یہاں کی خاص خوشبو ہے جس نے تاریخ کے قدیم زمانے سے عربوں کی محفلوں کو گلستان بنا رکھا تھا،

١٦٧۔ الدرۃ الثمینہ فی تاریخ المدینۃ لی آخر شفاء الغرام، ج ۲ ص ۱۴۷۔

سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے عود کی خوشبو سے مسجد نبوی کو معطر فرمایا، ایک مرتبہ معمولی مقدار میں عود آئی تو آپ نے کہا کہ اسے مسجد میں سلگا دو تا کہ عام مسلمان اس کی خوشبو سے محظوظ ہوں، اس کے بعد مسجد نبوی میں عود سلگانے کی سنت صدیوں تک جاری رہی ۱۶۶؎ ساج یعنی ساگواج کی لکڑی بھی ہندوستان کی خاص پیداوار ہے، اور قدیم زمانے سے عرب میں استعمال ہوتی تھی، ۳۰ھ میں حضرت عثمان نے مسجد نبوی کی توسیع وتعمیر کی تو اس کی چھت ساگوان کی بنوائی خلافت راشدہ میں ساگوان کا استعمال پہلی بار مسجد نبوی میں ہوا، ۱۶۷؎ حضرت عثمان کے زمانے میں دولت وثروت کی کثرت ہوئی اور قصور و محلات بنائے گئے جن میں ساگون کا استعمال ہوا، چنانچہ خود عثمان نے مدینہ میں جو مکان بنوایا تھا، اس میں ساگوان کی لکڑی استعمال ہوئی تھی، اسی طرح حضرت طلحہ بن عبید اللہ تیمی نے کوفہ میں اپنا محل تعمیر کرایا تو اس میں ساگوان کی لکڑی لگائی تھی ۱۶۸؎ ہندی تلواریں ہندی، مہندی، ہندوانی کے ناموں سے مشہور تھیں اور ان کا استعمال بھی عام طور سے غزوات وفتوحات میں ہوتا تھا، خصوصاً ہندی مجاہدین اسلام کے ہاتھوں میں ان کی ہندی تلواریں اپنی جوہریت دبرش لئے نظر آتی تھیں، اسی طرح یہاں کی دیگر اشیاء اس دور میں زیر استعمال تھیں۔

اسلامی علوم اور علمائے اسلام

قدیم زمانہ سے ہندوستان علم و دانش اور فنون و معارف کا ملک مانا جاتا ہے حتی کہ اہل چین "حکمت کا ملک" کہتے تھے، ساتھ ہی مذہب وروحانیت کے بارے میں یہ ملک شہرت رکھتا ہے اور یہاں کے علماء وحکماء اور ارباب روحانیت دنیا میں مشہور تھے، یہی وجہ ہے کہ جب یہاں کے مذہبی طبقوں اور سنیاسیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کا علم ہوا تو انہوں نے آپ سے تعلقات قائم کرنے میں سبقت کی، اور اپنا ایک نمائندہ وفد خدمت نبوی میں روانہ کیا تا کہ وہ براہ راست اسلامی تعلیمات اور سیرت نبویہ سے واقف ہوں، نیز یہاں کے بعض راجوں اور مہاراجوں نے خدمت نبوی میں ہدیہ بھیج کر اپنی عقیدت ومحبت کا مظاہرہ کیا، مگر افسوس کہ عہد رسالت میں ہندوستان سے براہ راست روابط قائم نہ کر سکے، اور درمیان میں ایرانی سیاست کی خلیج حائل ہوگئی جس سے صورت حال یکسر بدل گئی، ورنہ یقین ہے کہ اگر یہاں کے باشندے ایرانیوں کی آقائی میں نہ پڑتے اور ایرانی فتوحات میں مسلمانوں کے خلاف شاہان ایران کی مدد نہ کرتے تو یہ ملک عہد راشدہ ہی میں دار الاسلام

۱۶۸؎ شفاء الغرام باخبار البلد الحرام ج ۲، ص ۳۷۱۔

بن گیا ہوتا، اور ایشیاء وافریقہ کے بہت سے ممالک کی طرح ہندوستان بھی عرب ممالک میں شمار ہوتا، اور ہندوستان اور اسلام کو ایران کی طرف سے یہ نقصان نہ پہنچتا، نہ ہندوستان کے باشندے شاہان ایران کے چکر میں پڑ کر مجاہدین اسلام کے مقابلے میں آتے اور نہ ہندوستان میں حرب وضرب کی نوبت آتی اور عرب کے ہندوستانیوں کی طرح یہاں کے باشندے بھی برضا ورغبت اسلام کے سایہ میں آ جاتے، خسران ونقصان کا یہ منظر کس قدر عبرت انگیز ہے کہ جس زمانے میں ہندوستان کے راجے مہاراجے اوران کی رعایا ایرانیوں کی وجہ سے مسلمانوں کو اپنا دشمن سمجھ کر ان کے ساتھ مصروف جنگ تھے، عین اسی زمانہ میں ایرانی فوج کے ہندوستانی سپاہی اور عرب میں آباد ہندوستانی براہ راست اسلام اور مسلمانوں کو دیکھ کر اور سمجھ کر جوق در جوق انشراح قلب اور کھلے دل کے ساتھ اسلام میں داخل ہورہے تھے، یہی نہیں بلکہ ان میں سے کتنے اسلامی فوج میں شامل ہوکر ایرانیوں اور ہندوستانیوں سے جنگ کررہے تھے، کتنے مسلمانوں کی حلف وولاء میں رہ کر اسلامی معاشرہ کے معزز ومحترم عناصر بن رہے تھے، اور کتنے علمی ودینی امامت وسیادت کی مسند پر جلوہ گر ہوکر مسلمانوں کے دل ودماغ پر حکمرانی کررہے تھے، فوجی اور شہری ملازمتوں پر فائز تھے، بیت المال سے وظیفہ وعطیہ حاصل کرتے تھے، اور اسلامی تہذیب وتمدن میں ہندی تہذیب وتمدن کی رنگ آمیزی سے دونوں کے صلات وتعلقات میں دلکشی کا سامان بہم پہنچا رہے تھے۔

علاقہ سرندیپ کا دینی وعلمی وفد

عہد رسالت میں ہندوستان کے علاقے سرندیپ (لنکا) سے خدمت نبوی میں ایک وفد کی روانگی کا حال مشہور سیاح وتاجر بزرگ بن شہریار ناخدا رامہرمزی نے اپنی کتاب عجائب الہند میں یوں لکھا ہے۔

> وكان اهل سرنديب وما والاها لما بلغهم خروج النبي صلى الله عليه وسلم فارسلوا رجلاً فهيما، وامروه ان يسير اليه، فيعرف امره وما يدعوا اليه، فعاقت الرجل عوائق، ووصل الى المدنيه بعد ان قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم و توفي ابوبكر رضي الله عنه، ووجد القائم بالامر عمر بن

۱۲۹۔ مروج الذہب، ج ۲ ص ۱۴۱، ۳ وص ۱۴۲۔

الخطاب رضی اللّٰہ عنہ، فساله عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم، فشرح له و بین و رجع فتوفی الرجل بنواحی بلاد مکران، و کان مع الرجل غلامله هندی فوصل الغلام الی سرندیب و شرح لهم الامرا لنبی صلی اللّٰہ علیه سلم و ما وقفا علیه من ارالنبی صلی اللّٰہ علیه وسلم و ابی بکر رضی اللّٰہ عنه، و انجم و جدوا صاحب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم بن الخطاب رضی اللّٰہ عنه ووصف لهم تواضعه و انه کان یلبس مرقعة ویبیت فی المساجد، فتواضعهم لاجل ماحکی لهم ذلک الغلام و لبسهم الثیاب المرقعة لما ذکره من لبس عمر رضی اللّٰہ عنه مرقعة و محبتهم للمسلمین و میلهم الیهم لما فی قلوبهم مما حکاه ذلک الغلام عن عمر و هم یحبون المسلمین و یمیلون الیهم میلاً شدیداً ۱۶۹

سرندیپ اوراس کے قرب وجوار کے لوگوں کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور و بعثت کی خبر لگی تو انہوں نے اپنے ایک سمجھدار آدمی کو مدینہ منورہ بھیجا اوراس سے کہا کہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ کے حالات اور آپ کی دینی دعوت کی تحقیق کرے، مگر کچھ مشکلات درپیش آجانے کی وجہ سے وہ آدمی اس وقت پہنچا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صدیق اکبر وفات پاچکے تھے، اور حضرت عمر خلیفہ تھے، اس لئے حضرت عمر ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوالات کئے اور حضرت عمرؓ نے نہایت شرح وبسط کے ساتھ تمام باتیں بتائیں، اس کے بعد یہ شخص واپس ہوا مگر مکران کے اطراف میں اس کا انتقال ہوگیا، اس کے ساتھ ایک ہندوستانی ملازم تھا، وہ سرندیپ پہنچا اور یہاں کے لوگوں کے سامنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے وہ تمام

۱۷۰۔ عجائب الہند ص ۱۵۷، طبع لائڈن۔

حالات بیان کئے جن سے یہ دونوں واقف ہوئے تھے، اور یہ کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت عمرؓ خلیفہ ہیں، اس نے اہل سرندیپ سے حضرت عمرؓ کی تواضع وانکساری کا حال بیان کیا اور بتایا کہ وہ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں۔ رات کو مسجد میں سوتے ہیں، اس لئے اہل سرندیپ کی تواضع وانکساری کا سبب وہی باتیں ہیں، جن کو اسی خادم نے بیان کیا تھا، اور وہ بھی پیوند لگے ہوئے کپڑے اس لئے پہنتے ہیں کہ اس نے اس کا بھی تذکرہ کیا تھا، اور ان کو مسلمانوں سے محبت اور میل جول اس لئے ہے کہ اس خادم نے حضرت عمرؓ کی تواضع اور محبت کا حال بیان کیا تھا آج بھی (چوتھی صدی ہجری) اہل سرندیپ مسلمانوں سے محبت کرتے ہیں اور ان کے ساتھ بڑی عقیدت ومحبت سے ملتے جلتے ہیں۔

اس روایت کے مطابق یہ پہلا دینی اور علمی سفر تھا جو نہ صرف ہندوستان سے بلکہ عرب کے باہر کی دنیا سے عہد رسالت میں مدینہ منورہ کی طرف کیا گیا، اگر اس کی قسمت میں خدمت نبوی کی حاضری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت وملاقات رہی ہوتی تو سیر ومغازی اور احادیث کی کتابوں میں دیگر وفود کی طرح اس وفد کا بھی تذکرہ ہوتا، اور کم از کم سرندیپ اور جنوبی ہند کا علاقہ اسی زمانہ میں حلقہ بگوش اسلام ہو گیا ہوتا، اور یہ ملک بھی دارالاسلام بن کر اسلامی علوم اور دینی رجال سے معمور ہوتا، مگر قدرتی حالات کی وجہ سے یہ صورت پیدا نہ ہو سکی، پھر بھی بعد کے ہندوستانی مسلمانوں نے بڑی حد تک تلافی مافات کا نمونہ پیش کیا، اور خلافت راشدہ ہی میں ان میں اسلامی علوم اور دینی معارف اور دنیاوی علوم و فنون کے حاملین پیدا ہو گئے۔ جنہوں نے ہندوستان کے قدیم اور روایتی علم وحکمت کو کتاب وسنت کے قالب میں ڈھال کر امامت وسیادت کی بزم سجائی، مسلمانوں نے ان کو سر آنکھوں پر بٹھایا، تفسیر، حدیث، فقہ، سیر ومغازی، لغت، ادب، انشاء، شاعری وغیرہ مرجہ علوم وفنون میں وہ بھی عالم اسلام کے مشاہیر علماء اور نامور فضلاء میں شمار کئے گئے اور ان کے تذکروں سے فن تاریخ ورجال کی پیشانیاں چمکتی ہیں۔

ہند وسندھ کے چند علمی ودینی خانوادے اور افراد

ان ہندی مسلمانوں میں خلافت راشدہ میں کئی خانوادے علم دین کے افق پر یوں چمکے کہ ان کی اولاد میں کئی صدیوں تک دینی و علمی سلسلہ چلتا رہا اور اموی اور عباسی ادوار میں متعدد نامور حفاظ حدیث، ائمہ دین اور فضلائے زمانہ پیدا ہوتے رہے، اس دور کے تین علمی و دینی خانوادے خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

(۱) آل ابی معشر سندھی میں ابو معشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندی مدنی حافظ حدیث ہونے کے ساتھ ''کان علم الناس بالمغازی'' کا مقام رکھتے تھے، ان کی کتاب المغازی اپنے فن کی ابتدائی اور مشہور کتاب ہے، اور محمد بن ابو معشر سندھی، حسین بن محمد بن ابو معشر سندھی، داؤد بن محمد بن ابو معشر سندی اپنے اپنے زمانے کے مشہور محدث وفقیہ گزرے ہیں۔[۱۷۰]

(۲) آل بیلمانی میں عبدالرحمٰن ابوزید بلیمانی، محمد بن عبدالرحمٰن بیلمانی، حارث بلیمانی، محمد بن حارث بلیمانی، محمد بن ابراہیم بلیمانی رواۃ حدیث اور محدثین میں ہیں، ان میں سے بعض شاعر بھی تھے۔

(۳) آل مقسم قیقانی میں مقسم قیقانی، ربعی بن ابراہیم بن مقسم قیقانی اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم قیقانی اور ابراہیم بن اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم قیقانی نے کوفہ، بصرہ اور بغداد میں علم وفضل کے ساتھ کسب وتجارت اور ولایت وامارت میں شہرت وناموری حاصل کی۔

یہ سب کے سب ان ہندوستانی خاندانوں سے تھے جن کے آباء واجداد خلافت راشدہ میں جنگی قیدی اور غلام بن کر عرب میں گئے، اور مسلمان ہو کر مسلمانوں کی ولاء وحمایت میں اسلامی زندگی کی تمام قدروں سے بہرہ یاب ہوئے، ان میں سے اکثر علمائے اسلام اموی دور میں گزرے ہیں اور کچھ عباسی دور میں ہوئے ہیں، اسی طرح امام مکحول سندی شامی اور ابوالعطاء سندی شاعر، عمرو بن عبید بن باب سندی معتزلی، زاہد کے خاندان بھی ہندوستان سے خلافت راشدہ میں اساری وسبایا بن کر آئے تھے، اس دور میں سندھ اور ہندوستان کے ان ہی حسنات میں حضرت علیؓ کی باندی خولہ سندیہ حنفیہ، بصرہ کے بزرگ انسان ابوسالمہ زطی، اور مدینہ منورہ کے طبیب زطی (جنہوں نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا علاج کیا تھا) وغیرہ بھی معزز ومحترم اور مشہور تھے، ان تمام حضرات کے حالات اپنی جگہ ذکر کئے گئے ہیں، یہاں اجمالی طور پر ان کا ذکر مقصود ہے۔

۱۷۱۔ فتوح البلدان ص ۳۶۹۔ ۱۷۲۔ مروج الذہب، ج ۲ ص ۳۶۷۔

ایک المیہ اور اس کے نتائج

معلوم ہو چکا ہے کہ ایرانی فوج کے ہندی سپاہی اور عرب کے قدیم ہندی باشندے اساورہ ایران کی شرائط پر ایمان لائے تھے، جن میں یہ بات بھی تھی کہ عربوں کی خانہ جنگی میں ہم کسی ایک فریق کا ساتھ نہیں دیں گے اور سب سے صلح و مصالحت کا معاملہ رکھیں گے، اور اگر عربوں کی کسی جماعت نے ہم پر حملہ کیا تو مسلمان ہماری مدد کریں گے، مگر تقریباً بیس سال کے بعد ایسے ناگوار واقعات پیش آئے کہ خود مسلمانوں کی طرف سے ان کے بارے میں کوتاہی کا پہلو نکل آیا، جس کی وجہ سے عرب کے مسلمان جاٹ اور سیابجہ وغیرہ نے بھی اپنی روش بدل دی اور ان کو مسلمانوں کی ایک جماعت کا ساتھ دینا پڑا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے دور میں بصرہ کے بیت المال پر چالیس یا چار سو ہندی مسلمان پہرہ دیتے تھے، اور ان کے سربراہ ان کی جماعت کے ایک نہایت صالح اور نیک شخص ابو سالمہ زطی تھے، یہ لوگ من و تو کی بحث سے الگ رہ کر اپنی ڈیوٹی انجام دیتے تھے، اسی درمیان میں حضرات طلحہؓ و زبیرؓ اور معاویہؓ اور حضرت علیؓ میں جمادی الاخری ۳۶ھ میں جنگ جمل ہوگئی، حضرت علیؓ کوفہ میں تھے، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اپنے آدمیوں کے ساتھ پہلے بصرہ آئے اور حضرت علیؓ کے امیر عثمان بن حنیف انصاری کو وہاں کی امارت سے علیحدہ کر دیا اور سرکاری خزانہ پر قبضہ کرنا چاہا، مگر اس کے پہرہ داروں نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ جب تک حضرت علیؓ جنہوں نے ہمیں رکھا ہے نہ آئیں گے ہم خزانے کو کسی کے حوالے نہیں کر سکتے، یہ سن کر یہ حضرات وہاں سے چلے آئے اور رات کو اپنے آدمی لے کر گئے اور صبح ہوتے ہوتے ان تمام جاٹوں اور سیابجہ کو قتل کر دیا، بلاذری کا بیان ہے۔

> و کانت جماعة السیابجة موکلین بیت المال البصرہ یقال انهم اربعون و یقال اربعمائة فلما قدم طلحه بن عبیدالله والزبیر بن العوام البصرة، و علیها من قبل علی بن ابی طالب عثمان بن حنیف الانصاری، ابوان یسلموا بیت المال الی قدوم علی رضی الله عنه فاتوهم فی السحر فقتلوهم و کان عبدالله بن الزبیر المتولی لامرهم فی جماعة تسرعوا الیهم معه و کان علی السیابجه یومئذ ابو سلمة الزطی و کان رجلاً

۱۷۳۔ مجمع البحرین، مادہ زط۔ ۱۷۴۔ فتوح البلدان ص ۳۶۷۔

صالحاً ۱۷۱

بصرہ کے سرکاری خزانہ پر سیابجہ کی ایک جماعت تعینات تھی، ایک قول کے مطابق یہ چالیس تھے اور دوسرے قول کے مطابق چار سو تھے، جس وقت طلحہ اور زبیر بصرہ آئے وہاں کیا میر علی کی طرف سے عثمان بن حنیف انصاری تھے، ان سیابجہ نے حضرت علی کے آنے تک خزانہ ان کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا، اس پر عبداللہ بن زبیر ایک جماعت لے کر سحر میں آئے اور ان سب کو قتل کر دیا اس وقت ان کے سربراہ ابو سالمہ زطی نام کے ان ہی کے ایک نیک و صالح آدمی تھے۔

مسعودیؒ نے مروج الذہب میں ان مقتولوں کی تعداد ستر بتائی ہے اور لکھا ہے کہ جب لوگوں نے بصرہ کے بیت المال پر قبضہ کرنا چاہا تو اس کے محافظ و نگراں جو سیابجہ تھے آڑے ہوئے تو زخمی ہونے والوں کے علاوہ ان میں سے ستر آدمیوں کو قتل کر دیا گیا، ان ستر مقتولوں میں سے پچاس کو گرفتار کر کے ان کی گردنیں ماردی گئیں۔

وھولاء اول من قتل ظلماً فی الاسلام و صبراً ۱۷۲

یہ لوگ پہلے مقتول ہیں جو اسلامی دور میں ظلم و زیادتی کے ساتھ باندھ کر قتل کیے گئے۔

ان چالیس یا ستر یا چار سو ہندی نو مسلموں کے قتل کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ لوگ نہ صرف حضرت علی کے ہمنوا اور طرفدار ہوئے بلکہ بنو امیہ کے مخالفین میں شامل ہو کر خروج و شورش میں مصروف ہو گئے، اور ان کی سیاست کا رخ یوں بدلا کہ اس حادثہ کے بعد ہی جنگ جمل ہوئی اور حضرت علی فاتحانہ انداز میں بصرہ میں داخل ہوئے تو جاٹوں اور سیابجہ کے ستر آدمیوں کا ایک نمایندہ وفد ان سے ملا، اور اپنی عقیدت و محبت کا یوں مظاہرہ کیا۔

وفی حدیث علی انہ لما فرغ من قتال اھل البصرہ اتاہ سبعون رجلا من الزط فکلموہ بلسانھم فقالوا العنھم اللہ، بل انت انت ۱۷۳

۱۷۵۔ مقدمہ اصابہ ج ا ص ۴۔

حضرت علیؓ کے واقعہ میں ہے کہ جب اہل بصرہ سے قتال کے بعد بصرہ
آئے تو ان کے پاس ستر جاٹوں نے آکر اپنی زبان میں بات چیت کی اور
کہا کہ آپ کے مخالفوں پر اللہ کی لعنت ہو، جو کچھ ہیں صرف آپ ہیں۔

اس واقعہ کے بعد حضرت معاویہ اور ان کے طرفداروں سے ان کی بددلی اور حضرت علی اور ان کے ہمنواؤں سے ان کی عقیدت بڑھتی رہی، پھر بھی انہوں نے ان دونوں حضرات کے مشاجرات و محاربات میں حصہ نہیں لیا، بلکہ اپنے عہد و پیمان پر قائم رہے، چنانچہ واقعہ جمل کے ایک سال بعد صفر ۳۷ھ میں جنگ صفین ہوئی مگر انہوں نے حصہ نہیں لیا۔ بالآخر یوم مسعود (ــــھ) اور یوم زبدہ (ــــھ) میں کھل کر سامنے آگئے اور جب ابن اشعث نے (۸۱ھ تا ۸۵ھ) حجاج بن یوسف اور عبدالملک بن مروان کے خلاف بصرہ کے قراء و علماء کو لے کر خروج کیا اور خلافت کی فوجوں سے باقاعدہ جنگ تو یہ نومسلم ہندوستانی کھل کر ابن اشعث کے ساتھ نکلے اور اموی فوجوں کے مقابلے میں ڈٹ گئے، مگر اس تحریک کی ناکامی کے نتیجے میں ان کو بڑے مصائب کا سامنا کرنا پڑا، حجاج نے ان کو سزا دی، ان کے مکانات گرا دیئے اور ان کے سرکاری وظائف یہ کہہ کر بند کر دیئے کہ:

كان في شرطكم ان لا تعينوا بعضنا على بعض [۴۷]
تمہاری ایک شرط یہ بھی تھی کہ تم لوگ ہمارے جھگڑے میں کسی کی مدد نہیں
کرو گے۔

حالانکہ ان کی شرط یہ تھی کہ اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت ہم پر حملہ کرے گی تو مسلمان ہماری مدد کریں گے اور ان کے باہمی جھگڑوں سے ہمیں سروکار نہ ہوگا، مگر خود عربوں کی طرف سے ان کی شرط پوری نہیں کی گئی اور حجاج جس اموی خلافت کا وفادار حاکم تھا، اس کے ابتدائی معاملات میں ایک جماعت نے ان کی ایک جماعت کو قتل کر دیا اور کسی نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے بھی اپنی شرط کے خلاف اپنی حفاظت کی سیاست اختیار کی، اور خلافت راشدہ کے یہ عقیدت مند خدام اموی دور میں مقابل بن کر سامنے آئے، اور حجاج نے ان کو خطا کار اور بدعہد قرار دے کر ان کے ساتھ اور بھی زیادتی کی، اور دوسری عجمی قوموں کے ساتھ سندھ کے جاٹوں کو ان کے بال بچوں سمیت بصرہ سے جلاوطن کر کے مقام کسکر نشیبی علاقوں میں بھیج دیا، جہاں ان کی اچھی خاصی

۴۷۔ اصابہ، ج ا ص ۶۔

جمعیت ہوگئی، پھران ہی ایام میں عرب کے غلاموں اور بنو باہلہ کے موالی کی ایک جماعت بھاگ کر ان جاٹوں سے مل گئی، نیز محمد سلیمان بن علی کے غلام و نوکر بھی آ گئے اور ان سب نے مل کر حکومت و خلافت کیخلاف اقدام شروع کر دیا تجارتی جہازوں اور سامانوں پر ڈاکہ زنی کی، اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ اموی اور عباسی دور کی مخالف تحریکوں میں یہ بھی ایک زبردست باغیانہ تحریک ہے، اور بڑی مشکل سے خلیفہ عباسی معتصم کے زمانے میں فوجی طاقت کے ذریعہ ان کی طاقت توڑی جا سکی جیسا کہ بعد میں اس کی تفصیلات آئیں گی۔

۱۷۷۔ مقدمہ ابن صلاح ص ۱۴۶۔

ہندوستان میں صحابہ وتابعین

صحابی وتابعی کی تعریف

محدثین اور علماء طبقات ورجال نے صحابی کی مختلف تعریفیں کی ہیں، اور ان کے مطابق دورنبوی کے مسلمانوں کو صحابی یا غیر صحابی مانا ہے، بعض حضرات کے نزدیک صحابیت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف لقاء کافی ہے، اور بعض حضرات اس کے لئے رویت اور روایت دونوں باتیں ضروری قرار دیتے ہیں، اسی اختلاف کی وجہ سے اس دور کے بعض بزرگوں کے بارے میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں، کوئی ان کو صحابی بتاتا ہے اور کوئی ان کی صحابیت کا انکار کرتا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے الاصابہ کیمقدمہ میں صحابی کی یہ تعریف کی ہے، اور اسی کو اصح وجامع بتایا ہے۔

والصحابی من لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مومنا بہ ومات علی الاسلام، فیدخل فی من لقیہ، من طالت مجالسہ او قصرت، ومن روی عنہ اولم یرو، ومن غزا معہ اولم یغز، ومن راہ رویۃ ولو لم یجالسہ، ومن لم یرہ لعارض کالعمی۔

صحابی وہ شخص ہے جس نے بحالت ایمان رسول اللہ سے ملاقات کی ہو، اور اسلام ہی پر اس کا خاتمہ ہوا ہو، اس تعریف میں وہ شخص بھی داخل ہو جاتا ہے جس نے آپ سے ملاقات کی ہے، اسے ہم نشینی زیادہ نصیب ہوئی یا کم، آپ سے روایت کی یا نہیں، آپ کی معیت میں جہاد کیا یا نہیں، اور آپ کو ایک نظر دیکھ لیا اگرچہ آپ کے ساتھ ہم نشینی نہ کی ہو، اور کسی وجہ سے آپ کو نہ دیکھا ہو جیسے اندھا پن۔

اس کے بعد حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ میں نے صحابہ کرام کے ان لڑکوں کو بھی صحابہ میں شمار کیا ہے جو عہد رسالت میں پیدا ہوئے اور وصال نبوت کے وقت سن شعور کو نہیں پہنچے تھے، کیونکہ صحابہ کرامؓ اپنے بچوں کو ان کی پیدائش کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لاتے تھے، اور آپ ان کی تحنیک فرماتے تھے یعنی کھجور وغیرہ اپنے دہن مبارک میں چبا کر بچے کے منہ میں اپنا لعاب

۱۷۸۔ فتح المغیث ص ۹۶ ک۔ ۱۷۹۔ اصابہ، ج ۱ ص ۱۲۶۔

مبارک ڈالتے تھے، نام رکھتے اور ان کے حق میں خیر و برکت کی دعا فرماتے تھے، احادیث میں اس قسم کے واقعات بہ کثرت مذکور ہیں۔ اس لیے صحابہ کرام کے جو بچے حیات نبوی میں پیدا ہوئے ان کے بارے میں ظن غالب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا ہے اور وہ بھی صحابہ میں شامل ہو گئے۔ ۱۷۵

اس کے بعد حافظ ابن حجرؒ نے صحابی کی پہچان کے لیے ایک ضابطہ بنایا ہے جو تین آثار و قرائن پر مشتمل ہے، ان میں سے کسی شخص کے بارے میں اگر کوئی قرینہ پایا جائے تو اسے صحابی تسلیم کیا جائے۔

پہلا قرینہ یہ ہے کہ مغازی میں صرف صحابہ امیر مقرر کیے جاتے تھے، اور جو شخص ایام ردت اور فتوحات کے اخبار و واقعات کا تتبع کرے گا اسے ایسے حضرات کی بڑی تعداد ملے گی۔ امام بخاری نے کتاب الفتن میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ ایک زمانہ آئیگا کہ لوگ جہاد کریں گے اور کہا جائے گا کہ تم لوگوں میں صحابی رسول ہے؟ تو اثبات میں جواب دیا جائیگا اور اس صحابی کی وجہ سے فتح حاصل ہوگی، اس زمانے کے لوگ جہاد کریں گے تو کہا جائیگا کہ تم لوگوں میں کوئی ایسا شخص ہے؟ جس نے کسی صحابی کی صحبت پائی ہو؟ تو اثبات میں جواب دیا جائیگا اور اس تابعی کی وجہ سے فتح حاصل ہوگی۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ حسب روایت حاکم صحابہ کرام کے یہاں جو بچہ پیدا ہوتا تھا اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت لاتے تھے اور آپ اس کے حق میں دعا فرماتے تھے، ایسے لوگ صغار صحابہ اور احداث صحابہ ہیں۔

تیسرا قرینہ یہ ہے کہ ۱۰ھ میں مکہ اور طائف میں کوئی ایسا نہیں رہ گیا تھا جو مسلمان ہو کر حجۃ الوداع میں شریک نہ ہوا ہو۔ ۱۷۶ اس اصول و ضابطہ کی رو سے اس دور کے امراء فتوحات، عہد رسالت میں پیدا ہونے والے، اور مکہ و طائف کے باشندے صحابی مانے جائیں گے۔

امام ابو زرعہؒ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت ایک لاکھ چودہ ہزار ایسے صحابہ دنیا میں موجود تھے جن سے احادیث کی روایت کی گئی ہے اور جنہوں نے آپ سے سماع کیا ہے، ان میں سے ستر ہزار صحابہ آپ کے ساتھ غزوۂ تبوک میں شریک تھے، اور چالیس ہزار صحابہ حجۃ الوداع میں حاضر تھے یہ تو ایک اندازہ ہے۔

۱۸۰۔ فتح الباری ج ۷ ص ۴۔ ۱۸۱۔ تقدمہ الجرح والتعدیل ص ۸ و ص ۹۔

اور صحابہ کی تعداد کا صحیح علم کیسے ممکن ہے جب کہ وہ حضرات مختلف بلاد قریات اور بوادی میں متفرق و منتشر تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیات طیبہ کے آخری دور میں ایک مرتبہ صحابہ کرام سے فرمایا تھا کہ آج جو لوگ تم میں سے روئے زمین پر موجود ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی سو سال کے بعد باقی نہیں رہے گا، مکہ مکرمہ میں سب سے آخری صحابی حضرت ابو الطفیل عامر بن واثلہ ہیں جن کا انتقال ۱۱۰ھ میں ہوا، اور ایک قول کے مطابق حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں، مدینہ منورہ میں حضرت جابر بن عبداللہ، بصرہ میں حضرت انس بن مالکؓ کوفہ میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی شام میں حضرت عبداللہ بن بسر، مصر میں حضرت عبداللہ بن حارث، افریقہ میں حضرت رویفع بن ثابت اور بادیہ میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہم سب صحابہ کے آخر میں فوت ہوئے ہیں، اور ان تمام حضرات میں سب سے آخر میں حضرت عامر بن واثلہ فوت ہوئے ہیں ان کے بعد دنیا صحابہ کے وجود سے خالی ہو گئی، اور حضرت عامر بن واثلہ سے پہلے حضرت انس بن مالک کی وفات ہوئی، ابن صلاح نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ موسیٰ سلائی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے دریافت کیا کہ آپ کے علاوہ کوئی صحابی رسول باقی ہے یا نہیں؟ تو فرمایا کہ ہاں کچھ لوگ اعراب میں سے رہ گئے ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے، البتہ آپ کی صحبت اٹھانے والا کوئی باقی نہیں رہا۔ ۱۷۷

عہد رسالت میں کچھ حضرات مخضرم اور مدرک کہے جاتے تھے۔ مخضرم وہ مسلمان ہے جس نے زمانہ جاہلیت اور زمانہ رسالت پایا ہو مگر اسے صحابیت کا شرف حاصل نہ ہو، اور مدرک وہ مسلمان ہے جس نے عہد رسالت پایا ہو، اور اسی عہد میں مسلمان ہوا ہو یا اس کے بعد اسلام لایا ہو۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور کے بعد حضرات تابعین کا دور آیا، تابعی وہ مسلمان ہے جس نے کسی صحابی رسول کی صحبت اٹھائی ہو، اور ایک قول ہے کہ کسی صحابی سے ملاقات کی ہو، تابعین میں مخضرم اور مدرک بھی ہیں، سب سے آخری تابعی حضرت خلف بن خلیفہؒ ہیں، جن کا انتقال ۱۸۱ھ میں ہوا، ان کے بعد دنیا تابعین سے خالی ہو گئی ۱۷۸ ابن حبان نے لکھا ہے کہ حضرت اسید بن ابی اسیدؒ مشہور تابعی ہیں، ان کا انتقال ابو جعفر منصور کی خلافت میں ہوا۔ ۱۷۹

تبع تابعین میں وہ مسلمان داخل ہیں جس نے کسی تابعی کی صحبت اٹھائی ہو یا ملاقات کی ہو، حافظ

۱۸۲۔ البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۸۸۔

ابن حجرؒ نے فتح الباری میں مختلف مقامات میں لکھا ہے کہ ائمہ اسلام کا اتفاق ہے کہ جن اتباع تابعین کے اقوال واخبار قبول کئے جاتے تھے ان میں سے بعض ۲۲۰ھ تک دنیا میں رہے۔ ۱۸۰

صحابہ اور تابعین کی آمد کا اجمالی بیان

امام ابن ابی حاتم رازیؒ نے کتاب الجرح والتعدیل کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم مختلف اطراف اور امصار وثغور میں فتوحات ومغازی اور امارات وقضاء کے سلسلے میں پھیلے، اور ان میں سے ہر ایک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی روایت کی، اللہ تعالیٰ کے احکام کو جاری کیا، سنت کی روشنی میں مسلمانوں کے معاملات ومسائل کو حل کیا، اور حسن نیت کے ساتھ فرائض، احکام، سنن، حلال وحرام وغیرہ کی تعلیم دی، ان حضرات کے بعد حضرات تابعین رحمہم اللہ کا دور آیا، جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کے حدود وفرائض اور اوامر ونواہی، احکام وسنن کی تعلیم وتبلیغ کی توفیق سے نوازا تھا، انہوں نے صحابہ سے کتاب وسنت کی تعلیم حاصل کر کے ان ہی کی طرح پوری دنیائے اسلام میں اسلامی علوم کی اشاعت کی، ان کے بعد حضرات اتباع تابعین نے تابعین سے تعلیم پا کر اپنے پیش رو صحابہ وتابعین کے مانند کتاب وسنت اور فقہ کو عام کیا۔ ۱۸۱

چنانچہ عہد فاروقی میں سندھ اور ہندوستان کے حدود واطراف میں صحابہ وتابعین اور اتباع تابعین کی آمد ہوئی اور ان کی تشریف آوری کا سلسلہ عباسی دور کی ابتداء تک جاری رہا، اور ان تینوں طبقوں کے انفاس گرم نے اس ملک کی فضاء دین وایمان کی حرارت پیدا کی، امام ابن کثیر نے محمد بن قاسم کی سندھ اور ہندوستان میں فتوحات سے پہلے یہاں صحابہ کے آنے کی تصریح کی ہے اور لکھا ہے کہ اس سے پہلے حضرت عمر اور حضرت عثمان کے زمانے میں صحابہ نے ان اطراف (ثغور ہند) کے اکثر حصہ کو فتح کیا، اور شام، مصر، عراق، یمن، اوائل ترکستان کے وسیع وعریض اقالیم میں پہنچے، نیز یہ حضرات ماوراء النہر، اوائل بلاد مغرب اور اوائل ہند میں داخل ہوئے۔ ۱۸۲

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت ہندوستان میں غزوات وفتوحات اور قضاء وامارات کے سلسلے میں آئی، اور چونکہ اس دور میں یہاں کی فتوحات جنوبی فارس کی فتوحات کے ضمن میں ہوتی تھیں اس لئے یہ فیصلہ مشکل ہے کہ عجم کی فتوحات میں شریک ہونے والے صحابہ میں سے کون کون حضرات حدود ہند میں آئے، البتہ کتابوں میں جن کے ناموں کی تصریح موجود ہے ان کا یہاں آنا یقینی

ہے، اور ہم نے ایسے ہی صحابہ کو ان میں شمار کیا ہے جو اس زمانے میں سندھ و ہند اور ان کے حدود میں آئے ہیں، اگر چہ بعد میں وہ حدود موجودہ افغانستان یا ایران اور پاکستان میں شمار ہونے لگیں، ان حضرات میں عام طور سے اصاغر صحابہ اور احداث صحابہ تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں پیدا ہوئے اور ان کے والدین انہیں خدمت نبوی میں لائے اور آپ نے ان کے حق میں دعا فرمائی، نیز ان کے ساتھ اکابر تابعین تھے، جنہوں نے اجلہ صحابہ کی مدتوں صحبت اٹھائی تھی۔

چونکہ صحابی کی تعریف کے بارے میں علمائے اسلام میں اختلاف ہے، اور عام تعریف کے مقابلہ میں کچھ محدثین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت کے ساتھ روایت کو ضروری قرار دیا ہے، اس لئے ہم نے یہاں آنے والے بعض صحابہ کے بارے میں اختلاف کو بھی نقل کر دیا ہے۔ ابن اثیرؒ نے اسد الغابہ میں حضرت حارثہ بن سوید تمیمی کے حال میں لکھا ہے کہ حضرات صحابہ کے اسماء و احوال کے ذکر میں واجب ہے کہ ان کے بارے میں میں علماء کے تمام مخالف و موافق حالات بیان کر دے، تاکہ یہ گمان نہ ہو کہ اختلافات کا علم نہ ہو سکا یا ان کو چھوڑ دیا اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ تمام اقوال و آراء کو نقل کر کے صحیح و صواب قول کو ظاہر کرے۔

اگر چہ ہندوستان کی فتوحات اور امارات میں عام طور سے اصاغر صحابہ اور احداث صحابہ تشریف لائے، مگر ان میں متعدد حضرات بڑے مقام و مرتبہ کے مالک تھے، اور جماعت صحابہ میں ان کو عزت و شہرت حاصل تھی چنانچہ حضرت عثمان بن ابو العاصی ثقفی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اپنے بھائیوں میں سب سے بہتر صحابی تھے۔

حضرت حکم بن عمرو تغلبیؓ کا صحابیت میں یہ مقام ہے کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہے آپ کی صحبت میں پڑے رہے، حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان اشراف صحابہ اور وجوہ انصار میں شمار ہوتے تھے، اور علماء نے ان کو صحابی جلیل بتایا ہے، اسی طرح دوسرے صحابہ کرام مختلف امتیازات و خصوصیات کے مالک تھے، جیسا کہ اپنی جگہ مذکورہ ہے، ان حضرات میں قریشی، انصاری، ثقفی، عبدی، تمیمی، مذحجی ہذلی، غفاری، اشجعی سلمی، قشیری، سامی وغیرہ سب ہی شامل ہیں جو اپنے اپنے قبائل کے نمایندے کی حیثیت سے یہاں آئے تھے، یہاں آنے والے صحابہ میں سے صرف سترہ حضرات کے ناموں کی تصریح مل سکی ہے، جن میں دو حضرات خلافت راشدہ کے بعد تشریف لائے ہیں، حضرت

سنان بن سلمہ ہذلی، حضرت معاویہ کے دور میں، اور منذر بن جارود عبدیؒ یزید کے زمانے میں آئے، ان بزرگوں میں صرف حضرت منذر بن جارود کے بارے میں متفقہ بیان ہے کہ آپ یہاں پر ساٹھ سال کی عمر میں ۶۱ھ یا ۶۲ھ میں فوت ہوئے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہما کے بارے میں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکران کے علاقے میں تشریف لائے تھے، مگر عربی کتب تواریخ ورجال کے مستند ماخذوں سے اس کی تصدیق تا ہنوز نہیں ہو سکی ہے، اس لئے یہاں ان کا تذکرہ اس حیثیت سے نہیں کیا جا سکا۔

عہد فاروقی میں حضرات ان غزوات و فتوحات میں آئے وہ عام طور سے طبقہ مدرکین سے تھے، یعنی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے، البتہ ان کے صحابی ہونے میں احتمال کی گنجائش ہے، حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں حضرت ثابت بن طریف مرادیؓ کے حال میں تصریح کی ہے۔

والذین شهدوا الفتوح فی عهد عمر لهم ادراک لکن منهم من له صحبة و منهم من لم يصحب

جو مجاہدین حضرت عمر کے دور میں فتوحات میں شریک تھے وہ مدرک ہیں، البتہ ان میں سے کچھ صحابی ہیں اور کچھ صحابی نہیں ہیں۔

اس کلیہ کی رو سے اس دور میں جو حضرات یہاں تشریف لائے ان میں اکثر یا تو صحابی رسول تھے یا پھر وہ عہد رسالت میں موجود تھے، ان کے علاوہ حضرات کبار تابعین بھی آئے۔

وہ قبائل اور مقامات جن کے صحابہ و تابعین یہاں آئے

خلافت راشدہ میں ہندوستان میں اسلامی غزوات و فتوحات کی سرگرمی کم و بیش بیس سال تک جاری رہی، اگر ہم عہد فاروقی کے ابتدائی تین حملوں کو ۲۰ھ یا ۲۱ھ میں تسلیم کرلیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ۴۰ھ تک کل مدت بیس سال ہوتی ہے جو خلافت راشدہ میں اسلامی فتوحات کے شباب کا زمانہ ہے اس مدت میں مسلمانوں نے اس ملک میں بارہ تیرہ غزوات و فتوحات کیں، اور عہد فاروقی کے ابتدائی تین حملوں کے علاوہ تمام حملے باقاعدہ حربی اور فوجی عدت و عدت اور ساز و سامان اور سپاہیوں کے ساتھ تھے، جن میں زیادہ تر بحرین و عمان کے قبائل بنو عبد القیس، بنو بکر بن وائل، بنو تمیم،

بنوازد، بنوناجیہ اور طائف کے بنوثقیف کے مجاہدین شریک تھے۔

یہ تمام قبائل اتفاق سے آخری دور رسالت میں اسلام لائے تھے، اور بنوثقیف کے علاوہ ارتداد کی ہوا نے بڑی حد تک ابتداء میں ان کے پیر اکھاڑ دیئے تھے، مگر عہد صدیقی کی روشنی نے بہت جلد ان کو راہ راست پر لاکھڑا کر دیا یہ تمام قبائل قدیم زمانے سے بداوت و خشونت اور جفاکشی کی زندگی کے عادی تھے، اور بنوثقیف کے علاوہ ان سب کے بلاد و دیار ایران ہندوستان کے سواحل سے قریب تھے اس لئے ان دونوں ملکوں سے ان کے گونا گوں تعلقات قائم و دائم تھے، خاص طور سے بنوعبدالقیس اس بارے میں بہت آگے تھے، اور ایران سے گزر کر ہندوستان بلکہ سرندیپ تک ان کی آمد و رفت رہا کرتی تھی جس کی وجہ سے ان کے آدمی یہاں کے جغرافیائی اور طبعی حالات سے واقف تھے، یہی وجہ ہے کہ اسی قبیلہ کے دو بزرگوں نے خلافت راشدہ میں یہاں آکر دربار خلافت کو معلومات بہم پہنچائیں اور حضرت صحار عبدیؓ نے حضرت عمرؓ کو اور حضرت حکیم بن جبلہ عبدی نے حضرت عثمان کو یہاں کے حالات و کوائف فوجی نقطہ نظر سے بتائے، اسی طرح بنوتمیم کا وطن ایران سے متصل علاقہ میں تھا اور ان کے تعلقات بھی ایران اور ہندوستان سے بہت قدیم تھے۔

بحرین کے بادیہ اور صحراء میں بنوعبدالقیس اور بنوبکر بن وائل کثیر تعداد میں آباد تھے، عہد رسالت میں ایران کی کسرائی حکومت کی طرف سے ان کے حاکم منذر بن ساوی تھے، جو نامہ نبوی پا کر اسلام لائے اور اسی سے متصل عمان میں بنوازد کا غلبہ تھا جن کے حاکم عبید بن جلندی اور جیفر بن جلندی تھے، یہ دونوں حضرات بھی نامہ نبوی پڑھ کر مسلمان ہوئے، ان امراء و حکام کے اسلام کے بعد ۸ھ میں بحرین وعمان کے یہ قبائل مسلمان ہو گئے، بنوعبدالقیس کا وفد خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا شاندار استقبال فرمایا، اسی طرح بنوازد کا وفد بھی خدمت نبوی میں حاضر ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علاء بن حضرمی کو ان کے پاس شریعت کی تعلیم اور زکوۃ کی وصولی کیلئے معلم و امیر بنا کر بھیجا، بنوتمیم کا وفد ۹ھ میں اپنے اعیان و اشراف کے ساتھ دربار نبوی میں حاضر ہوا، اور ارکان وفد اسی موقع پر مسلمان ہوئے، ان کے دیار و بلاد ایران سے متصل تھے اور یہ لوگ ایرانی شہنشاہیت کے ماتحت زندگی بسر کرتے تھے، بنوازد کی طرح بنوناجیہ بھی عمان میں رہتے تھے، یہ بھی آخری دورِ رسالت میں اسلام لائے اور ان کے ایک وفد نے مکہ اور مدینہ کے درمیان رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی، طائف کے بنو ثقیف آخری وقت تک اسلام کے مقابلے میں ڈٹے رہے، آخر فتح مکہ کے بعد انہوں نے اسلام قبول کیا، اور رمضان ۹ھ میں خدمت نبوی میں حاضر ہو کر یوں سچے پکے مسلمان ہوئے کہ ارتداد کے طوفان میں بھی ان کے یقین و ایمان کے چراغ جلتے تھے، ان قبائل کے علاوہ مکہ مکرمہ کے مہاجر اور مدینہ منورہ کے انصار اور عرب کے دیگر قبائل کے مجاہدین بھی ہندوستان کے غزوات وفتوحات میں شریک ہوتے تھے، البتہ خلافت راشدہ میں فارس اور ہندوستان کی مہمات میں مذکورہ قبائل زیادہ تھے۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ جب حضرت عمرؓ نے پہلی بار قندابیل کے بارے میں معلومات چاہیں تو ان کو بتایا گیا کہ یہاں پر فوج کشی میں طرح طرح کی مشکلات ہیں اگر فوج زیادہ ہوگی تو غذائی قلت و نایابی کی وجہ سے بھوکوں مر جائے گی اور اگر کم ہوگی تو دشمنوں کی نذر ہو جائے گی، اس کے بعد صحار عبدی نے مکران کے بارے میں یہی خبر دی، اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکیم بن جبلہ عبدی کو مستقل طور سے یہاں بھیج کر معلومات حاصل کیں تو حکیم بن جبلہ نے بھی یہی بات کہی، اس لئے ابتداء میں ان معلومات کی روشنی میں خلافت کی طرف سے نہ اتنی زیادہ فوج بھیجی جاتی رہی ہوگی کہ بھوک سے مر جائے اور نہ اتنی کم ہوتی رہی ہوگی کہ یہاں کے جنگ باز ان کو ختم کر دیں، البتہ بعد میں حسب ضرورت زیادہ سے زیادہ فوج آتی تھی جو اپنے ساتھ ہر قسم کے سامان خورونوش رکھتی تھی اور حرب وضرب کے تمام تقاضوں کو پورا کرتی تھی، چنانچہ ۲۳ھ میں حضرت حکیم بن عمرو تغلبی نے اپنی پوری فوج لے کر مکران پر حملہ کیا تو ان کی مدد کیلئے جنگ مکران کے امیر دلواء بردار حضرت سہل بن عدی کے علاوہ عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان اور شہاب بن مخارق بھی اپنے فوجی دستوں کے ساتھ جنگ مکران میں شریک ہوئے، اس جنگ میں بصرہ کے معسکر کی فوجیں شریک تھیں مگر حضرت عمرؓ نے کوفہ کے معسکر سے بھی فوجیں امراء کی قیادت میں روانہ کیں، حضرت عمرؓ کے فرمان کے مطابق عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان کوفہ کی فوج لے کر غزوہ مکران میں سہل بن عدی کی مدد کیلئے گئے اور فتح مکران کے

۱۸۳۔ ان کے مزید حالات کے لیے ملاحظہ ہو جمہرۃ انساب العرب ص ۲۶۶، طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۴۱ و ج ۵ ص ۵۰۹، استیعاب ذیل الاصابہ ج ۱ ص ۳۰۵، اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۵، اصابہ ج ۲ ص ۲۸، تاریخ کبیر امام بخاری ج ۲ قسم ۱ ص ۲۳۹، فتوح البلدان ص ۴۰۰ و ص ۴۲۰، کتاب الثقات ص ۳۹، تاریخ اسلام ذہبی ج ۲ ص ۴۸، البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۴۱، معجم البلدان ج ۳ ص ۲۸۱، تجرید اسماء الصحابہ ج ۱ ص ۱۴۵، تاریخ خلیفہ بن خیاط ج ۱ ص ۱۲۳ و ص ۱۳۴۔

بعد یہ دونوں امراء اپنی فوجوں کو لے کر حکم بن عمرو ثعلبی کی مدد کے لئے مکران آ گئے اور یہاں کی اسلامی فوج کو تین طرف سے مدد پہنچائی گئی۔

اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں مکران و سندھ پر بھرپور فوج کشی ہوئی اور شاندار فتوحات نے اسلامی فوجوں کا استقبال کیا، اور حضرت علیؓ کے آخری دور خلافت میں حارث بن مرہ عبدی نے بہت بھاری جمعیت کے ساتھ قندابیل اور قیقان وغیرہ کو فتح کیا حتی کہ ایک دن میں ایک ہزار قیدیوں کو اپنی فوج میں تقسیم کیا۔

الغرض خلافت راشدہ میں یہاں بارہ غزوات ہوئے ہیں جن میں اسلامی فوج کے ہمراہ کئی ہزار صحابہ اور تابعین تشریف لائے۔ مگر چند حضرات کے علاوہ تاریخ میں ان کے نام کی تصریح نہیں ملتی ہے، پھر چونکہ اس زمانے تک عام طور سے سندھ و مکران کی مہمات فارس، سجستان اور خراسان ہی کی مہمات کے ضمن میں ہوتی تھیں اس لئے ان ممالک کے مجاہدین بھی یہاں کی مہمات میں شریک ہوتے تھے، مگر یہاں کے غزوات میں ان کے ناموں کی تصریح نہیں ملتی ہے۔

اور ہم ایسے مجاہدین کی ہندوستان میں آمد کو دلائل سے ثابت نہیں کر سکتے ہیں حالانکہ ان کا یہاں آنا اور غزوات و فتوحات میں شریک ہونا اقرب الی القیاس ہے۔

یہ حضرات ۲۳ھ کے بعد سے ۳۵ھ تک عام طور سے مدینہ منورہ کے دارالخلافہ کی ہدایت و رہنمائی میں یہاں آتے رہے، اور ان کے اموال غنیمت اور موالی وغیرہ کی تقسیم بھی مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم

حضرت حکیم بن ابو العاصی ثقفیؓ

حضرت حکیم بن ابو العاصی بن بشر بن عبد دھمان بن عبداللہ بن ابان بن یسار بن مالک بن حطط بن جشم بن قسی ثقفی رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عثمان یا ابو عبدالملک ہے، مشہور صحابی حضرت عثمان بن ابو العاصی ثقفی کے بھائی اور خود بھی صحابی ہیں، ۹ھ میں بنو ثقیف کے ساتھ اسلام لائے، ابن سعد، ابن اثیر اور ابن حجر سب نے ان کے صحابی ہونے کی تصریح کی ہے، معاملہ فہم حوصلہ مند اور دور اندیش تھے، ملکی اور سیاسی امور میں پوری بصیرت رکھتے تھے، ۱۵ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم کے بڑے

بھائی عثمان بن ابوالعاصی کو طائف کی امارت سے بلا کر بحرین اور عمان کا امیر و حاکم بنایا تو عثمان نے حکم کو اپنی صوابدید سے بحرین میں مقرر کیا اور انہوں نے اپنے بھائی عثمان کی امارت کے زمانے میں ایران اور عراق میں بہت سی شاندار فتوحات حاصل کیں، خاص طور سے ۱۹ھ اور ۲۰ھ میں بہت زیادہ مجاہدانہ خدمات انجام دیں عثمان نے ان کو بحرین کے حالات درست ہونے کے بعد فارس اور توج کی مہمات پر روانہ کیا، اس سلسلے میں انہوں نے تھانہ، بھڑوچ اور مکران میں جہاد کر کے فتوحات حاصل کیں جیسا کہ گزر چکا ہے۔

حضرت حکیم صرف اچھے امیر و مجاہد اور مدبر ہی نہیں تھے بلکہ احادیث اور دینی علوم سے بھی حصہ وافر کے مالک تھے، اور بصرہ کے مشہور علماء و محدثین میں شمار کئے جاتے تھے، ان سے مرفوع حادیث مروی ہیں، مگر بعض محدثین کے نزدیک ان کی احادیث مرسل ہیں، حضرت عمرؓ اور اپنے بھائی عثمانؓ سے روایت کی ہے، اور ان سے معاویہ بن قرہ نے روایت کی ہے، ۲۴ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے معزول ہو کر اپنے بھائی عثمان بن ابوالعاصی کے ساتھ بصرہ میں شط عثمان میں حکمان نامی علاقے میں مکان بنایا اور وہیں ۴۵ھ میں انتقال فرمایا، عثمان بن ابوالعاصی کی اولاد کی طرح حکیم بن ابوالعاصی کی اولاد بصرہ کے اعیان و اشرف میں شمار ہوتی تھی، اور بہت بعد تک جاہ و جلال کی مالک رہی، حضرت حکیم کے مفصل حالات ہماری کتاب ''اسلامی ہند کی عظمت رفتہ'' میں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں، ان کے بھائی حضرت عثمان اور حضرت مغیرہ کے تذکرے بعد میں آ رہے ہیں۔[۱۸۳]

حضرت حکم بن عمرو ثعلبی غفاریؓ

حضرت حکم بن عمرو بن مجدع بن حزیم بن حارث بن نعلیہ ثعلبہ بن ملیک بن ضمرہ بن بکیر بن عبد مناۃ بن کنانہ ثعلبی غفاری رضی اللہ عنہ، جلیل القدر صحابی اور صف اول کے امراء و فاتحین میں سے ہیں۔

ابن سعد نے لکھا ہے کہ حکم بن عمرو مستقل طور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس

۱۸۳۔ جمہرۃ انساب العرب ص ۱۸۶، طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۲۸ و ص ۲۹، تاریخ خلیفہ بن خیاط ج ۱ ص ۲۴۸، اسد الغابہ ج ۱ ص ۱۸۶ و ج ۲ ص ۳۶ و ص ۳۷، اصابہ ج ۱ ص ۲۴، البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۴۷، کتاب المجر ص ۲۹۵، تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۲۶۴، فتوح البلدان ص ۴۰۰، تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۱ و ص ۱۸۳، استیعاب ذیل الاصابہ ج ۱ ص ۳۱۳ و ۳۱۴، کتاب البیان والتبیین ج ۲ ص ۲۳۲۔

۱۸۴۔ استیعاب ج ۱ ص ۳۵۴، اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۱۰، الاکمال ج ۲ ص ۴۳۲۔

میں رہا کرتے تھے، جب آپ کا وصال ہوگیا تو مدینہ سے بصرہ چلے گئے، اور وہیں بود و باش اختیار کرلی، امام ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حکم بن عمرو ثعلبی جلیل القدر صحابی رسول ہیں، تاریخ یعقوبی میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنر زیاد بن ابوسفیان کو لکھا کہ تمہارے یہاں حکم بن عمرو غفاری کے نام کے ایک صحابی ہیں تم ان کو خراسان کا حاکم بناؤ چنانچہ زیاد بن ابوسفیان نے آپ کو ۴۴ھ میں خراسان کا امیر و حاکم بنایا، اور آپ نے وہاں پہنچتے ہی جہاد کی تیاری شروع کی، اور ہرات و جوز جان نیز خراسان کے اور بہت سے بلاد و امصار فتح ہوئے اور مسلمانوں کو بہت زیادہ مال غنیمت ہاتھ آیا۔

بلاذری نے لکھا ہے کہ حکم بن عمرو غفاری نہایت متقی اور پرہیزگار صحابی تھے، ان کی خراسان کی امارت کا واقعہ یہ ہے کہ زیاد بن ابوسفیان نے اپنے دربان خیل کو حکم دیا کہ حکم کو میرے پاس لاؤ، وہ حکم بن ابوالعاصی ثقفیؓ کو بلانا چاہتا تھا، مگر خیل دربان حکم بن عمرو غفاری کو ساتھ لایا، زیاد نے ان کو دیکھ کر نہایت خوشی اور نیک فالی کا مظاہرہ کیا اور کہا کہ یہ رسول اللہ کے نہایت نیک صحابی ہیں ان سے خیر و برکت کی امید ہے، چنانچہ ان کو خراسان کا امیر بنایا، یہ پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے علاقے ماوراء النہر میں سب سے پہلے نماز ادا کی ہے، اور وہیں ۵۰ھ میں فوت ہوئے۔

جب زیاد بن ابوسفیان کو معلوم ہوا کہ آپ کے ہاتھوں خراسان میں زبردست فتوحات ہورہی ہیں تو آپ کے پاس خط لکھا کہ امیر المومنین (حضرت معاویہؓ) نے مجھے تحریر فرمایا ہے کہ مال غنیمت میں سے سونا اور چاندی ان کیلئے مخصوص کردیا جائے، اس لئے سونا چاندی اسلامی فوج میں مال غنیمت کے ساتھ تقسیم نہ کیا جائے، اس خط کے جواب میں حضرت حکم بن عمرو نے زیاد بن ابوسفیان کو لکھا کہ تم لکھتے ہو کہ امیر المومنین نے ایسا ایسا لکھا ہے، اور میں امیر المومنین کے تحریری حکمنامہ سے پہلے اللہ کی کتاب پاچکا ہوں جس میں مال غنیمت کی تقسیم کا حکم اور طریقہ بتایا گیا ہے، تم نے جو کچھ لکھا ہے، مجھ سے اس پر عمل نہیں ہوسکتا، اس کے بعد آپ نے بحیثیت امیر لشکر کے حکم دیا کہ تمام مال غنیمت سونا چاندی سمیت حسب حکم شرعی تقسیم کردیا جائے۔

حضرت حکم بن عمرو متعدد احادیث رسول کے راوی بھی ہیں، اور آپ سے حسن بصری، محمد بن سیرین، عبداللہ بن صامت، ابوالشعثا، دلجہ بن قیس، ابوحاجب سوادہ بن عاصم، اور جابر بن زید وغیرہ نے روایت کی ہے، ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریدہ اور حضرت حکم بن عمرو غفاری کو مخاطب کرکے فرمایا تھا۔

انتما عینان لاھل المشرق

تم دونوں اہل مشرق کیلئے دو آنکھ ہو۔

چنانچہ یہ دونوں حضرات مشرق یعنی مرو اور خراسان میں مجاہد و فاتح بن کر تشریف لائے اور اسی علاقے میں فوت ہوئے، حضرت حکم بن عمرو نے ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں خراسان میں وصال فرمایا، اور جیسا کہ معلوم ہوا ۲۳ھ میں حضرت عمرؓ نے آپ کو لواء مکران دے کر یہاں کے لئے بھیجا تھا اور مکران آپ کے ہاتھ پر فتح ہوا تاریخ ورجال کی کتابوں میں عام طور سے آپ کی نسبت تعلبی لکھی ہے، جو غلط ہے اور صحیح ثعلبی ہے جو ثعلبہ کی طرف منسوب ہے اور آپ ثعلبی اور غفاری دونوں نسبتوں کے ساتھ مشہور ہیں۔ ۱۸۴

حضرت خریت بن راشد ناجی سامیؓ

حضرت خریت بن راشد رضی اللہ عنہ عمان کے قبیلہ بنو سامہ کی شاخ بنو ناجیہ سے ہیں، ابن عبد البر نے الاستیعاب میں اور ابن اثیر نے اسد الغابہ میں تصریح کی ہے کہ خریت بن راشد نے بنو سامہ بن لوئی کے وفد کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا شرف پایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارکان وفد کی باتوں کو غور سے سنا اور اہل قریش سے فرمایا کہ یہ لوگ تمہاری قوم قریش سے ہیں، یہ سن کر اہل قریش نے ان کو اپنا مہمان بنایا۔

حضرت خریت نے خلافت صدیقی میں جب ارتداد کی وباء پھوٹ پڑی تھی، بنو ناجیہ کے امیر و سردار بن کر اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جہاد کیا اور قتال مرتدین میں نمایاں طور پر شرکت کی، خلافت عثمانی میں عبداللہ بن عامر نے ان کو فارس کے ایک علاقے کا امیر بنایا تھا، بعد میں حضرت علیؓ کے طرفداروں میں شامل ہو گئے تھے، مگر واقعہ تحکیم کے بعد ان کے مخالفین میں ہو گئے اور جنگ جمل میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے طرفدار بن کر قبیلہ مضر کے امیر رہے، ایک روایت کے مطابق خریت نے واقعہ تحکیم کے بعد اپنی قوم کے ساتھ حضرت علی کے خلاف طاقت جمع کر لی، حضرت علی نے مقابلہ کے لئے زیاد بن خصفہ کی قیادت میں فوج روانہ کی اور جنگ کے بعد خریت کے بہت سے ساتھی زیاد بن خصفہ کے ساتھ ہو گئے اور خریت شکست کے بعد قتل کر دیئے گئے، اور امام امیر ابن ماکولا نے الاکمال میں تصریح کی ہے کہ جب خریت نے مخالفت کی راہ اختیار کی تو حضرت علیؓ کے حکم سے معقل بن قیس۔

ربائی نے ان کا تعاقب کر کے مقابلہ کیا اور شکست دی، اس کے بعد وہ مکران چلے گئے، خریت بن راشد کے ایک بھائی منجاب بن راشد ناجی سامی تھے، جو بعہد فاروقی فارس کے ایک علاقہ کے امیر تھے، دونوں بھائی تاجرات صحابہ میں عثمانی الفکر تھے، واقعہ تحکیم ۳۷ھ میں ہوا تھا اس کے بعد ہی حضرت خریت حضرت علی کے مخالف ہو کر مکران آئے ہوں گے۔۱۸۵

حضرت ربیع بن زیاد حارثی مذحجیؓ

حضرت ربیع بن زیاد بن انس بن یزید الدیان بن قطن بن زیاد بن حارث بن مالک بن کعب بن حارث کعب بن عمرو بن علہ بن جلد بن مالک بن ادو حارثی مذحجی رضی اللہ عنہ قبیلہ مذحج کی شاخ بنی حارث بن کعب سے ہیں، نہایت نیک، متواضع اور بزرگ صحابی ہیں، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم لوگ مجھے ایسے انسان بتاؤ جو امیر ہو کر عوام میں یوں ملا جلا رہے جیسے امیر نہیں ہے، اور جب امیر نہ ہو تو ان میں یوں رہے جیسے امیر ہے، لوگوں نے متفقہ طور سے کہا کہ ہمارے علم میں ربیع بن زیاد حارثی کے علاوہ اور کوئی شخص ایسا نہیں ہے، حضرت عمرؓ نے بھی اس کی تصدیق کی، حضرت ربیع گورے رنگ اور ہلکے بدن کے آدمی تھے، ایک روایت میں ہے کہ آپ کا رنگ گندمی، منہ چوڑا اور قد لمبا تھا، ۱۷ھ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حضرت ربیع کو ایران کی ایک مہم کا امیر بنا کر روانہ کیا جس میں ان کو فتح حاصل ہوئی، اس جنگ میں آپ کے بھائی حضرت مہاجر بن زیاد حارثیؓ نے بحالت روزہ اللہ تعالیٰ سے اپنی جان خریدنے کا ارادہ کیا، جب ربیع بن زیاد کو بھائی کے اس ارادہ کی خبر لگی تو انہوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے اس کا تذکرہ کیا جو اسلامی لشکر کے افسر اعلیٰ تھے، اور انہوں نے فوراً فوج میں اعلان کرایا کہ جو سپاہی آج روزہ ہو میں بحیثیت امیر کے کہتا ہوں کہ وہ روزہ توڑ دے، امیر لشکر کا حکم سنتے ہی حضرت مہاجر بن زیاد نے بھی روزہ توڑ دیا، اس کے بعد میدان جنگ میں لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

۳۰ھ میں عبداللہ بن عامر بن کریز والی عراق نے خراسان پر فوج کشی کی، اور کرمان کے علاقے شیر جان میں پڑاؤ ڈال کر حضرت ربیع بن زیاد کو سجستان کی مہم پر امیر بنا کر روانہ کیا، آپ نے فہرج، زالق، کرکویہ، ہیسون، زرنگ، ہندمند، وشت، ناشروز، شراوذ، سنارود وغیرہ کو فتح کیا، اور ان فتوحات

۱۸۶۔جمہرۃ انساب العرب ص۔۔۔، طبقات ابن سعد ج ۲ ص۔۔، تجرید اسماء ج۔ ص۔۔، اسد الغابہ ج۔۔ ص۔۔، تہذیب التہذیب ج۔۔ ص۔۔، عیون الاخبار ج۔۔ ص۔۔، تاریخ خلیفہ بن خیاط ج ۱ ص ۲۴۵، البدایہ والنہایہ ج۔۔ ص۔۔

میں دو سال تک سرگرم رہے۔ جب کہ خراسان میں آپ کی مدت ولایت کل ڈھائی سال ہے، اس مدت میں آپ کے میر منشی حضرت امام حسن بصریؒ تھے، ربیع بن زیاد کو سجستان کی فتوحات میں چالیس ہزار جنگی قیدی ہاتھ آئے، ان کے بعد عبداللہ بن عامر نے بنو حارث بن کعب کے ایک آدمی کو سجستان کا امیر و حاکم بنایا جس میں حضرت ربیع جیسا تدبر اور حوصلہ نہیں تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ کابل کے راجہ نے طاقت جمع کر کے وہاں سے تمام مسلمانوں کو نکال دیا، دوسری طرف راجہ رتبیل نے زابلستان اور رخج پر قبضہ کر کے بست تک کا تمام علاقہ اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اس صورت حال سے نپٹنے کے لئے پھر حضرت ربیع بن زیاد کے عزم و تدبر کی ضرورت پڑی چنانچہ ۳۶ ہجری میں آپ ان سرکش راجوں کے مقابلہ کے لئے نکلے، اور بست میں آتے ہی راجہ رتبیل سے مقابلہ کر کے اس کو شکست دی، وہ رخج کی طرف بھاگا، آپ نے اس کا تعاقب کر کے پھر شکست دی، اسی زمانہ میں حضرت ربیع بن زیاد نے بلاد داور کو بھی فتح کیا، اس کے بعد زیاد بن ابوسفیان نے ان کی جگہ عبیداللہ بن ابوبکرہ کو سجستان کا حاکم بنایا، ۵۱ھ میں ربیع تیسری بار خراسان کی امارت پر آئے، اس بار ان کے ساتھ کوفہ اور بصرہ کے تقریباً پچاس ہزار آدمی مع اہل و عیال کے نکلے اور خراسان میں مستقل طور سے آباد ہو گئے۔

حضرت ربیع اگر چہ گورنر عراق زیاد بن ابوسفیان کے ماتحت امیر تھے، مگر شدید ضرورت کے علاوہ اس کو کبھی خط نہیں لکھتے تھے۔

حضرت سنان بن سلمہ ہذلی

حضرت سنان بن محبق، صخر بن عبید بن حارث ہذلی رضی اللہ عنہ قبیلہ وابقہ بن لحیان بن ہذیل سے ہیں، کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے، ابوجبیر اور ابوبشر بھی بتائی جاتی ہے۔ فتح مکہ کے دن پیدا ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام سنان رکھا جیسا کہ ابن عبدالبر، ذہبی اور ابن اثیر نے لکھا ہے، اور دوسری روایت یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین کے موقع پر پیدا ہوئے، اثنائے جنگ میں جب سلمہ بن محبق کو بچہ کی پیدائش کی خبر ہوئی تو انہوں نے کہا:

لسنانٌ اطعن به فی سبیل اللّٰه احب الی منه

جس نیزہ سے میں اللہ کی راہ میں جہاد کر رہا ہوں وہ اس بچہ سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کا یہ حوصلہ مندانہ جملہ سنا تو بچہ کا نام سنان تجویز فرمایا، ابن کثیر نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تحسنیک بھی فرمائی ہے یعنی آپ نے کھجور چبا کر اپنے لعاب مبارک سے ان کو شیریں دہن فرمایا ہے۔

ابن سعد نے سنان بن سلمہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ ہم چند بچے مدینہ کے کھجور کے باغات میں گری ہوئی کھجوریں جن کو خلال کہتے ہیں چن رہے تھے کہ حضرت عمر کسی طرف سے آ گئے، سب لڑکے ان کو دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے، مگر میں اپنی جگہ کھڑا رہا، آپ نے مجھے پکڑ لیا، میں نے کہا کہ امیر المومنین! یہ کھجوریں ہوا کے جھونکے کی وجہ سے گر گئی تھیں، آپ نے کہا کہ تم دکھاؤ، میں ان کو دیکھ کر سمجھوں گا کہ کیسی ہیں؟ پھر آپ نے ان کو دیکھ کر کہا کہ ہاں تم سچ کہتے ہو، اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ امیر المومنین! جن لڑکوں کو آپ نے دیکھا ہے، وہ سب میری کھجوریں چھین لیں گے، یہ سن کر حضرت عمرؓ میرے ساتھ چلے یہاں تک کہ مجھے محفوظ جگہ پہنچا دیا۔

تقریباً تمام تذکرہ نویسوں نے ان کی شجاعت اور بہادری کو نمایاں طور سے بیان کیا ہے، ۷۲ھ میں عبداللہ بن زبیر کے گورنر مصعب بصرہ سے عبدالملک بن مروان سے لڑنے کے لئے نکلے تو انہوں نے سنان بن سلمہ کو اپنا نائب مقرر کیا تھا، ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے کہا کہ:

ما انت بارسخ فتكون فارساً، ولا بعظيم الراس فتكون سيداً

آپ نہ جم کر لڑنے والے ہیں کہ شہ سوار ہوں، اور نہ آپ کا سر بڑا ہے کہ سردار ہوں۔

مطلب یہ تھا کہ آپ میں یہ علامتیں نہیں پائی جاتیں پھر بھی آپ شہسوار و سردار ہیں۔

جو علماء صحابیت کے لئے رسول اللہ علیہ وسلم سے روایت کو ضروری سمجھتے ہیں، وہ سنان کو طبقہ صحابہ میں شمار نہیں کرتے ہیں اور جو لوگ اس کے لئے صرف رویت کافی سمجھتے ہیں وہ ان کو صحابی مانتے ہیں۔ چنانچہ ابوزرعہ نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ صحابی نہیں ہیں مگر عہد رسالت میں پیدا ہوئے

۱۸۷۔ جمہرۃ انساب العرب ص ۴۱۷، طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۱۲۰، تاریخ خلیفہ بن خیاط ج ۱ ص ۱۲۷، ص ۱۹۷ وص ۲۳۳ وص ۲۴۷ وص ۲۴۸ وص ۵۴۵، اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۶۴، شذرات الذہب ج ۱ ص، فتوح البلدان ص ۳۸۵ وص ۴۰۰، چچ نامہ ص ۷۳۔

۱۸۸۔ اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۶۸، اصابہ ج ۲ ص ۸۸، تجرید اسماء الصحابہ ج ۱ ص ۲۴۵، تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۱، تاریخ خلیفہ ج ۱ ص ۹۴۔

ہیں۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ سنان کو رویت حاصل ہے البتہ سماع حدیث حاصل نہیں ہے، مگر ابن حبان اور دوسرے محدثین نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے کیونکہ اکثر محدثین کے اصول کی رو سے ان کی صحابیت ثابت ہے، سنان نے اپنے والد سلمہ بن محبق، اور حضرت عمر اور حضرت ابن عباس سے مرسل احادیث کی روایت کی ہے، اور ان سے سلم بن جنادہ معاذ بن سعوہ، ابو عبدالصمد حبیب نے روایت کی ہے، سنان سے حضرت قتادہ کی روایت کردہ احادیث مدلس ہیں۔

حضرت سنان کئی بار ہندوستان میں امیر مقرر کئے گئے، بڑے فاضل اور خدا پرست بزرگ تھے، خلیفہ بن خیاط نے لکھا ہے کہ سنان سب سے پہلے ۴۲ھ میں راشد بن عمرو جدیدی کی شہادت کے بعد غزوہ ہند کے امیر بنائے گئے، پھر ۴۷ھ میں حضرت عبداللہ بن سوار عبدی کی شہادت کے بعد یہاں کے امیر ہوئے، حضرت معاویہ نے زیاد بن ابوسفیان کو لکھا کہ تم ایسے آدمی کی تلاش کرو جو عبداللہ بن سوار عبدی کی جگہ پر ہندوستان میں امیر بننے کے لائق ہو ساتھ ہی حضرت معاویہ نے سنان کو زیاد کے پاس روانہ کیا چنانچہ زیاد نے ان کو یہاں روانہ کیا، بعد میں سنان بحرین کے امیر و حاکم بنائے گئے۔ ان کے صاحبزادے موسیٰ بن سنان ملتان کی فتح میں محمد بن قاسم کے ساتھ تھے، خلیفہ نے سنان کی وفات ۹۵ھ میں اور ابن کثیر نے ۹۰ھ میں بعہد حجاج بن یوسف بیان کی ہے۔ [۱۸۹]

البتہ حکومت و امارت کے امور و معاملات میں بوقت ضرورت خط و کتابت کرتے تھے۔

آپ نے حضرت عمرؓ سے حدیث کی روایت کی ہے، اور آپ سے مطرف بن شخیر، اور حفصہ بنت سیرین نے روایت کی ہے، محدثین کے نزدیک حضرت ربیع کی کوئی مسند حدیث نہیں ہے، آپ کی وفات کا واقعہ یہ ہے کہ ۵۳ھ میں امیر معاویہؓ نے حجر بن عدی کندی کو قتل کرایا جب حضرت ربیع کو اس کی خبر لگی تو دعا کی کہ اے اللہ! اگر ربیع کے حق میں تیرے یہاں خیر ہے تو اب دنیا سے اسے اٹھالے، جس مجلس میں آپ نے یہ دعا کی تھی، اس میں وصال فرمایا۔

حضرت مغیرہ بن ابوالعاصی ثقفی کے دیبل پر فوج کشی کے بعد حضرت ابوموسیٰ اشعری نے حضرت ربیع بن زیاد کو مکران اور کرمان میں شہسواروں کے دستے کا امیر بنا کر روانہ کیا تھا، نیز آپ نے حدود

۱۸۹۔ طبقات ابن سعد، ج ۵ ص ۶۲۵، استیعاب ج ۱ ص ۱۹۳، کتاب الرص ۲۹۴، کتاب المعارف ص ۲۴۰، ر کتاب الفہرست ص ۱۳۲، عیون الاخبار ج ۲ ص ۱۷۱، اسد الغابہ ج ۷ ص ۱۲۷، اصابہ ج ۲ ص ۲۷۰، البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۲۷، تاریخ طبری ج ۴ ص ۹۴ و ص ۱۹۳۔

۱۹۰۔ استیعاب ج ۳ ص ۲۵ ق، اصابہ ج ۲ ص ۲۲۸ و ج ۳ ص ۲۳۰، تاریخ طبری ج ۴ ص ۴۹۔

سندھ یعنی بلاداور میں جہاد فرمایا ہے۔ ۱۸۷

حضرت سہل بن عدی خزرجی انصاریؓ

حضرت سہل بن عدی بن مالک بن حرام بن خدیج بن معاویہ بن عوف بن خزرج خزرجی انصاری جلیل القدر صحابی ہیں، حضرت سہل بن عدیؓ، حضرت ثابت بن عدیؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عدیؓ تینوں بھائی غزوۂ احد میں شریک تھے، ابن اثیر نے لکھا ہے کہ سہل بن عدیؓ غزوۂ بدر میں بھی موجود تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاکم عراق حضرت ابوموسیٰ اشعری کو خصوصیت سے لکھا کہ وہ سہل بن عدیؓ کو امیر بنائیں، ۲۳ھ میں جب فارس کے مختلف بلاد پر منظم طور سے بحری حملے کیے گئے تو لواء کرمان، حضرت سہل کو دیا گیا، اور انہوں نے کرمان فتح کرنے کے بعد مکران کی جنگ میں اپنی فوجوں کو لے کر حضرت حکم بن عمرو تغلبی کی مدد کی، نیز اسی سال بلوچستان کو فتح کیا، تاریخ ورجال کی کتابوں میں عام طور سے ان کا نام سہیل بن عدی لکھا ہے۔ مگر صحیح سہل بن عدی ہے۔

خلیفہ بن خیاط نے ۱۱ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ حضرت سہل بن عدی انصاری جنگ یمامہ میں شہید ہوئے، حالانکہ تمام مورخوں نے ان کی امارت وغیرہ کا تذکرہ عہد فاروقی میں کیا ہے، نیز خلیفہ نے ان کو اوس کے بنو عبدالاشہل میں شمار کیا ہے جبکہ عام مورخوں نے ان کے خزرجی ہونے کی تصریح کی ہے۔ ۱۸۸

حضرت صحار بن عباس عبدیؓ

حضرت صحار بن عباس بن شراحیل بن منقذ بن حارثہ عبدی دیلی رضی اللہ عنہ بحرین کے قبیلہ بنو عبدالقیس کی شاخ بنو ظفر بن دیل بن عمرو بن ودیعہ بن لکیز بن افضی بن عبدالقیس سے ہیں، باپ کا نام عیاش اور صحر بھی بتایا گیا ہے کہ کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ صحار عبدی نے عبدالقیس کے وفد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم لوگ پھلوں سے شراب تیار کرتے ہیں، اس کے متعلق آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟

تین بار یہ سوال کیا اور ہر بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرۂ مبارک دوسری طرف پھیر لیا، اور

۱۹۱۔ اسد الغابۃ ج ۲ ص ۱۹۹، تجرید اسماء الصحابہ ج ۱ ص ۳۲۱، اصابہ ج ۲ ص ۳۲۸، تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۱، ص ۱۸۲ و ص ۱۸۳۔

اس وقت کوئی جواب نہیں دیا، پھر نماز کا وقت ہو گیا آپ نے نماز کے بعد دریافت کیا کہ کس نے نشہ آور چیز کے بارے میں مجھ سے سوال کیا تھا، مسکر چیز کے بارے میں مجھ سے پوچھتے ہو؟ تم نہ خود اسے پیو اور نہ اپنے کسی بھائی کو پلاؤ، خدا کی قسم جو شخص اسے مستی اور لذت کے لئے استعمال کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے شراب پینے پلانے کا عذاب دے گا، صحار بڑے نیک، عابد اور عالم و فاضل آدمی تھے، نہایت فصیح و بلیغ حاضر جواب اور زبان آور خطیب و مقرر تھے۔

اور ان صفات میں خاص شہرت کے مالک تھے، علم الانساب کے بھی زبردست عالم تھے، ابن ندیم نے ان کی کتاب الامثال کا ذکر کیا ہے رنگ سرخ تھا اور آنکھیں ارزق یعنی کرنجی تھیں، ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ نے ازراہ تفنن و تفریح ان کو ازرق کہہ کر پکارا تو فوراً جواب دیا کہ ازرق باز ہوتا ہے جو پرندوں پر جھپٹتا ہے، پھر حضرت معاویہ نے احمر کہہ کر پکارا تو فوراً جواب دیا کہ احمر سونا ہوتا ہے۔

نیز ایک بار حضرت معاویہ نے ان سے فصاحت و بلاغت کی حقیقت و ماہیت دریافت کی تو فی البدیہہ نہایت جامع و مانع جواب دیا، مشاجرات صحابہ میں عثمانی الفکر تھے، اور جنگ صفین میں حضرت معاویہ کے ساتھ شریک ہوئے۔

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ احنف بن قیس نے ہرات فتح کر کے صحار عبدی کو وہاں اپنا نائب مقرر کیا تھا، اور ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ صحار عبدی صحابی، اور حدیث کے راوی ہیں، انہوں نے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو یا تین حدیثیں روایت کی ہیں، اور ان سے ان کے دونوں صاحبزادے عبدالرحمٰن بن صحار اور جعفر بن صحار کے علاوہ منصور بن ابی منصور نے بھی روایت کی ہے۔

۲۳ھ میں فتح مکران میں شریک تھے اور حضرت حکیم بن عمرو تغلبی نے ان ہی کے ذریعہ فتح کی بشارت بھیجی تھی اور حضرت عمر نے ان سے مکران کے حالات دریافت کئے تھے جس کا جواب انہوں نے نہایت فصیح و بلیغ اور پر از معلومات انداز میں دیا تھا۔ ۱۸۹

حضرت عاصم بن عمرو تمیمیؓ

حضرت عاصم بن عمرو تمیمیؓ مشہور صحابی حضرت قعقاع بن عمرو تمیمی کے بھائی ہیں، امام طبری نے تصریح کی ہے کہ عاصم صحابہ میں سے ہیں، حافظ ابن حجر نے سیف بن عمرو سے نقل کیا ہے کہ جب ۱۷ھ

۱۹۲۔ استیعاب ج ۲ ص ۳۵۳، اصابہ ج ۲ ص ۲۴۶، تجرید اسماء الصحابہ ج ۱ ص ۳۲۶، تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۰، البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۳۲۔

میں حضرت سہل بن عدی کے زیر اہتمام عجم کے مختلف ممالک میں جہاد کیلئے امراء اور ان کے لواء متعین کیے گئے تو عاصم بن عمرو تمیمی کو سجستان میں جہاد کا لواء دیا گیا اور وہ صحابی ہیں البتہ ابن عبدالبر نے دونوں بھائیوں کے بارے میں لکھا ہے کہ محدثین کے نزدیک ان کی صحابیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لقاء و روایت ثابت نہیں ہے، کیونکہ بعض محدثین کے نزدیک صحابی ہونے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت اور آپ سے روایت شرط ہے۔

ان دونوں بھائیوں نے جنگ قادسیہ میں عظیم الشان کارنامے انجام دیئے ہیں، اور عاصم نے عراق اور اس سے متعلقہ فتوحات کے سلسلے میں بہت سے اشعار کہے ہیں، ۲۳ھ میں عاصم بن عمرو نے سجستان میں فتوحات کیں اور اسی کے ضمن میں سندھ سے متصل علاقوں کو بھی فتح کیا۔[190]

حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان انصاریؓ

حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان رضی اللہ عنہ بڑے صاحب رعب و داب اور بہادر صحابی ہیں، قبیلہ انصار کی شاخ بنی جبلی کے حلیف ہیں، پورے قبیلہ میں معزز و محترم مانے جاتے تھے، ابن اثیر نے تصریح کی ہے کہ عبداللہ بن عبداللہ صحابی ہیں، اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث کی روایت کی ہے، ان کی قابلیت و صلاحیت کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو لکھا کہ تم عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان کو مقام نصیبین کا امیر و حاکم بناؤ، ایک مرتبہ حضرت سعد بن وقاص کوفہ کی امارت کے زمانے میں حضرت عمر کے پاس گئے تو عبداللہ کو اپنی نائب مقرر کیا، اور جب حضرت عمر نے ان کو کوفہ کی امارت سے معزول کیا تو ابتداء میں ان کی جگہ عبداللہ کو مقرر کیا، پھر زیاد بن حنظلہ کو یہاں کی امارت دی مگر انہوں نے جلد ہی استعفیٰ پیش کر دیا اور حضرت عمار بن یاسر کوفہ کے امیر ہوئے۔

۲۳ھ میں حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عبداللہؓ کو اصفہان کی فوجی مہم کا امیر بنایا، اس جنگ میں انہوں نے فتح پائی اور مقامی حاکم کو قتل کر کے وہاں کے لوگوں سے صلح کی، اس وقت مقدمۃ الجیش کے امیر بدیل بن ورقا رباحی تھے، انہوں نے فتح اصفہان کے بعد مقام ''جی'' پر فوج کشی کی تو مقامی

۱۹۳۔ کتاب المعارف ص ۱۳۲، استیعاب ج ۲ ص ۲۹۴، اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۹۷ و ص ۲۹۸، اصابہ ج ۲ ص ۳۲۳، تاریخ خلیفہ ج ۱ ص ۱۸۷ و ص ۱۹۷ و ص ۲۳۷ و ص ۲۳۸ و ص ۲۴۳ و ص ۲۴۸، سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، فتوح البلدان ص ۲۸۸۔

باشندوں نے چند شرائط کے ساتھ صلح کرلی، یہ صلح نامہ حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان نے لکھا تھا جس میں دونمایاں شرطیں یہ تھیں، ایک یہ کہ مقامی باشندے خلافت کو خراج اور جزیہ دیں گے۔

اور دوسری یہ کہ ان کے پاس جو جنگی اسلحہ ہیں ان پر مسلمان قبضہ کرلیں گے، اور وہ اپنے جان اور مال میں ہر طرح مامون ومحفوظ رہیں گے۔ امام ذہبیؒ نے تصریح کی ہے کہ حضرت عبداللہ نے اصفہان میں قیام کیا اور وہیں سکونت اختیار کی، آپ ۲۳ھ میں فتح مکران کے موقع پر امیر لشکر حضرت حکم بن عمرو تغلبی غفاریؓ کی امداد کے لئے اپنی فوج لے کر آئے تھے۔[19]

حضرت عبداللہ بن عمیر اشجعیؓ

حضرت عبداللہ بن عمیر اشجعی رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے اپنے قبیلہ سے آکر مدینہ منورہ میں قیام کرلیا تھا۔

محدثین کے نزدیک ان کا شمار علمائے مدینہ میں ہے، ابن ابی حاتم رازی نے تصریح کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، فتن کے باب میں ان کی یہ حدیث مشہور ہے:

عن عبداللّٰه بن عمير الاشجعي سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول اذاخرج عليكم خارج وانتم مع رجل جميعاً يريدان يشق عصا المسلمين ويفرق جمعهم فاقتلوه.

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر تم کسی ایک شخص پر متحد ومتفق ہو جاؤ، اس کے بعد کوئی دعویدار نکل کر مسلمانوں میں اختلاف کرتا اور ان کی طاقت توڑنا چاہتا ہے تو تم لوگ ایسے شخص کو قتل کرو۔

بعض روایات میں اس کے بعد یہ اضافہ ہے:

واللّٰه ما سمعته استثنى احداً.

حضرت عبداللہ بن عمیر کہتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے کسی شخص کو مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے نہیں سنا۔

۲۳ھ کی منظم فوجی مہمات میں عبداللہ بن عمیر نے شاندار خدمات انجام دی ہیں، غزوہ بجست ان میں عاصم بن عمرو تمیمیؓ کے ساتھ تھے، اسی سلسلے میں سندھ کے علاقوں میں فتوحات حاصل کیں، تاریخ طبری

میں بعض مقامات پر ”عبداللہ بن عمرو“ درج ہے، مگر صحیح عبداللہ بن عمیر ہے۔١٩٢

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ قرشیؓ

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ بن حبیب بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی قرشی عبشمیؓ کی والدہ اروی بنت ابوفرعہ حارثہ بن قیس بن اعیاء بن مالک بن عقلمہ کنانیہ ہیں، اور کنیت ابوسعید ہے، زمانہ جاہلیت میں ان کا نام عبدالکعبہ یا عبدکلال تھا، فتح مکہ کے وقت اسلام لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل کر عبدالرحمٰن رکھا، جلیل القدر صحابی اور کابل و بجستان کے فاتح ہیں، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک میں شریک ہوئے ہیں، ان کی مرویات میں یہ حدیث بہت مشہور ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

> یا عبدالرحمن بن سمرة لا تسال الامارة، فانک ان اعطیتها عن مسئلة وکلت الیها، و ان عاطیتها عن غیر مسئلة اعنت علیها و اذ حلفت علی امر و رایت غیره خیراً منه فکفر عن یمینک و ائت الذی هو خیر۔
>
> اے عبدالرحمٰن بن سمرہ! تم امارت وحکومت کا سوال نہ کرنا، کیونکہ اگر طلب کرنے کے بعد تم کو امارت ملی تو تم پر لا دی جائے گی، اور بغیر سوال وطلب کے تم کو امارت ملے گی تو اس میں تمہاری مدد کی جائے گی، اور اگر تم کسی بات کی قسم کھالو اور اس کے علاوہ چیز کو اس سے بہتر سمجھو تو اس اچھے کام کو کرو، اور اپنی سابقہ قسم کا کفارہ دیدو۔

ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر ایمان اور اس کے بعد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت وصحبت میں رہے اور احادیث کی روایت کی، بڑے متواضع اور بزرگ صحابی ہیں، آخری دور میں بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کی اور وہیں ایک شاندار قلعہ نما مکان تعمیر کرایا جس کے اندر ایک مسجد تھی، تواضع اور فروتنی کا حال یہ تھا کہ جس دن بارش ہوتی ٹوپی پہنتے اور ہاتھ میں پھاوڑا لے کر راستہ کی صفائی کرتے تھے، پوری زندگی گویا جہاد وفتوحات میں بسر کی، حضرت عثمان کے زمانے میں خراسان

١٩٤۔ جمہرۃ انساب العرب ص ١٤٠، استیعاب ج ٢ ص ٤٢٥، اسد الغابہ ج ٣ ص ٣٤٥، تاریخ طبری ج ٤ ص ٢٦٤ و ص ٢٦٥ و ص ٢٦٦، فتوح البلدان ص ٤٨٢، اصابہ ج ٢ ص ٤٣٢، تاریخ خلیفہ ج ١ ص ١٦٨۔

کابل اور سجستان میں شاندار فتوحات حاصل کیں۔

۴۲ھ میں عبداللہ بن عامر نے آپ کو دوبارہ سجستان میں غزوہ کے لئے روانہ کیا، اب کی باران کے ساتھ دیگر کئی مشہور و معزز افراد کے علاوہ حضرت امام حسن بصری بھی تھے، الغرض عبدالرحمٰن بن سمرہ متعدد بار خراسان و سجستان کی فوجی مہمات کے امیر بن کر آئے، اور ان ممالک میں شاندار فتوحات حاصل کیں، اسی سلسلے میں ہندوستان کے علاقوں کو بھی فتح کیا، آخری دور میں بصرہ میں آباد ہو گئے جس محلہ میں رہتے تھے، وہ سکہ ابن سمرہ کے نام سے مشہور تھا۔ بصرہ ہی میں ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں انتقال فرمایا، آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد احادیث کی روایت کی ہے، اور آپ سے حضرت عبداللہ بن عباس، امام حسن بصری، محمد بن سیرین، عمار بن ابوعمار، سعید بن میتب، قتاب بن عمیر، ہصان بن کاہل، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ اور ابولبید وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ۱۹۳

حضرت عبید اللہ بن معمر قرشی تیمیؓ

حضرت عبید اللہ بن معمر بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئ بن غالب قرشی تیمی رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، ان کی کنیت ابو معاذ ہے، علمائے مدینہ میں شمار کئے جاتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی مشہور روایت یہ ہے۔

ما اعطى الله اهل بيت الرفق الا نفعهم، و لا منعه الا ضرهم

جس گھرانے کو اللہ تعالیٰ نے نرمی دی اس کو اس سے فائدہ پہنچا اور جسے اس سے محروم کیا وہ نقصان میں رہا۔

آپ کا شمار اصاغر صحابہ میں ہے، آپ نے عجم کی فتوحات میں شاندار خدمات انجام دی ہیں حتیٰ کہ اسی راہ میں ۲۹ھ میں اصطخر میں شہید ہو گئے اس وقت عبداللہ بن عامر کی فوج کے مقدمۃ الجیش کے امیر تھے، عبید اللہ عہد عثمانی کے مشہور شہسوار تھے۔ ان کے صاحبزادے عمر بن عبید اللہ بھی باپ کی طرح مشہور امیر و شہسوار اور جواد ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ۲۹ھ میں عبید اللہ بن معمر کو مکران کی مہم کا امیر بنا کر بھیجا جہاں انہوں نے شاندار فتوحات حاصل کیں، پھر وہاں سے ہٹا کر فارس کے امیر لشکر بنائے گئے، فارس کی امارت کے زمانے میں آپ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو لکھا کہ ہم مسلمان اس علاقے میں پورے امن

سکون کے ساتھ رہتے ہیں، اور ہمیں دشمن کا کوئی ڈر نہیں ہے، اسی امن وامان میں ہم یہاں سات سال سے رہ رہے ہیں اور یہاں پر ہمارے لڑکے بچے پیدا ہو گئے ہیں۔ ان حالات میں ہم اپنی نمازیں کتنی پڑھیں، قصر کریں، یا پوری نماز پڑھیں؟ اس کے جواب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے کہ آپ لوگوں پر اب بھی دو رکعات یعنی نماز قصر ہی واجب ہے، ۲۹ھ میں جب عبیداللہ بن معمر فتح مکران سے فارغ ہو کر اصطخر گئے، مقامی باشندوں نے خروج و بغاوت اور بدعہدی کی راہ اختیار کی اور طاقت جمع کر کے عبیداللہ بن معمر سے مقابلہ کیا، ابھی یہ باغی شہر کے باہر ہی تھے کہ اسلامی فوج نے باہر آ کر اس کا مقابلہ کیا اور شہر پناہ کے دروازوں پر سخت جنگ ہوئی، اسی میں آپ شہید ہو گئے، اور اسلامی فوج کو شکست ہو گئی، جب امیر عراق عبداللہ بن عامر کو اس حادثہ فاجعہ کی خبر لگی تو جہاد کے لئے اعلان عام کر کے خود ایک لشکر جرار لے کر اصطخر پہنچ کر ایرانیوں سے سخت معرکہ آرائی ہوئی بہت سے ایرانی سپاہی کام آئے، اور آخر میں بڑی ذلت وخواری کے ساتھ مطیع ہوئے، حضرت عبیداللہ بن معمر اصطخر کے دلکشا باغ ''بستان راہجرد'' میں دفن کئے گئے، وصال ۲۹ھ کے وقت ان کی عمر چالیس سال کی تھی، اس حساب سے وصال نبوی کے وقت کم از کم دس سال کے رہے ہوں گے۔

آپ کی اولاد میں بڑے نامی گرامی افراد گزرے ہیں۔

(۱) عمر بن عبیداللہ ایران کے مشہور شہسوار ہیں، انہوں نے اپنے زمانہ میں سندھ کے شہر ارمائیل کو فتح کیا ہے۔ (۲) محمد بن عبیداللہ کو خوارج نے قتل کیا تھا، (۳) موسیٰ بن عبیداللہ (۴) معاذ بن عبیداللہ اور معاذ بن عبیداللہ کے نام پر عبیداللہ کی کنیت ابو معاذ تھی، جمعہ کے خطبہ میں سب سے پہلے عبیداللہ بن معمر نے دعا کے وقت دونوں ہاتھ اٹھائے۔

ان کے پڑپوتے جعفر بن طلحہ بن عمر بن عبیداللہ کی ایک بہت بڑی جاگیر اور زمینداری بصرہ میں ام العیال کے نام سے تھی یہاں پر ایک چشمہ تھا جس پر جعفر بن طلحہ نے اسی ہزار دینار خرچ کیا تھا، اور اس کے باغات اور پھلوں سے سالانہ چار ہزار دینار کی آمدنی ہوتی تھی، یہ چشمہ بیس ہزار سے زیادہ کھجور

۱۹۵۔ طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۵۰۸ و ص ۵۰۹، جمہرۃ انساب العرب ص ۲۶۶، تاریخ طبری ج ۳ ص ۳۱۹ و ص ۳۲۲، اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۷۳، اصابہ ج ۴ ص ۲۲۱، سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۵۳۸ و ص ۵۳۹، فتوح البلدان ص ۲۹ و ص ۹۲، تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۱۲۹، تہذیب الاسماء واللغات ج ۱ ص ۳۲۱، کتاب المحبر ص ۲۷ و ص ۶۰ ۴، تاریخ خلیفہ ج ۱ ص ۲۷ و ص ۱۰۷ و ص ۱۲۳ و ص ۱۳۴ و ص ۵ یق، کتاب البیان والتبیین ج ۳ ص ۲۴۷ و ج ۲ ص ۶۷۔

کے درختوں کو سیراب کرتا تھا، حضرت عبید اللہ بن معمر سے عروہ بن زبیر اور محمد بن سیرین نے حدیث کی روایت کی ہے۔[۱۹۴]

حضرت عثمان بن ابوالعاصی ثقفیؓ

حضرت عثمان بن ابوالعاصی بن بشر بن عبد دہمان بن عبداللہ بن ہمام بن ابان بن یسار بنما لک بن حطیط بن چشم بن قسی (ثقیف) ثقفی رضی اللہ عنہ قبیلہ ثقیف کی شاخ بنو مالک سے ہیں، والدہ کا نام فاطمہ بنت عبداللہ بن ربیہ اور کنیت ابوعبداللہ ہے، حضرت عثمان کئی بھائی تھے جن میں سے عثمان، حکم اور مغیرہ نے عہد فاروقی میں ہندوستان میں سب سے پہلے جہاد کیا ہے، عثمان اپنے بھائیوں میں سب سے بہتر صحابی ہیں، رمضان ۹ھ میں طائف کے وفد کے ساتھ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہو کر اسلام لائے اور مدینہ منورہ کے دوران قیام میں اس قدر زیادہ قرآن کی آیتیں یاد کرلیں اور دینی مسائل معلوم کر لئے کہ باوجود ارکان وفد میں سب سے چھوٹے ہونے کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کو اہل طائف کا امام وحاکم مقرر فرمایا، اس زمانے سے لے کر عہد فاروقی میں ۱۵ھ تک اسی مقام اور اسی منصب پر رہے، عہد صدیقی میں ارتداد کی وباء سارے عرب میں پھوٹ پڑی تھی مگر عثمان بن ابوالعاصی نے اپنی ایمانی حرارت سے کام لے کر نہ صرف اہل طائف کو اس فتنہ سے محفوظ رکھا بلکہ قتال مرتدین میں اپنے آدمیوں سے بھرپور مدد کی، جب حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں بحرین اور عمان جیسے مرکز خلافت سے دور اور شورش پسند علاقوں میں امارت وحکومت کیلئے ہوشیار اور تجربہ کار آدمی کی ضرورت پڑی اور حضرت عمر نے محضر صحابہ سے اس بارے میں مشورہ کیا تو تمام حضرات نے متفقہ طور پر عثمان بن ابوالعاصی کا نام پیش کیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ امیر کو ہٹانا مناسب نہیں تھا اس لئے حضرت عمرؓ نے ان کو لکھا کہ کسی آدمی کو اپنا نائب مقرر کر کے مدینہ آئیں چنانچہ انہوں نے اپنے بھائی حکم کو اپنا جانشین بنایا اور جب حضرت عمر نے ان کو بحرین وعمان کا حاکم وامیر مقرر کیا تو اپنے بھائی حکم کو بلا کر بحرین میں اپنا نائب بنایا۔

دو سال تک دونوں بھائیوں نے بحرین وعمان کے حالات درست کر کے ایران کی فتوحات کی طرف توجہ کی، اور بحرین کے قریب ایران کے توج نامی مرکزی مقام کو فتح کر کے اسے فوجی مرکز بنایا، یہاں بنو عبدالقیس وغیرہ قبائل کو آباد کر کے مسجدیں تعمیر کیں اور مسلمانوں کی آبادی قائم کی، پھر دونوں

بھائیوں نے اسی فوجی چھاؤنی سے ایران اور ہندوستان کے مختلف مقامات پر فوج کشی کی اور فتوحات و غنائم حاصل کیے۔

حضرت عثمان ۱۵ھ کے بعد سے ایران میں غزوات و فتوحات کے امیر رہے اور شاندار خدمات انجام دیں مگر ۲۹ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے فوجی خدمات سے سبکدوشی حاصل کر لی، حضرت عثمان نے ان کو بصرہ کا ایک بڑا علاقہ جاگیر کے طور پر دیا جہاں وہ اور ان کے تمام بھائی مستقل سکونت پذیر ہو گئے، اس علاقے کا نام شط عثمان تھا اور اس میں ہر بھائی کے نام کا الگ الگ خطہ تھا جو ان کے نام سے مشہور تھا۔ یہاں آنے کے بعد سب بھائیوں اور ان کی اولاد کو بڑا فروغ حاصل ہوا اور عزت و شرافت اور شہرت و نیک نامی کا سلسلہ نسلاً بعد نسل چلتا رہا، عثمان نے بصرہ میں ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں انتقال کیا، نہایت نیک اور خدا ترس صحابی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث کی روایت کی ہے، آپ سے روایت کرنے والوں میں بھائی حکم بن ابوالعاصی، بھتیجے یزید بن حکم بن ابوالعاصی اور غلام ابوالحکم کے علاوہ یہ حضرات شامل ہیں، امام حسن بصری، سعید بن مسیب، موسیٰ بن طلحہ بن عبداللہ، نافع بن جبیر بن مطعم، ابوالعلاء بن عبیداللہ بن شخیر، محمد بن عیاض، محمد بن سیرین، عبدالرحمٰن بن جوشن غطفانی، ان تمام حضرات میں امام حسن بصری اپنے شیخ کے علوم و معارف کے سب سے زیادہ ناشر راوی ہیں۔ حضرت عثمان بن ابوالعاصی ثقفیؓ نے ایک مرتبہ اپنے لڑکوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔

> یا بنی انی قد امجدتکم فی امھاتکم، و احسنت مھنة اموالکم، وانی ما جالست فی ظل رجل من ثقیف اشتم عرضه والناکح مغترس فلینظر امرؤ منکم حیث یضع غرسه، والعرق السوء قلما ینجب ولو بعد حین۔

> اے میرے بیٹو! میں نے تم لوگوں کو ماؤں کی طرف سے مجد و شرافت دی ہے، اور تمہارے لئے نہایت اچھے طریقے سے مال جمع کیا ہے، اور کسی ایسے ثقفی آدمی کے سائے میں بھی نہیں بیٹھا جسے میں نے برا بھلا کہا ہو اور شادی کرنے والا پودا لگانے والا ہے، لہٰذا تم دیکھ کر پودا لگانا، اور برا نسبی تعلق بہت کم شریف اولاد دیتا ہے، اور مدت کے بعد بھی اس کے برے اثرات

۱۹۶۔ اصابہ ج ۱ ص و ج ۵ ص ۳۲ و ص ۳۳، تجرید الصحابہ ج ۱ ص ۳۲۳، تاریخ طبری ج ۳ ص ۳۲۰، کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۳۸ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۱۴۴ و ص ۱۴۵، تاریخ خلیفہ ج ۱ ص ۱۵۸، تاریخ جرجان ص ۸۶۔

کام کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے ایک شخص نے ان باتوں کو نقل کیا تو آپ نے غلام سے فرمایا کہ یہ باتیں لکھ لو۔

حضرت عثمان بن ابوالعاصی ثقفی اور ان کے بھائیوں کے مفصل حالات ہماری کتاب ''اسلامی ہند کی عظمت رفتہ'' میں بنوابی العاصی ثقفی کے ذیل میں درج ہیں۔[195]

حضرت عمیر بن عثمان بن سعدؓ

حضرت عمیر بن عثمان بن سعد رضی اللہ عنہ عہد عثمانی......۲۹ھ میں فارس اور مکران کے امیر و حاکم تھے تاریخ طبری میں ۲۹ھ کے واقعات،،، میں ہے۔

امر عثمان بن عفان عمير بن عثمان بن سعد على خراسان فاثخن فيها حتى بلغ فرغانه(الى ان قال) ثم دعا عثمان فى سنة تسع و عشرين عبداللّٰه بن عامر بن كريز و امره على البصرة، وصرف عبداللّٰه بن معمرعن مكران الى فارس، واستعمال على عملة فى مكران عمير بن عثمان بن سعد

حضرت عثمانؓ نے عمیر بن عثمان بن سعد کو خراسان کا امیر بنایا تو انہوں نے خراسان سے فرغانہ تک کے تمام علاقے فتح کیے، پھر حضرت عثمان نے ۲۹ ھ میں نئے انتظام کے ماتحت عبداللہ بن عامر بن کریز کو بصرہ کا حاکم بنا کر اور عبیداللہ بن معمر کو مکران سے ہٹا کر فارس کی امارت پر روانہ کیا اور ان کی جگہ مکران میں عمیر بن عثمان بن سعد کو متعین کیا۔

تاریخ طبری اور کامل ابن اثیر میں متعدد مقامات پر یہ نام اسی طرح آیا ہے، مگر مجھے تاریخ اور طبقات و رجال کی پیش نظر کتابوں میں عمیر بن عثمان بن سعد کے نام سے کسی صحابی کا تذکرہ نہیں ملا، خیال ہے کہ یہ بزرگ حضرت عمیر بن سعد بن عبید بن نعمان بن قیس بن عمرو بن عوف بن مالک انصاری

۱۹۷۔ طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۳۰، استیعاب ج ۳ ص ۲۹۳ و ص ۴۹۴، اسد الغابہ ج ۴ ص ۳۰۰، اصابہ ج ۳ ص ۳۴۲، کتاب المعارف ص ۱۴۴، تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۸۔

۱۹۸۔ جمہرۃ انساب العرب ص ۲۶۶، فتوح البلدان ص ۴۹۳ و ص ۳۵۶ و ص ۴۲۰، چچ نامہ ص ۷۲۔

اوسی رضی اللہ عنہ ہیں جن کے دادا کا نام بعض علماء نے شہید بن عمرو بتایا ہے، یہ نہایت عابد و زاہد اور بزرگ صحابی ہیں ان کے فضائل و مناقب بہت زیادہ ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو نسیج وحدہ (بے مثال) کا لقب دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اے کاش! میرے پاس عمیر بن سعد جیسے لوگ ہوتے اور میں ان کو مسلمانوں کا امیر بناتا، شام کی فتوحات میں ان کی شاندار خدمات ہیں حضرت عمرؓ نے ان کو شام کے شہر حمص کا امیر بنایا تھا، ان کے صاحبزادے عبدالرحمن بن عمیر بن سعد کا بیان ہے کہ مجھ سے حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا ہے کہ میں نے ملک شام میں تمہارے والد سے زیادہ نیک بزرگ اور کوئی دوسرا آدمی نہیں دیکھا۔ حضرت عمیر صحابی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کی روایت کی ہے۔

ابن سعد کے بیان کے مطابق حضرت عمیر بن سعد عہد فاروقی میں فوت ہوئے، اور دوسرا قول ہے کہ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں ان کا انتقال ہوا، اور بعضوں نے اس کے بعد ان کی وفات کو بیان کیا ہے، حضرت عمیر بن سعد سے ان کے صاحبزادے محمود کے علاوہ ابوادریس خولانی، ابوطلحہ خولانی، حبیب بن عبید، راشد بن سعد، اور زہیر بن سالم وغیرہ نے روایت کی ہے، تجرید اسماء الصحابہ میں امام ذہبی نے اس نام کے ایک اور صحابی حضرت عمیر بن سعد بن فہد عبدی کا تذکرہ کیا ہے، جن سے مسند ابویعلی میں ایک حدیث مروی ہے، بہر حال یہ بزرگ عمیر بن عثمان بن سعد ہوں یا عمیر بن سعد انصاری یا پھر عمیر بن فہد عبدی ہوں، طبری اور ابن اثیر کی تصریحات کے مطابق صحابی تھے اور عہد عثمانی میں مکران کے امیر تھے، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ کے مقدمہ میں لکھا:

> كانوا لا يؤمرون في المغازي لا الصحابة فمن تتبع الأخبار الواردة في الردة والفتوح رد من ذلك شيئاً كثيراً وهم من القسم الاول
>
> غزوات و فتوحات میں صرف صحابہ ہی امیر بنائے جاتے تھے اور جو شخص روت اور فتوحات کے بیانات کو دیکھے گا وہ ایسے بہت سے صحابہ کو پائے گا اور یہ صحابہ ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت و روایت ثابت ہے۔

؟؟ علمائے طبقات و رجال کے نزدیک صحابیت کی پہچان کے سلسلے میں منجملہ دوسرے اصولوں

۱۹۹۔ طبقات ابن سعد ج۵ ص۶۱ ۵، تاریخ خلیفہ ج۱ ص۲۸۷، اصابہ ج۳ ص۲۶۸، فتوح البلدان ص۳۶۱ و ص۳۲۳، کتاب البیان والتبیین ج۲ ص۳۱۹۔

کے یہ اصول بھی مسلم ہے۔ ۱۹۶

حضرت مجاشع بن مسعود سلمیؓ

حضرت مجاشع بن مسعود بن ثعلبہ بن وہیب بن عائذ بن ربیعہ بن یربوع بن سمال بن عوف بن امراء القیس بن بہثہ بن سلیم سلمی رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور ان کی روایات صحیحین وغیرہ میں موجود ہیں وہ ان کے بھائی حضرت مجالد بن مسعود سلمی دونوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا، مجاشع کا بیان ہے کہ میں اور میرے بھائی دونوں نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم آپ سے ہجرت پر بیعت کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ: ہجرت کا دور گزر چکا ہے، اس پر ہم نے عرض کیا کہ پھر کس بات پر ہم بیعت کریں؟ آپ نے فرمایا اسلام اور جہاد فی سبیل اللہ پر بیعت کرو، چنانچہ ہم نے آپ سے بیعت کی، دور فاروقی و عثمانی کی فتوحات میں آپ کا بڑا حصہ ہے۔

اسلامی فوج نے ایران کے مرکزی شہر توج کا محاصرہ آپ ہی کی امارت میں کیا تھا، آپ نے کابل اور ہندوستان کے علاقے بلوچستان اور کرمان وغیرہ فتح کیے، دور عثمانی میں حضرت مجاشع کی فتوحات کے بعد مسلمان بلوچستان کے علاقے میں مستقل طور سے آباد ہوئے اور یہاں ان کی پہلی آبادی قائم ہوئی ان کی بیوی سمیلہ بنت الوحیدہ بن ازیہر دوسیہ تھیں ان کی وفات کے بعد سمیلہ سے حضرت عبداللہ بن عباس نے نکاح کر لیا، حضرت مجاشع نے آخری ایام میں مجاہدانہ سرگرمیوں سے الگ ہو کر بصرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی اور ۳۶ھ میں جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے لڑ کر شہید ہوئے حضرت مجاشع سے ابوعثمان ہندی، عبدالملک بن عمیر، کلیب بن شہاب، ابو ساسان حصین بن منذر، یحیٰ بن اسحاق نے روایت کی ہے۔ ۱۹۷

حضرت مغیرہ بن ابوالعاصی ثقفیؓ

حضرت مغیرہ بن ابوالعاصی بن بشر بن عبد دھمان ثقفی رضی اللہ عنہ عثمان و حکم کے بھائی ہیں، ملکی و سیاسی اور مجاہدانہ سرگرمیوں میں اپنے بھائیوں کے ساتھ رہ کر عجم کی فتوحات میں حصہ لیا، ان کا مستقل تذکرہ نہ مل سکا، بلاذری نے لکھا ہے کہ عہد فاروقی میں جب حضرت عثمان ثقفی فارس کے جہاد پر روانہ ہوئے تو بحرین و عمان میں ان کے نائب اور جانشین مغیرہ تھے ایک قول ہے کہ دوسرے بھائی حفص بن

ابوالعاصی ثقفی اس عہدہ پر تھے آخری دور میں مغیرہ بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ بصرہ کے شط عثمان نامی علاقے میں مستقل طور سے آباد ہو گئے تھے، ان کے خطہ کا نام مغیرتان تھا، عہد فاروقی میں انہوں نے ہندوستان کے شہر دیبل پر فوج کشی کر کے فتح پائی تھی، ان کے صحابی ہونے کی تصریح کتابوں میں نہیں ہے، مگر علمائے طبقات ورجال کے بیان کردہ اصولوں کی رو سے آپ کی صحابیت ثابت ہے، نیز حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حجۃ الوداع سے پہلے قریش اور ثقیف میں سے کوئی شخص ایسا نہیں رہ گیا تھا جو مسلمان نہ ہوا ہو اور ان دونوں قبائل کے تمام لوگ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، مغیرہ قبیلہ ثقیف سے ہیں، اس کلیہ میں وہ بھی آجاتے ہیں اور اس سے ان کی صحابیت ثابت ہوتی ہے۔ ۱۹۸

حضرت منذر بن جارود عبدیؓ

حضرت منذر بن جارود بشر بن عمرو بن منش بن معلّٰی، حارث بن زید بن حارثہ بن معاویہ بن ثعلبہ بن جذیمہ بن عوف بن بکر بن عوف بن انمار عبدی رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوالاشعث ہے، والدہ کا نام مامہ بنت نعمان ہے، ابن حجرؒ نے اصابہ میں ان کا تذکرہ اصاغر صحابہ میں کیا ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت کا شرف حاصل ہے، اپنی قوم بنو عبدالقیس کے سردار اور مشہور سخی تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو اصطخر کا امیر مقرر فرمایا تھا، اس زمانہ میں ان کی داد و دہش اور سخاوت کا یہ حال تھا کہ جو شخص بھی ان کی خدمت میں سلام کے لئے حاضر ہوتا تھا اسے عطیہ سے نوازتے تھے، پھر یزید بن معاویہ کے زمانے میں عبیداللہ بن زیاد حاکم عراق نے ۶۱ھ یا ۶۲ھ کے شروع میں ان کو سندھ کے شہر قندابیل کا امیر مقرر کیا اور انہوں نے یہاں پورا غلبہ حاصل کر کے بگڑے ہوئے حالات درست کئے، خلیفہ بن خیاط نے لکھا ہے کہ منذر ۶۲ھ میں قندابیل کے امیر بنائے گئے اور اسی سال اسی ملک میں فوت ہوئے، اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال کی تھی، اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر سات آٹھ سال کی تھی، ابن عساکر نے لکھا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیدا ہوئے، ان کے والد جارود صحابی ہیں، منذر کو حضرت علی نے اصطخر کا امیر مقرر کیا تھا اور وہ جنگ جمل حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، بعد میں انہوں نے حضرت معاویہؓ سے بصرہ میں نہر

۲۰۰۔ الاخبار الطوال ص ۱۷۱، ۳، کتاب المحبر ص ۱۴۵، فتوح البلدان ص ۴۲۱، تاریخ خلیفہ ج ۱ ص ۲۱۴ و ص ۲۲۹، تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۴۴۵۔

ثار کی کھدائی کے بارے میں بات چیت کی تو حضرت معاویہ نے اس سلسلے میں زیاد بن ابوسفیان کو لکھا اور انہوں نے نہر معقل جاری کی، چونکہ یہ نہر برکت کے خیال سے صحابی رسول حضرت معقل بن یسارؓ کے ہاتھ سے جاری کرائی گئی تھی اس لئے ان کا نام نہر معقل پڑ گیا۔

حضرت منذر کے دو بیٹے تھے ایک بشر بن منذر جو ۸۳ھ میں جنگ مسکن میں ابن اشعث کے ساتھ شریک ہو کر قتل ہوئے، دوسرے بیٹے مالک بن منذر تھے، جن کی نہر مالکیہ بصرہ میں تھی۔[199]

حضرات تابعین رحمہم اللہ

یہ عجیب بات ہے کہ خلافت راشدہ کے بیس سالہ دور غزوات میں ہندوستان آنے والے تابعین کے ناموں کی تصریح صحابہ کے مقابلہ میں بہت کم ملتی ہے، کیونکہ صحابہ امرائے فوج ہوا کرتے تھے، اور ان ہی کی قیادت میں اسلامی فوج خدمات انجام دیتی تھی، اور ہر قسم کے امور و معاملات کا تعلق امیر سے ہوا کرتا تھا، ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں عام مجاہدوں کے مقابلے میں تاریخوں میں ان کے امراء کے نام زیادہ ملیں گے، اور کسی خاص اور اہم واقعہ کے ضمن میں دوسروں کا ذکر ہوگا، ورنہ اس دور کے ہندوستان میں بارہ تیرہ غزوات و فتوحات میں کئی ہزار بلکہ کیا عجب ہے کہ سب غزوات کو ملا کر لاکھوں کی تعداد میں مجاہدین یہاں آئے ہوں گے، جن میں زیادہ تر حضرات تابعین رہے ہوں گے، عام طور سے ہندوستان میں غزوات و فتوحات خراسان، بجستان، کرمان وغیرہ کے ضمن میں ہوا کرتے تھے، اور ان ممالک کی بھاری فوجیں ہندوستان میں بھی آیا کرتی تھیں، جو زیادہ تر تابعین اور تبع تابعین پر مشتمل تھیں، مگر چونکہ ان کے یہاں آنے کی تصریح ناموں کے ساتھ نہیں ملتی ہے، اس لئے ہم اس سلسلے میں ان کا تذکرہ نہیں کر سکتے ہیں، البتہ جن چند حضرات کے نام صراحت کے ساتھ موجود ہیں، ان کا تذکرہ درج کیا جاتا ہے۔

حضرت تاغر بن دعرؒ

۳۸ھ یا ۳۶ھ میں حضرت حارث بن مرہ عبدیؓ کی امارت و قیادت میں سندھ پر اسلامی فوج نے

199۔ جمہرۃ انساب العرب ص ۲۹۸، استیعاب ج ۱ ص ۲۲ و ص ۳۲۳، اسد الغابہ ج ۲ ص ۴۰، اصابہ ج ۱ ص ۳۷۹، الکامل ج ۲ ص ۴۸۶، تاریخ خلیفہ ج ۱ ص ۸۱ و ص ۱۹۷ و ص ۲۰۰ و ص ۲۰۲ و ص ۲۲۲، انساب الاشراف ج ۵ ص ۵۹، چچ نامہ ص ۴۷ و ص ۷۵۔

جو حملہ کیا تھا اس میں تاغر بن دعریا اسی قسم کے نام کے کوئی بزرگ شریک تھے، بلکہ علی بن حامد کوفی اوشی نے ان کو اس فوجی مہم کا امیر بتایا ہے، مگر اس نام کے کسی بزرگ کا حال مجھے طبقات و رجال کی کتابوں میں نہیں ملا، غالباً دونوں ناموں میں شدید قسم کی تحریف و تصحیف ہے، بہرحال کوئی بزرگ اس قسم کے نام کے ہندوستان میں آئے ہیں۔

حضرت حارث بن مرہ عبدیؒ

حضرت حارث بن مرہ عبدی رحمۃ اللہ علیہ بحرین کے قبیلہ عبدالقیس کی شاخ ربیعہ سے ہیں، اپنے زمانے میں ربیعہ کے مشہور اجواد و اسخیاء میں سے ہیں، کتاب المحبر میں ہے کہ انہوں نے ہندوستان میں جہاد کے دوران ایک دن اپنی فوج میں ایک ہزار غلام تقسیم کئے اور پانچ سو شہسواروں کو انعام و اکرام سے نوازا، الاخبار الطوال میں ہے کہ حضرت علیؓ نے جنگ صفین میں حارث بن مرہ عبدی کو میسرہ کی پیدل فوج کا امیر مقرر کیا تھا، خلیفہ بن خیاط کے بیان کے مطابق ۳۶ھ میں اور عام مورخوں کی تصریح کی رو سے ۳۸ھ میں حارث بن مرہ نے حضرت علی سے اجازت لے کر رضا کارانہ طور پر فوج جمع کی اور مکران آ کر قندابیل اور قیقان تک کے تمام علاقے فتح کئے، مگر ۴۲ھ میں حارث اور ان کے ساتھ اسلامی فوج کا بیشتر حصہ دشمنوں کے ہاتھوں شہید ہو گیا، عام مورخوں کے اس قول کے علی الرغم ابن خلدون نے لکھا ہے کہ جب خوارج نے عبداللہ بن خباب کو قتل کر کے لوگوں کا راستہ مسدود کر دیا تو حضرت علیؓ کو اس پر سخت افسوس ہوا، اور آپ نے حارث بن مرہ عبدی کو معاملات کی تحقیقات کیلئے روانہ کیا تو خوارج نے ان کو بھی قتل کر دیا، ہمارے نزدیک پہلا قول معتبر ہے۔[200]

حضرت حکیم بن جبلہ عبدیؒ

حضرت حکیم بن جبلہ بن حصین بن اسود بن کعب بن عارن حارث بن دیل بن عمرو بن غنم بن ودیعہ بن لکیز بن افصی بن عبدالقیس عبدی رحمۃ اللہ علیہ کا نام حکیم بروزن قریش ہے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے مگر رویت و روایت کا ثبوت نہیں ملتا، نہایت صالح متدین اور اپنی قوم میں معزز و محترم بزرگ تھے، شعر و شاعری سے بھی تعلق رکھتے تھے، ان کے دو اشعار یہ ہیں۔

لیس الرزیة بالدینار نفقده

ان الـرزیة فـقـد الـعـلـم والـحـکـم

یہ مصیبت کوئی مصیبت نہیں کہ ہمارے دینار ختم ہو جائیں، بلکہ مصیبت یہ ہے کہ علم وحکمت گم ہو جائے

و ان اشـرف مـن اودی الـزمـان بـه

اهـل الـعـفـاف و اهـل الجود والکرم

جن لوگوں کو زمانے نے فنا کر دیا ہے ان میں اشراف ترین انسان وہ ہیں جو پاک دامن اور سخی وکریم ہیں۔

آپ زندگی کے آخری ایام میں بصرہ میں آباد ہو گئے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکیم بن جبلہ کو سندھ بھیجا تھا تا کہ وہاں کے حالات کا پتہ لگائیں اور دربار خلافت کو خبر دیں چنانچہ انہوں نے بھی یہاں کے بارے میں وہی ناگوار حالات بتائے جن کو دو پیش رو حضرات نے دربار فاروقی میں پیش کیا تھا۔ بعد میں حضرت عثمان نے حکیم بن جبلہ کو سندھ کا قاضی بنا کر بھیجا۔ آپ عہد عثمانی میں اسلام کے پہلے قاضی ہیں جو اس ملک میں اس خاص عہدہ پر نامزد کر کے بھیجے گئے۔ خلیفہ بن خیاط نے سندھ کے قاضیوں میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان کے زمانے میں یہاں کے قاضی یم بن جبلہ عدی تھے، ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں یہاں مستقل قیام کیا ہوگا، بعد میں حضرت معاویہ سے برگشتہ ہو کر حضرت علیؓ کے طرفداروں میں شامل ہو گئے، اور نہایت بہادری وعزیمت کے ساتھ اسی راہ میں جان دیدی۔

صورت یہ ہوئی کہ جنگ جمل سے پہلے حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ بصرہ آئے اور حضرت علیؓ کے حاکم حضرت عثمان بن حنیف نے ان کے مقابلے کے لئے بنو عبدالقیس کے سات سو سپاہیوں کو حضرت حکیم بن جبلہ کی سرکردگی میں روانہ کیا، بصرہ کے قریب مقام زابوقہ میں دونوں طرف سے مڈبھیڑ ہوئی، حکیم نے بڑھ کر مقابلہ کیا اسی اثناء میں ان کا ایک پیر کٹ گیا، مگر اسی حال میں یہ رجز پڑھتے ہوئے لڑتے رہے۔

یا ساق لن تراعی، ان معی ذراعی، احمی بها کراعی

اے میرے پیر! تو ہمت نہ ہارنا، میرے ساتھ میرا بازو ہے، جس سے میں

۲۰۲۔ طبقات ابن سعد ج ...... ص ۱۸۰ ص ۱۵۶ ص ۱۵۷ ص ۱۷۷، فتوح البلدان ص ۳۸۶، تاریخ خلیفہ ج ۲ ص ۲۹۸۔

۲۰۳۔ اسلامی ہند کی عظمت رفتہ ص ۱۳۳۔

اپنی حفاظت کر رہا ہوں

یہاں تک کہ جب پیر سے بہت زیادہ خون بہہ گیا اور نڈھال ہو گئے، تو اسی آدمی کا سہارا لیا جس نے یہ ضرب کاری لگائی تھی، کسی نے پوچھا یہ حرکت کس نے کی ہے؟ حکیم نے جواب دیا میرے تکیہ اور سہارے نے یہ کام کیا ہے یہ شخص حکیم حدانی قبیلہ بنو حدان کا تھا، مورخوں نے لکھا ہے کہ بہادری کی مثال اس سے بڑھ کر دیکھنے میں نہیں آئی، حکیم کو ابن کلبی نے فاتح مکران بتایا ہے۔[۲۰۱]

حضرت امام حسن بن ابوالحسن بصریؒ

حضرت امام حسن بن ابوالحسن یسار بصریؒ ۲۱ھ میں پیدا ہوئے، ان کے والد یسار مقام ملیسان سے ایک جنگ میں گرفتار ہو کر مدینہ منورہ آئے، اور حضرت انسؓ کی پھوپھی ربیع بنت نضر نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا، ان کی والدہ ام المومنین حضرت ام سلمہ کی آزاد کردہ باندی تھیں، مدینہ میں پیدا ہوئے، اور مقام وادی القریٰ میں پرورش پائی۔ آپ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عابد و زاہد اور غازی و مجاہد تھے اور رزم و بزم دونوں میں بے مثال تھے، کم از کم دو تین بار خراسان، سجستان اور کابل وغیرہ کے غزوات و فتوحات میں شریک ہو کر داد شجاعت دی ہے، لطف کی بات یہ ہے کہ اس دوران میں جہاد اور افتاء دونوں کام کرتے تھے، سلیمان تیمی کا بیان ہے۔

کان الحسن یغزو ، وکان مفتی الناس ھاھنا جابر بن یزید قال :ثم جاء الحس فکان یُفتی.

امام حسن بصری جہاد کرتے تھے اور حضرت جابر بن یزید اسلامی فوج کے مفتی تھے، پھر حسن بصری فتویٰ دینے لگے۔

۳۰ھ میں حضرت ربیع بن زیاد حارثی سجستان کی مہم پر روانہ ہوئے تو ان کے میر منشی اور سکریٹری امام حسن بصری تھے، ربیع بن زیاد نے سجستان کے تقریباً تمام علاقے فہرج، زالق، کرکویہ، ہیسون، زرنگ، دریائے ہندمند، توق، دشت، ناشروز، شراوز وغیرہ فتح کیے۔ اور اس ڈھائی سالہ دور امارت میں دو سال تک زرنگ میں مقیم رہے، ان تمام مہمات و فتوحات میں حضرت حسن بصری اپنے امیر ربیع بن زیاد کے ساتھ ساتھ تھے، مذکورہ بالا فتوحات میں فہرج کی فتح سندھ کی فتح تھی، یہ مقام سندھ کے مشہور شہروں میں سے تھا، اور مقدسی نے اس کو حدود منصورہ میں شمار کیا تھا، اس مہم میں امام حسن بصری کا

۲۰۲۔ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۸۰۔

بحیثیت میر منشی کے شریک ہونا مصرح ہے طبقات ابن سعد، اور فتوح البلدان میں ہے۔

وكانت ولاية الربيع سنتين ونصفا، وسبى فى ولاية هذه اربعين الف راس، وكان كاتبه الحسن البصرى

ربیع کی ولایت وامارت ڈھائی سال تک رہی، اس مدت میں انہوں نے چالیس ہزار لوگوں کو قید کیا، اوران کے کاتب حسن بصری تھے۔

اس کے بعد ۴۲ھ میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃ بجستان پر فوج کشی کے لئے روانہ ہوئے تو ان کے ساتھ اعیان واشراف کی جو جماعت تھی۔ جس میں امام حسن بصری بھی تھے، اور آپ نے تین سال تک عبدالرحمٰن بن سمرہ کے ساتھ رہ کر بجستان وخراسان کے متعدد غزوات میں داد شجاعت دی، ابن سعد کا بیان ہے:

وروى الحسن عن عبدالرحمن بن سمرة انه غزامعه كابل، والاندقان والاندغان، وزابلستان ثلاث سنين.

حسن بصری نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے عبدالرحمٰن بن سمرہ کے ساتھ تین سال تک کابل، اندقان، اندغان اور زابلستان (غزنہ) میں جہاد کیا ہے۔

یہ تمام مفتوحہ علاقے اور بلاد ہندوستان سے متصل ہیں اور ان میں سے کئی ایک اس زمانہ میں ہندوستان میں شمار ہوتے تھے، ربیع بن زیاد حارثی اور عبدالرحمٰن بن سمرہ دونوں حضرات نے خراسان وبجستان کی فتوحات کے سلسلے میں ہندوستانی علاقوں کو فتح کیا ہے اور دونوں حضرات کے ساتھ امام حسن بصری شریک رہے ہیں، آپ نے ۱۱۰ھ میں انتقال فرمایا۔[۲۰۶]

ہم نے اس سے پہلے "اسلامی ہند کی عظمت رفتہ" میں لکھا تھا کہ "امام حسن بصریؒ کے زرنگ کے زمانہ قیام میں کابل فتح ہوا، جو ان دنوں کئی وجوہ سے بدھ سے نسبت رکھتا تھا، امام حسن بصری نے ہندوستان کی سرحد پر واقع اس شہر کے جہاد میں پوری دلچسپی لی، کیا عجب ہے کہ آپ حدود سندھ میں بھی تشریف لائے ہوں۔"[۲۰۳]

۲۰۵۔ تاریخ کبیر ج ۲ قسم ۲ ص ۶۷، طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۲۰۹، کتاب الثقات ص ۸۷، تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۸۳، اسد الغابہ ج ۵ ص ۱۶۴۔

۲۰۶۔ جمہرۃ انساب العرب ص ۲۹۰، اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۰۴، اصابہ ج ۱ ص ۳۶۴، انساب الاشراف ج ۱ ص ۸۲، تاریخ طبری ج ۳ ص ۳۲۰، کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۳۸۔

اور اب ہماری تحقیق میں حضرت امام حسن بصری کا سندھ کی شمالی حدود اور اس کے قرب و جوار میں آنا محقق ہو گیا ہے، مگر یہ آمد براہ راست اور باقاعدہ سندھ میں نہیں تھی بلکہ بجستان و کابل کی فتوحات کے سلسلہ میں تشریف آوری ہوئی تھی۔

تفسیروں میں امام حسن بصری کا یہ قول منقول ہے۔

اهبط ادم بالهند، وحواء بجدة وابليس بدست ميسان. من البصرة على اميال. واهبطت الحية باصبهان، رواه ابن ابی حاتم. ۲۰۴

حضرت آدم ہندوستان میں اتارے گئے، حضرت حواء جدہ میں، شیطان ابلیس دست میسان میں جو بصرہ سے چند میل کی دوری پر واقع ہے اور سانپ اصفہان میں۔

حضرت سعد بن ہشام انصاری

حضرت سعد بن ہشام بن عامر بن امیہ بن زید بن حساس بن مالک بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار انصاری مشہور صحابی حضرت انس بن مالکؓ کے چچا زاد بھائی ہیں، ابن سعد نے ان سے روایت کی ہے کہ میں ایک مرتبہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے اپنے قبیلہ کا ذکر کیا تو دریافت فرمایا کہ کیا تم ان ہی ہشام کے بیٹے ہو جو غزوۂ احد میں شہید ہوئے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا۔

نیز سعد بن ہشام نے حضرت عائشہؓ سے صلوۃ وتر کے بارے میں سوال کیا ہے، نہایت ثقہ راوی حدیث ہیں، اپنے والد ہشام بن عامر، سے روایت کی ہے، اور ان سے حمید بن ہلال، زرارہ بن ابی اوفی، حمید بن عبدالرحمٰن حمیری اور امام حسن بصری رحمہم اللہ نے روایت کی ہے، ابن حبان نے ان کا شمار ثقات میں کیا ہے۔

ابن حجر نے ان کو رواۃ حدیث کے طبقہ ثالثہ میں لکھا ہے، صحاح ستہ میں ان کی احادیث موجود ہیں، امام بخاری نے تاریخ کبیر میں بیان کیا ہے کہ حضرت سعد بن ہشام مکران میں شہید ہوئے۔

۲۰۷۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۶، وص ۱۸۱، اصابہ ج ۳ ص ۴۵۵، کتاب الامالی ابو علی القالی ج ۳ ص ۵۰، کتاب الاضداد فی اللغہ ص ۴۸۔

سعد بن ہشام بن عامر الانصاری ابن عم انس، قتل ارض مکران علی احسن حال.

سعد بن ہشام بن عامر انصاری حضرت انس کے چچازاد بھائی ہیں، سرزمین مکران میں بحالت دین و دیانت شہید ہوئے۔

ابن حجر نے اصابہ میں ان کے ساتھ ایک اور بزرگ کی شہادت کا ذکر کیا ہے جن کے نام کی جگہ بیاض رہ گئی ہے۔

وقرأت فی کتاب الزهد لسیار بن حاتم بسند له ان سعد بن هشام استشهد هو د فی غزاة لهما.

میں نے سیار بن حاتم کی کتاب الزہد میں ان کی روایت سے پڑھا ہے کہ سعد بن ہشام اور دونوں ایک جہاد میں شہید ہوئے۔

مکران میں ان کی شہادت کا ذکر تقریباً سب ہی تذکرہ نگاروں نے کیا ہے مگر امام بخاری کی طرح کسی نے یہ تصریح نہیں کہ وہ مکران کے کس غزوہ میں یا کس سنہ میں شہید ہوئے ہمارا گمان ہے کہ حضرت سعد بن ہشام کی شہادت خلافت راشدہ میں ہوئی ہے۔ ۲۰۵

حضرت سعید بن کندیر قشیری

حضرت سعید بن کندیر بنا بو کندیر سعید بن عیدہ بن معاویہ بن عیدہ بن قشیری بن کعب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ قشیری رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب اسی طرح جمہرہ انساب العرب اور اُسد الغابہ سے معلوم ہوتا ہے اِن کا حال مجھے کتابوں میں نہیں مل سکا، اصابہ میں ان کے والد کندیر بن سعید کا تذکرہ ہے اس کی ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ دادا کے نام پر ان کا نام بھی سعید ہے، تاریخ طبری اور کامل ابن کثیر میں صرف اتنا ہے کہ:-

ومات عثمان، وابن کندیر القشیری علی مکران

حضرت عثمان کی وفات (۳۵ھ) میں ہوئی اس وقت ابن کندیر قشیری مکران امیر تھے۔

ابن کندیر قشیری کے دادا سعید بن حیدہ کا بیان ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ایک مرتبہ میں نے حج کیا

،ایک دن ایک بزرگ کو دیکھا کہ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے یہ شعر پڑھتے ہیں۔

رُدِ عَلَیَّ راکبی محمداً، اصطنعن برده عندی یداً

(اے اللہ) میرے سوار محمد کو میرے پاس پہنچادے، اوران کو واپس کر کے مجھ پر احسان کر۔

جب میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون بزرگ ہیں اوران کا کیا معاملہ ہے؟ تو معلوم ہوا کہ یہ عبدالمطلب بن ہاشم ہیں اوران کا ایک اونٹ گم ہوگیا؛ اس کی تلاش میں ان کے پوتے محمد بن عبداللہ نکلے ہیں، ان کے واپس آنے میں دیر ہوگئی ہے جس کی وجہ سے دادا کو یہ بے قراری ہے، تھوڑی دیر بعد آپ آگئے، اوردادا نے ان سے پیار کی باتیں کیں۔ ۲۰۶

حضرت شہاب بن مخارق تمیمیؓ

حضرت شہاب بن مخارق بن شہاب بن قیس تمیمیؓ قبیلہ بنی جندب عنبر بن تمیم سے ہیں، بعض مورخوں نے ان کی نسبت مازنی بھی بیان کی ہے، بہادران اسلام میں شمار کئے جاتے ہیں، ایران کی مہمات میں ان کی جلیل القدر خدمات ہیں، طبری نے ۱۶ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ مدائن میں ایک مشہور ایرانی شہوار اور بہادر تھا، لوگوں نے اس سے کہا کہ عرب ایران میں داخل ہو گئے، اوران کے ڈر سے ایران کے لوگ بھاگ کھڑے ہوئے؛ اس نے بظاہر اس بات پر کوئی توجہ نہیں دی اورایک ایرانی سردار کے گر میں گیا دیکھا کہ گھر والے اپنے کپڑے وغیرہ سنبھال رہے ہیں، گھر والوں نے بتایا کہ بھڑوں (عربوں) نے ہم پر غلبہ حاصل کرلیا ہے، اور ہمارے گھروں سے نکال دیا ہے، یہ سن کر اس ایرانی شہسوار نے گیلی مٹی دیواروں پر لگوا کر اپنی غلیل سے مٹی کی کچی گولیاں اس دیوار پر یوں مارنا شروع کیں کہ تمام گولیاں ختم ہوگئیں پھر اپنے گھوڑے پر زین کس کر اس کی رکاب کاٹ دی، اوراس پر سوار ہوکر وہاں سے نکلا، وہ آگے بڑھا تو ایک شخص نے سامنے آکر اسے تیر مارا، جس کے لگتے ہی وہ مرگیا، اس شخص نے تیر چلاتے وقت صرف اتنا کہا۔

خذها و انا ابن المخارق

یہ لو میں ابن مخارق ہوں۔

۲۰۸۔طبقات ابن سعد ج۸ص۱۷۱، تاریخ یعقوبی ج۲ص۲۳۰وص۲۳۱، تاریخ خلیفہ بن خیاط ج۱ص۲۵۱، تاریخ طبری ج۱ص۲۵۱، تاریخ طبری ج۵ص۱۷۱۔

بعد میں معلوم ہوا کہ یہ حضرت شہاب بن مخارق بن شہاب تھے۔

ان کے والد مخارق بن شہاب صحابی ہیں، اور اسلامی دور کے مشہور شعراء میں شمار کئے جاتے ہیں، زمانہ جاہلیت میں قبیلہ بنو بکر بن وائل کے لوگ بنوضبہ کے اونٹ ڈاکہ ڈال کر لے گئے تھے، اس موقع پر بنوضبہ نے مخارق بن شہاب کی دہائی دی تو یہ اپنے قبیلہ کے لوگوں کو لے کر آگئے اور بنو بکر بن وائل والوں سے جنگ کر کے اونٹ واپس لے لئے، تاریخ وادب کی کتابوں میں ان کے اشعار پائے جاتے ہیں۔

حضرت شہاب بن مخارق عہد فاروقی میں (۲۳ھ میں) مکران کی جنگ کے موقع پر حضرت حکم بن عمرو تغلبیؓ کی مدد کیلئے پہنچے اور اس جنگ میں اپنی خدمات پیش کیں۔ ۲۰۷

حضرت صیفی بن فسیل شیبانیؒ

حضرت صیفی بن فسیل شیبانی رحمۃ اللہ کو خلیفہ بن خیاط نے قبیلہ ربیعہ سے بتایا ہے، والد کا نام کتابوں میں مختلف ہے طبقات ابن سعد میں قسیل بالقاف، تاریخ یعقوبی میں فسیل بالفاء، تاریخ خلیفہ بن خیاط میں بسیل بالباء اور تاریخ طبری میں قسیل بالنون ہے، ہمارا خیال ہے کہ یہ لفظ فسیل بالفاء ہے۔

عہد عثمانی میں صیفی کے قندابیل میں آنے کا حال علامہ ابن سعد نے حضرت سہیہ بنت عمیر شیبانیہ کے تذکرہ میں بیان کیا ہے، سہیہ تابعیہ تھیں، بصرہ میں رہتی تھیں، انہوں نے حضرت عثمان اور حضرت علیؓ سے روایت کی ہے، یہ صیفی کی بیوی تھیں، ان کو معلوم ہوا کہ میرے شوہر صیفی قندابیل میں فوت ہو گئے ہیں، اس لئے انہوں نے ایک دوسرے آدمی عباس بن طریف قیسی سے شادی کر لی، مگر بعد میں صیفی آگئے، اور یہ معاملہ حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش ہوا تو صیفی دوسرے شوہر کے حق میں دست بردار ہو گئے، ابن سعد نے لکھا ہے۔

ان الحکم بن ایوب بعثه (اباالمليح) الى سهية بنت عمير الشيبانيه فقالت نعى الى زوجى من قندابيل صيفى بن فسيل فتزوجت بعده العباس بن طريف اخا بنى قيس ثم ان الزوج الاول جاء نا۔

حکم بن ایوب نے ابو الملیح کو اس معاملہ کی تحقیق کے لئے سہیہ بنت عمیر

شیبانیہ کے پاس بھیجا تو انہوں نے بتایا کہ میرے شوہر صفی بن فسیل کے بارے میں مجھے بتایا کہ وہ قندابیل میں فوت ہو گئے ہیں، اس لئے میں نے بنی قیس کے عباس بن طریف سے نکاح کرلیا، اس کے بعد پہلے شوہر بصرہ آ گئے۔

پھر سہیہ نے بیان کیا کہ صفی کے آ جانے کے بعد ہم نے اپنا معاملہ حضرت عثمان کے پاس لے جاکر ان کے فیصلہ پر اپنی رضامندی ظاہر کی، اور آپ نے پہلے صفی کو اختیار دیا کہ وہ اپنی بیوی سے مہر کی رقم وصول کرلیں یا اسے اپنے ساتھ رکھیں، صفی نے مجھ سے اور میرے دوسرے شوہر عباس بن طریف دونوں سے دو دو ہزار کی رقم وصول کی۔

بعد میں صفی بن فسیل حضرت علیؓ کے سرگرم طرفداروں میں شامل ہو کر حضرت معاویہؓ اور ان کے طرفداروں کی مخالفانہ سرگرمیوں کا جواب دیتے تھے، یعقوبی نے لکھا ہے کہ ۵۲ھ میں زیاد نے حجر بن عدی کندی، عمرو بن حمق خزاعی، اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کیا، یہ لوگ حضرت علیؓ پر طعن و تشنیع سنتے تو مجمع میں کھڑے ہو کر برملا جواب دیا کرتے تھے، اور معاویہ و زیاد کے خلاف بولتے تھے، اس لئے زیاد نے ان کو گرفتار کر کے حضرت معاویہ کے پاس دمشق بھیج دیا، جب یہ لوگ مقام مرج عذرا پر پہنچے جو دمشق سے چند میل کی دوری پر تھا، تو حضرت معاویہ نے ان کو وہیں روک کر ایک آدمی کو بھیجا جو ان کی گردن مار دے یہ لوگ کل تیرا آدمی تھے، ان میں سے چھ بات چیت کے بعد بچ گئے، اور باقی سات آدمیوں کو اس شخص نے قتل کر دیا، ان کے نام یہ ہیں۔ حجر بن عدی کندی، شریک بن شداد حضرمی، صفی بن فسیل شیبانی، قبیصہ بن ضبیعہ عبسی، محرز بن شہاب تمیمی اور کدام بن حیان عنزی خلیفہ بن خیاط نے اس واقعہ کو ۵۱ھ میں مختصر طور سے لکھا ہے، اور مسعودی نے ۵۳ھ میں بتایا ہے۔ ۲۰۸

حضرت نسیر بن وسیم عجلی

حضرت نسیر بن وسیم بن ثور بن عریجہ بن محلم بن ہلال بن ربیعہ بن عجل بن لجیم بن صعب بن علی بن بکر بن وائل عجلی، بحرین کے قبیلہ بنو بکر بن وائل کی شاخ بنو عجل کے بہادروں میں سے ہیں، اور "صاحب قلعۃ النسیر" کے لقب سے مشہور ہیں، جاہلیت اور اسلام دونوں زمانہ پایا ہے، رسول صلی اللہ

۲۰۹۔ جمہرۃ انساب العرب ص ۳۱۲، فتوح البلدان ص ۲۴۹ و ص ۲۵۰، اصابہ ج ۳ ص ۵۵۳، تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۴۶ و ص ۱۸۰۔

علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں موجود تھے، عہد صدیقی میں قتال مرتدین اور عہد فاروقی میں عجمی فتوحات میں بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ حضرت نسیر بن وسیم نے ایام ردت میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے ساتھ جو کارنامے پیش کئے ہیں۔ان کی تفصیل علامہ البوذری نے یوں بیان کی ہے کہ خالد بن ولیدؓ نے نسیر بن وسیمؓ کو ایک فوجی دستہ کا امیر بنا کر عین التمر سے بنوتغلب کے ایک چشمے کی طرف روانہ کیا، انہوں نے وہاں پہنچ کر شب خون مارا اور بنوتغلب میں قتل وغارت کر کے ان کے بہت سے افراد کو قید کیا، ان میں ایک شخص نے وعدہ کیا کہ اگر اسے رہا کر دیا جائے تو وہ بنو ربیعہ کے ایک مرتد قبیلہ کی نشاندہی کرے گا۔

چنانچہ اس نے رہائی پا کر وعدہ پورا کیا۔ اور حضرت نسیر نے اس پر بھی شب خون مار کر مال غنیمت اور قیدی حاصل کئے، پھر یہاں سے ریگستان طے کرتے ہوئے تکریت پہنچے اور وہاں بھی مسلمانوں کو فتح اور غنیمت حاصل ہوئی، مقام عکبراء میں پہنچے تو مقامی باشندوں کو امن دیا، انہوں نے نسیر کی فوج کو کھانا اور جانوروں کو چارہ دیا، پھر آگے بڑھے۔

جب مقام بروان کے باشندوں کو اسلامی فوج کی آمد کی خبر ملی تو اپنی بستی سے نکل کر مسلمانوں کے آگے آگے دوڑنے لگے، ان کا یہ حال دیکھ کر حضرت نسیر نے ان کو اطمینان دلایا، اور ان کا یہی فعل ان کے حق میں اسلامی فوج کی طرف سے امان ثابت ہوا۔ پھر یہاں سے مخرم ہوتے ہوئے قصر سایور کے قریب والے پل کو پار کیا، یہاں کے ایرانی حاکم خرزاد بن ماہنداد نے نکل کر حضرت نسیر سے مقابلہ کیا، جس میں اسلامی فوج کو فتح ہوئی اور خرزاد شکست کھا کر پسپا ہوا، ان فتوحات کے بعد نسیر پھر عین التمر واپس آئے مقام مخرم اس زمانے میں کسی اور نام سے مشہور تھا، بعد میں مخرم بن حزن بن زیاد بن انس بن دیان حارثی نے یہاں مستقل سکونت اختیار کی تو ان کے نام سے موسوم ہو گیا، اسی طرح قصر سابور بعد میں قصر عیسیٰ بن علی کے نام سے موسوم ہوا۔

خلافت فاروقی میں نسیر بن وسیم کی ابتدائی فوجی خدمات کے بارے میں واقدی کا بیان ہے کہ یوم جسر کی مشہور جنگ کے بعد جب اسلامی فوجیں مقام حفان کی طرف بڑھیں تو حضرت مثنیٰ بن حارثہ نے نسیر بن دلیسم اور خدیفہ بن محصن کو شہسواروں کے ایک دستے کے ساتھ روانہ کیا، اور انہوں نے آگے بڑھ کر بنوتغلب کی ایک جماعت پر یلغار کی، پھر تکریت آئے، اور مقامی باشندوں کو امن وامان

۲۱۰۔ فتوح البلدان ص ۳۶۹۔

۲۱۱۔ ادب المفرد، باب بیع الخادم من الاعراب۔

کی تحریر دی، جو بعد میں بھی کام آئی۔

خلافت فاروقی کی فتوحات میں نسیر بن وسیم کا بڑا حصہ ہے جنگ قادسیہ کے موقع پر انہوں نے یہ شعر کہا ہے۔

لقد علمت بالقادسیۃ اننی
صبور علی اللاواء عفت المکاسب

میری محبوبہ نے جنگ قادسیہ میں دیکھ لیا کہ میں مصائب پر صبر کرنے والا،
اور پاکیزہ کام کرنے والا ہوں۔

ان کے "صاحب قلعۃ النسیر" کے لقب سے مشہور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ۲۲ھ میں معلوم ہوا کہ ایرانی باشندے مقام نہاوند میں طاقت جمع کر کے اسلامی فوج پر شدید حملے کی تیاری کر رہے ہیں، اس لئے کوفہ سے مزید فوج مقام حلوان کی طرف روانہ کی گئی تا کہ یہاں کی اسلامی فوج کی مدد کی جائے، اس امدادی فوج نے مقام ماہ میں پہنچ کر ایرانیوں کے ایک میدانی قلعہ پر قبضہ کر لیا، اور اندر سے ایرانی سپاہیوں کو نکال کر اسلامی فوج کے سپاہی اس کی حفاظت کے لئے مقرر کئے بعد میں یہاں کی فوجی چھاؤنی مرج القلعہ کے نام سے مشہور ہوئی، پھر یہاں سے امدادی فوج نہاوند کی طرف بڑھی، جہاں ایرانی اور اسلامی فوجیں جنگ کر رہی تھیں، راستہ میں اسلام فوج نے ایرانیوں کے ایک اور قلعہ پر قبضہ کیا، اور اس کی حفاظت کے لئے حضرت نسیر بن وسیم عجلیؓ کی قیادت وامارت میں بنی عجل اور بنی ثور کا ایک دستہ متعین کیا گیا، اسی وجہ سے بعد میں نسیر کو "صاحب قلعۃ النسیر" کہا جانے لگا اور یہ قلعہ ان کے نام سے مشہور ہوا، یہ جماعت اپنے امیر حضرت نسیر کی ماتحتی میں قلعہ کی حفاظت کرتی رہی جس کی وجہ سے نہاوند کی جنگ میں بنو عجل یا بنو حنیفہ کا کوئی سپاہی شریک نہ ہو سکا، اس کے باوجود جنگ نہاوند اور دیگر قلعہ جات کے مال غنیمت میں ان لوگوں کو بھی شریک کیا گیا اگر چہ قلعہ نسیر کے محافظین جنگ نہاوند میں شریک نہیں تھے لیکن اس کے مجاہدوں کی مدد کر رہے تھے، ۲۳ھ میں بلوچستان کی فتح کے موقع پر آپ اسلامی فوج کے مقدمۃ الجیش کے امیر تھے، تاریخ طبری، اور اصابہ میں نسیر بن ثور ہے اور تاریخ طبری میں ایک جگہ غلطی سے نسیر بن عمرو ہے، ابن خزم نے جمہرۃ انساب العرب میں اور بلاذری نے فتوح البلدان میں نسیر بن وسیم بن ثور لکھا ہے، غالباً نسیر اپنے دادا کی نسبت سے زیادہ مشہور تھے، اسی لئے بعض مورخوں نے ان کے والد کا نام نہیں لکھا ہے۔۲۰۹

۲۱۲۔ کتاب المنمق ص ۵۰۵، و...... الاعیان ج ۲ ص ۲۱۔

عرب میں چند ہندوستانی مسلمان

خلافت راشدہ کے بیس سالہ دور میں اس ملک کے مغربی شمالی علاقے دارالاسلام بن چکے تھے، جہاں خلافت اور اس کے ماتحت حکام وعمال کی طرف سے باقاعدہ امیر و حاکم رہتے تھے، محکمۂ قضاء قائم تھا اور بعض علاقوں میں عرب مسلمانوں کی آبادیاں قائم کی گئی تھیں، اس دور میں یہاں پر ایسے خوش بخت ہندوستانی باشندے ضرور ہوں گے جنہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے دیس ہی میں بودوباش باقی رکھی ہوگی اور اپنی اپنی بستیوں میں اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا رہے ہوں گے، مگر افسوس کہ ہمیں اب تک ایسی روایت نہیں مل سکی جس سے ان کی تعداد، نام اور حالات معلوم ہوں۔

البتہ اس دور میں ایسے ہندوستانی مسلمانوں کے نام اور حالات ضرور ملتے ہیں جو عرب میں موجود تھے، مستقل طور سے تو نہیں البتہ اسلامی تاریخ کے حاشیہ اور بین السطور سے ان کا پتہ چلتا ہے، اور جیسا کہ تفصیل سے معلوم ہو چکا ہے عرب کے ایسے ہندوستانی تین قسم کے تھے۔

۱۔ وہ ہندوستانی جو اسلام کے قانون جہاد کے مطابق جنگی قیدی بن کر عرب میں گئے اور وہاں اسلام قبول کر کے عرب مسلمانوں کی ولاء اور دوستی میں رہے۔

۲۔ وہ ہندوستانی جو پہلے سے ایرانیوں کی فوج میں تھے، اور بعد میں مسلمان ہو کر اسلامی فوج میں آ گئے۔

۳۔ وہ ہندوستانی جو قدیم زمانہ سے عرب کے سواحل وصحارئ میں بودوباش رکھتے تھے، اور بعد میں یہ سب بھی مسلمان ہو گئے۔

یہ تمام ہندوستانی مسلمان اپنی دیانت وامانت اور خلوص وخدمت کی وجہ سے اسلامی معاشرہ کے قابل احترام عنصر قرار پائے، ان کی بڑی تعداد عراق کے دونوں آباد اسلامی شہر کوفہ اور بصرہ میں رہتی تھی، اور دوسرے مقامات میں بھی یہ لوگ سکونت پذیر تھے، ان میں سے کئی خاندان اور افراد خلافت راشدہ میں ابھرے اور اموی وعباسی دور میں شہرت وناموری کے مالک ہوئے، جن میں جاٹ قوم کے مسلمانوں کا عنصر غالب تھا، ہم ان سے بعض حضرات کے حالات پیش کرتے ہیں۔

ابوسالم زطی

ابو سالمہ زطی بڑے نیک اور صالح تابعی تھے، حضرت علیؓ کے دور خلافت میں بصرہ کے سرکاری خزانے کی نگرانی اور پہرہ داری کیلئے چالیس یا چار سو جاٹ اور سیابجہ مسلمانوں کی جو جماعت مقرر تھی، یہ اس کے رئیس اور سردار تھے، مورخ بلاذری نے لکھا ہے۔

وکان علی سیابجة یومئذ ابو سالمة الزطی وکان رجلاً صالحاً۔ [210]

حضرت علیؓ کے زمانے میں بصرہ کے خزانے کے ہندی محافظوں کے رئیس و سردار ابو سالمہ زطی تھے جو نہایت صالح اور نیک آدمی تھے۔

اور جیسا کہ گزر چکا ہے جنگ جمل سے پہلے ۳۶ھ میں اپنے تمام ساتھیوں اور ماتحتوں کے ساتھ قتل کر دیئے گئے۔

طبیب زطی مدنیؒ

مدینہ منورہ کے یہود، جادو میں بہت آگے اور سفلی اعمال کے ذریعے مسلمانوں کو پریشان کیا کرتے تھے، اس لئے وہاں ان کے سحر اور جادو کے معالج بھی رہتے تھے، چنانچہ جاٹ قوم کے ایک مسلمان طبیب و عامل بھی تھے جنہوں نے ایک موقع پر ام المومنین حضرت عائشہؓ کا علاج کیا، ان کا تذکرہ امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں یوں کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ پر سحر کا اثر ہوا تو ان کے بھتیجوں نے ایک طبیب جاٹ کو علاج کیلئے بلایا۔

ان عائشة رضی اللہ عنہا دبرت امة لها فاشتكت عائشة فسأل بنو اخيها طبيباً من الزط، فقال انكم تخبرونی عن امراة مسحورة سحرتها امة لها۔ [211]

حضرت عائشہؓ نے اپنی ایک باندی مدبرہ بنا کر آزاد کی، اس کے بعد بیمار پڑ گئیں تو ان کے بھتیجوں نے ایک جاٹ طبیب سے رجوع کیا، اس نے بتایا کہ ان پر ان کی باندی نے سحر کیا ہے۔

حضرت عائشہ کی وفات ۵۶ھ میں ہوئی اور یہ واقعہ اس سے پہلے پیش آیا تھا۔

خولہ سندیہ حنفیہؒ

خولہ سندیہ حضرت علیؓ کی باندی تھیں جو خلافت صدیقی میں یمامہ کی جنگ میں گرفتار ہو کر مدینہ منورہ آئی تھیں اور حضرت علی کی ملکیت قرار پائیں، ان کے بطن سے حضرت علیؓ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہؒ پیدا ہوئے، محمد بن حبیب بغدادی نے کتاب المنمق میں ابناء السندیات (سندھی عورتوں کی اولاد) میں محمد بن علی المشہور بہ ابن الحنفیہ کو شمار کیا ہے، اور ابن خلکان نے لکھا ہے۔

> و عن اسماء بنت ابی بکر قالت، رایت ام محمد بن الحنفية سندية سوداء و كانت امة لبني حنفية و لم تكن منهم و انما صالحهم خالد بن الوليد على الرقيق ولم يصالحهم على انفسهم۔ ۲۱۲
>
> حضرت اسماء بنت ابوبکر نے کہا ہے کہ میں نے محمد بن حنفیہ کی ماں کو دیکھا ہے، وہ سیاہ رنگ کی سندھ کی رہنے والی تھیں اور یمامہ کے قبیلہ بنو حنیفہ کے خاندان سے نہیں تھیں بلکہ ان کی باندی تھیں اور حضرت خالد نے بنو حنیفہ سے غلاموں پر صلح کی تھی۔

ان تصریحات کے علی الرغم بعض لوگوں نے خولہ سندیہ حنفیہ کو قبیلہ بنو حنیفہ ہی سے شمار کیا ہے۔

ادبی کتابیں

"کتابیں زندگی کا سرمایہ ہیں"

کلیاتِ اقبال (مع فہرست غزلیات واشاریہ)	علامہ محمد اقبال	200/-
دیوانِ غالب	مرزا اسد اللہ خاں غالب	100/-
دیوانِ غالب (مرزا کے قلمی نسخے کے مطابق)	مرزا اسد اللہ خاں غالب	32/-
دیوان بے خود دہلوی	مرتب: حاجی سید وحید الدین احمد	100/-
دیوانِ حالی	مولانا الطاف حسین حالی	60/-
دیوان غوثِ اعظم	مرتب: سید امیر محمد شاہ قادری	45/-
دیوانِ درد	مرتب: فاروق ارگلی	80/-
شاہ نامہ اسلام	حفیظ جالندھری	150/-
کلیات حسرت موہانی	مولانا حسرت موہانی	150/-
کلیات دلاور فگار	دلاور فگار	172/-
کلیات حالی (مع مسدس حالی)	مولانا الطاف حسین حالی	86/-
کلیات شبلیؒ	علامہ شبلی نعمانی	27/-
کلیات اصغر گونڈی	علامہ اصغر گونڈوی	18/-
انتخاب کلام اقبال	مرتب: فرخندہ ہاشمی	36/-
انتخاب غزلیات جوش ملیح آبادی	مرتب: مطرب نظامی	56/-
انتخاب کلیات جوش	مرتب: ڈاکٹر فضل امام	50/-
انتخاب کلیات اختر شیرانی	باہتمام: ناصر خان	100/-
انتخاب کلام نظیر اکبرآبادی	مرتب: فاروق ارگلی	150/-
کلامِ انیس	مرتب: فاروق ارگلی	150/-

G.K. Series

حیاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مصنف: علی اصغر چودھری قیمت: 30/-

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل حیاتِ مبارک پر سوال و جواب کے انداز میں ہر شخص کے لئے ایک انمول تحفہ

G.K. Series

دینی معلومات

مصنف: علی اصغر چودھری قیمت: 35/-

دین اور دینی علوم کے بارے میں عام معلومات کا بیش بہا خزانہ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔

G.K. Series

انسائکلوپیڈیا اسلامی معلومات

مصنف: پروفیسر رفیع اللہ شہاب قیمت: 51/-

طلباء اور نوجوانوں کے لئے اسلامی معلومات کا انمول تحفہ۔ تحفے میں دینے کے لئے ایک قیمتی کتاب

G.K. Series

اسلامی معلومات

مصنف: حفیظ گوہر قیمت: 60/-

اس کتاب میں اسلام سے متعلق بہت کچھ ہے۔ اسلامی کورس سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے ایک نایاب تحفہ

ارشاداتِ مجدد الف ثانی رح

مرتب: مولانا محمود اشرف عثمانی قیمت: 110/-

حضرت مجدد الف ثانی" کے مکتوبات اور ارشادات کا قیمتی مجموعہ — آج ہی طلب فرمائیں۔

Published by:

فرید بُک ڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ

FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.
NEW DELHI-110002

اُردو دنیا کے مایہ ناز مصنف وادیب

علامہ نسیم حجازی

کے ولولہ انگیز تاریخی اسلامی ناول

معظم علی	محمد بن قاسم
اور... تلوار ٹوٹ گئی	آخری چٹان
قیصر و کسریٰ	انسان اور دیوتا
یوسف بن تاشقین	اندھیری رات کے مسافر
پاکستان سے دیارِ حرم تک	داستانِ مجاہد
قافلہ حجاز	سفید جزیرہ
شاہین	

ناشر

فرید بُک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ

FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.

NEW DELHI-110002